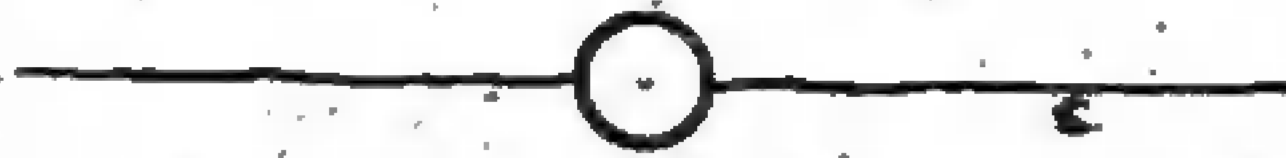
سید صباح الدین عبدالرحمن

بزم اولیاء



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید

صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی طرح صلحاء و اخیار امت کی زندگی بھی مسلمانوں کے لئے نمونہ ہے۔ اس لئے سیرت صوفیاء کی بھی ضرورت تھی اور یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

ممکن ہے اس حقیر تالیف میں ناظرین کو ہندوستان[1] کے مشائخ کرام کی کچھ ایسی نئی تصویریں ملیں جو اور تذکروں میں شاید نہ مل سکیں۔ اس کتاب میں اکابر صوفیاء کے حالات اور اُن کی تعلیمات اُن کے ملفوظات، مکتوبات، وصایا اور تصانیف کی مدد سے پیش کئے گئے ہیں۔ عام طور پر یہ غلط فہمی ہے کہ خواجگانِ چشت کی تعلیمات میں زیادہ تر رنگینی و مستی اور نغمہ و سرود کی آواز سنائی دیتی ہے لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے یہ خیال زائل ہو جائے گا۔

اس حقیر تالیف کو پڑھ کر دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے مؤلف کو ان بزرگانِ دین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہی اس کی قلمی کاوشوں کا بہترین صلہ ہے۔

اس کتاب کی تالیف میں حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کے فیض صحبت کا بڑا اثر ہے۔ ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی پروفیسر اسلامک سٹڈیز کلکتہ یونیورسٹی استاذی المحترم

---

[1] یہ ذہن نشین رہے کہ اس سے مراد وہ ہندوستان ہے جس کے اندر پاکستان بھی شامل تھا۔

مولانا عبدالسلام ندوی، جناب مولانا شاہ معین الدین احمد، سید عبدالحکیم صاحب ناظم کتب خانہ الاصلاح، مولوی محمد انور صاحب ندوی مہتمم کتب خانہ ندوۃ العلماء، جناب حسین احمد خاں عرف منو بابو، جناب امتیاز علی خاں صاحب عرشی ناظم کتب خانہ ریاست رامپور، جناب ناصر محمود خاں صاحب گلبرگہ شریف اور مولانا سید محمد قاسم صاحب مدرس مدرسہ شمس الہدی لائق تشکر ہیں کہ انہوں نے مفید مشوروں اور ضروری کتابیں بھیج کر مدد فرمائی۔

ہیچمدان

سید صباح الدین عبدالرحمٰن (علیگ)

دار المصنفین

حضرت شیخ

ابوالحسن علی ہجویریؒ

پیدائش
سلسلۂ نسب
لاہور میں آمد
علمی تصانیف
علم کی اہمیّت
فقیر کی تعریف
صُوفی کی اصلیت
صوفیوں کے مختلف فِرقے
محفلِ وجد و سماع

سرزمین پاک کو یہ شرف حاصل ہے کہ فارسی زبان کی قدیم ترین صوفیانہ تصنیف کشف المحجوب کا مصنف اسی سرزمین میں آسودۂ خواب ہے۔

کشف المحجوب کے مصنف کا اسم گرامی ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الغزنوی الہجویری الجلابی اللاہوری ہے۔ ہجویر اور جلاب غزنین کے دو قریئے ہیں۔ شروع میں ان کا قیام یہیں رہا۔ اس لئے ہجویری اور جلابی کہلائے۔ آخر زندگی میں لاہور آگر رہے۔ اس لئے لاہوری بھی مشہور ہوئے۔ پیدائش سنہ ۴۰۰ھ میں بتائی جاتی ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ علی بن سید عثمان بن سید علی بن عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید بن امام حسن رض بن علی المرتضیٰ۔

ان کے ابتدائی حالات اور تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہیں ہے۔ ابوالعباس بن محمد الاشقانی کے ذکر کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

"اندر بعضے علوم استادِ من بود[1]" ترجمہ: وہ بعض علوم میں میرے استاد تھے۔

---

[1] ان کے حالات تذکروں میں نہیں ملے۔ ہجویریؒ نے خود لکھا ہے:-

"اندر فنون علم اصولی و فروعی امام بود و اندر ہمہ معانی برسیدہ (بقیہ برصفحہ ۹)

مگر کشف المحجوب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی علمی استعداد غیر معمولی تھی۔ ملا جامی اُن کے علمی تبحر کے معترف ہیں۔

اُن کے شیخ کا نام ابوالفضل بن حسن ختلی ہے۔ ایک ضمنی موقع پر اپنے شیخ کے حال میں وہ خود لکھتے ہیں:۔

"تعلیم تفسیر و روایات واندر تصوف مذہب جنیدؒ داشت۔ مرید حصری بود و صاحب سروانی و از اقران ابوعمرو قزوینی و ابوالحسن بن سالبہ بودہ است و شصت سال بحکم عزلتی بگوشہا اندر می گریخت و نام خود از میان خلق گم کردہ بود و بیشتر بجبل بکام(؟) بود۔ عمر نیکو یافت و وی را آیات و براہین بسیار بود۔ امّا لباس و رسوم متصوفہ نداشتی، و با اہل رسم شدید بودی و من از وی مہیب تر مردی ندیدہ بودم۔"

ترجمہ:۔ تفسیر، روایات اور تصوف میں وہ جنیدؒ کے مسلک پر گامزن تھے اور حصری اور صاحب سروانی کے مرید تھے۔ ابوعمرو قزوینی اور ابوالحسن بن سالبہ

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۸) و مشائخ بسیار را دیدہ از کبار و اجلۂ اہل تصوف بود و راہ خود را بفنا عبارت کردی۔ بعبارت مغلق و وی بدان مخصوص بود۔ دیدم، گروہے از جملہ کہ بدان عبارت وی تقلید کردہ بودند و شطحای وی بدست گرفتہ و تقلید تمعنی ناستودہ بود بعبارت چگونہ باشد۔ مرا بادے انسے عظیم بود و بے زا بریں شفقتی صادق۔

ترجمہ: وہ اصولی اور فروعی علوم میں امام تھے اور اُن کی تہہ تک پہنچے ہوئے تھے ان کی ملاقات بہت سے بزرگوں سے ہوئی تھی اور خود بھی ان کا شمار بڑے بڑے صوفیاء میں ہوتا تھا۔ وہ راہِ حق میں فنا ہو چکے تھے۔ پیچیدہ گفتگو کرنا اُن کی ایک خصوصیت تھی۔ میں نے لوگوں کا ایک گروہ دیکھا جو اُن کی باتوں پر کاربند اور اُن کی شطحیات پر گامزن تھا۔ وہ لوگ ان کے اقوال (بقیہ بر صفحہ ۱۰)

ان کے ہم عصر تھے۔ عزلت کی غرض سے وہ ساٹھ سال تک کنج تنہائی میں پڑے رہے۔ بہت کم لوگ ان کے نام سے واقف تھے اور وہ اکثر کام (؟) کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ انہوں نے بڑی طویل عمر پائی اور اُن کی کرامات بہت ہیں۔ وہ صوفیوں جیسا لباس نہ پہنتے تھے اور رسم و رواج کے پابند لوگوں کے بہت مخالف تھے۔ میں نے اُن سے زیادہ بارعب شخص نہیں دیکھا۔

رُوحانی کسب کمال کے لئے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراالنہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے اولیائے عظام مثلاً ابوالقاسم قشیریؒ، ابوالقاسم گرگانی اور ابوسعید ابوالخیر کی رُوح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ ان مشائخ کبار کا ذکر ایک مستقل باب میں لکھا ہے۔ خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے۔

اس سیر و سیاحت کے بعد لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے۔ حضرت نظام الدینؒ اولیاء سے روایت ہے کہ وہ لاہور اپنے مرشد کے حکم سے آئے۔ ان کے آنے سے قبل ان کے پیر کے مرید شیخ حسین زنجانیؒ لاہور میں مقیم تھے۔ مگر جس شب کو وہ لاہور پہنچے، اسی شب میں شیخ حسین زنجانیؒ نے انتقال فرمایا۔

آخر زندگی تک لاہور میں قیام پذیر رہے اور یہیں دفن ہوئے۔ سن وفات ۴۶۵ھ ہے۔ انتقال کے بعد مزار زیارت گاہِ خلائق بن گیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اُن کی قبر پر چلہ کیا اور جب مدت ختم کر کے رخصت ہونے لگے، تو یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخش ہر دو عالم مظہرِ نورِ خدا | کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۹) کی ناپسندیدہ طریقے پر تاویل کرتے تھے۔ مجھے اُن سے بے حد اُنس تھا اور وہ بھی مجھ پر صدق دل سے شفقت فرماتے تھے۔

بھی ہے ۔عوام داتا گنج بخشؒ کہتے ہیں ۔حضرت فریدالدینؒ گنج شکر نے بھی ان کے مزار پر چلہ کشی کی تھی، جو اُن کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے ۔آپ کا مزار پُر انوار ہر زمانہ میں مرجع خلائق رہا ہے ۔

داراشکوہ اپنے زمانہ کا حال لکھتا ہے :۔

"خلقی انبوہ بر شب جمعہ بزیارت آن روضۂ منوّرہ مشرف می گردند ومشہور است کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز پیہم طواف روضۂ شریفۂ ایشان بکند، ہر حاجتے کہ داشتہ باشد بحصول می انجامد۔ فقیر نیز بزیارتِ روضۂ منوّرہ ایشان ووالدین وخال ایشان مشرف گشتہ ۔"

ترجمہ :۔کثیر تعداد میں لوگ جمعرات کو اُن کے روضۂ منوّرہ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں ۔یہ بات مشہور ہے کہ جو بھی چالیس جمعرات یا چالیس روز متواتر ان کے مزار مبارک کا طواف کرے اس کی ہر حاجت برآتی ہے ۔اس فقیر نے بھی اُن کے نیز اُن کے والدین اور خالو کے مزارات کی زیارت کی ہے ۔

کشف المحجوب کے علاوہ ان کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں ؛

۱۔منہاج الدین ۔اس میں اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے ۔بقیہ اور کتابوں کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں ۔

۲۔کتاب الفناء والبقاء ۳۔اسرار الخرق والمؤنات

۴۔کتاب البیان لاہل العیان ۵۔بحر القلوب

۶۔الرعایۃ بحقوق اللہ ۔

شعر وشاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے ۔کشف المحجوب میں اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے ۔اُن کی تحریر سے اُن کی دو اور کتابوں کا پتہ چلتا ہے ۔

"پیش ازین اندر شرح کلام وی (منصور حلاج) کتابی ساختہ ام ۔"

ترجمہ :۔اس سے قبل میں نے ایک کتاب اُن (منصور حلاج) کے کلام کی شرح میں لکھی ہے ۔

"من اندر بیان این (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ۔"

ترجمہ:۔ میں نے اس عقیدے پر علیحدہ کتاب لکھی ہے۔

لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے۔ ہم تک اُن کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا۔ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں اس کتاب کا جا بجا ذکر فرماتے ہیں حضرت جہانگیر اشرف سمنانیؒ کی تصنیف لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے۔

ملا جامی رقمطراز ہیں:۔

"کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہورہ دریں فن است و لطائف و حقائق در آن کتاب جمع کردہ است۔"

ترجمہ:۔ کشف المحجوب اس فن کی مستند اور مشہور کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں لطائف اور حقائق جمع کیے ہیں۔

دارا شکوہ لکھتا ہے:۔

"حضرت علیؒ ہجویری را تصنیف بسیار است۔ امّا کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را بر آن سخن نیست و مرشدی است کامل۔ در کتب تصوّف بخوبی آن بہ زبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ۔"

ترجمہ:۔ حضرت علی ہجویری کی بہت سی تصانیف ہیں۔ لیکن ان میں کشف المحجوب زیادہ مشہور ہے۔ کسی شخص کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا (یہ کتاب) مرشد کامل ہے فارسی زبان میں تصوّف کی کتابوں میں اس خوبی سے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابو سعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوّف کے رموز و اشارات کو شیخ ہجویریؒ سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ اسی کے جواب میں شیخ نے تصوّف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، جس سے کشف المحجوب تصوّف کی قابلِ قدر کتاب بن گئی ہے۔ اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوّف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کے مباحث

ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کیے جاتے ہیں۔

کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے۔ اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔ شروع میں کلام مجید اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک، مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے علم پر عمل بھی کرتا ہو۔ پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ علم خداوند تعالیٰ ۲۔ علم خلق

اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم بالکل ہیچ ہے۔ وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے۔ بندوں کا علم ایسا ہونا چاہیئے کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ اصولی یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا۔

۲۔ فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کے لئے صحیح نیت رکھنا۔

ہجویریؒ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ۔ علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے۔ علم حقیقت کے تین ارکان ہیں۔

۱۔ خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں۔ اس کا کوئی مثل نہیں۔

۲۔ خداوند تعالیٰ کی صفات کا علم یعنی وہ عالم ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔

۳۔ خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم۔ وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے۔

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں۔

۱۔ کتاب ۲۔ سنت ۳۔ اجماع امت

پہلا علم گویا خدا کا علم ہے اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم۔ ہجویریؒ نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں، اس کا دل جہالت کے سبب سے مُردہ ہے اور جس

شخص کو اس کا عنایت کیا ہو یعنی علمِ شریعت نہیں، اُس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے۔ شیخ نے دونوں علموں کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے اور حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ جس شخص نے صرف علمِ توحید پر اکتفا کی وہ زندیق ہو گیا۔

دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں تین فصلیں ہیں۔

پہلی فصل میں کلامِ مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے اور فقیر کی تعریف یہ کی ہے کہ اُس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے۔ نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے مالدار ہو جائے اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے۔ یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہوگا اسی قدر حال اس پر زیادہ کشادہ ہوگا اور اسرار منکشف ہوں گے۔ وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا جاتا ہے اتنا ہی اُس کی زندگی الطافِ خفی اور اسرارِ روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے اور رضائے الٰہی کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ایک فقیر کا کمال یہ ہے کہ اگر دونوں جہان اُس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں اور اُس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

دوسری فصل میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے۔ بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا فقر سے افضل ہے۔ اُن کی دلیل ہے کہ غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے۔ فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں اور دوستی میں ایسی صفت جو خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہو ضرور پائی جائے گی۔ اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا روا نہیں۔

شیخ ہجویریؒ نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے۔ مثلاً خدا کی صفات میں مماثلت کی کوشش آپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی صفت قدیم ہے اور خلق کی صفت حادث ہے۔ اس لئے دونوں میں مماثلت ممکن نہیں۔ غنی خدا کے منجملہ اور ناموں کے ایک نام ہے۔ یہ اُسی کے لئے زیبا ہے۔ بندہ اس کا مستحق نہیں ہو

سکتا۔ بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے مگر خدا کا غنا سبب سے بے نیاز ہے۔ خلق کے غنا میں حدوث و تغیرات ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس سے ماوراء ہے۔ اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں۔ وجود بشری کو حاجت لازم ہے کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا کیوں کر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح و تفصیل کے بعد ہجویری نے غنا کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے، جو ایک بندہ کے لئے کسی طرح سزاوار نہیں۔

مگر ہجویری کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہیں۔ الغنی من اغناہ اللہ یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کر دے۔ اس لئے غنی باللہ فاعل ہے اور اغناہ اللہ مفعول ہے۔ فاعل بالذات تمام ہوتا ہے اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔ اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے، تو یہ اس کے لئے نعمت ضرور ہے مگر اس نعمت میں غفلت اسی طرح آفت ہے، جس طرح فقر میں حرص۔ اس لئے بندہ اگر غنی ہے، تو اس کو غافل نہ ہونا چاہیئے اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حریص نہ ہونا چاہیئے۔ ہجویری کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے اور فقر میں دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے تجدار رہتا ہے۔ اس لئے فقر غنا سے بہتر ہے۔ اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے تو فقر و غنا کے دونوں تمام اس کے لئے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

تیسری فصل میں فقر و فقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہیں ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے۔ مثلاً حضرت رویم بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدوں کو محفوظ رکھے، اور اس کا نفس آفت سے مصئون ہو اور وہ فرائض کا پابند ہو۔ ہجویری نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گزرے اس کو ظاہر نہ کرے اور جس کا ظہور ہو جائے اس کو چھپائے نہیں۔ اور نہ اسرار کے غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے۔ یا مثلاً حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں سکوت کرے اور ہونے کے وقت خرچ کرے اور خرچ کے لئے بے چین ہو۔ شیخ ہجویریؒ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے۔

ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کے رضا کی دلیل ہے۔ اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا، تو گویا اُس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا۔ مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے کیونکہ محب خلعت قبول نہیں کرتا۔ اس لئے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے، اس کو وہ دوسروں کو دے کر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے۔ دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کا منتظر نہیں رہتا اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہیں ملتا، اس لئے اس کو ترک کر دیتا ہے۔

تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے۔ اس میں بھی تین فصلیں ہیں۔

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے، اس لئے اس نام سے منسوب ہوا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صف اوّل میں رہتا ہے، اسی لئے اس نام سے پکارا جاتا ہے۔ تیسرے کا خیال یہ ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے۔ اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے۔ اسی طرح اور توجیہات ہیں۔ مگر ہجویری رحؒ نے ان میں سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے اور طبیعت کی آفتوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک اور صاف ہو۔ کیونکہ تصوّف باب تفعل سے ہے، جس کا خاصہ تکلف ہے یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے اور یہی تصوّف کے اصلی معنی ہیں۔

اہل تصوف کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

۱۔ صوفی ـــ جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

۲۔ متصوف ـــ جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے اور اس تلاش میں اپنی ذات

کی اصلاح کرتا ہے۔

۳۔ مستصوف ـــ جو شخص مال و منال اور جاہ و حشمت کے لیئے اپنے کو مثل صوفی کے بنا لیتا ہے۔

پس صوفی صاحب وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) متصوف صاحب اصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور مستصوف صاحب فضول ہوتا ہے۔

دوسری فصل میں ہجویریؒ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کیئے ہیں، جن سے ان کے مذکورہ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت حسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو اور نفسانی آفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو۔ یہاں تک کہ غیر خدا سے بری ہو کر وہ صف اوّل اور درجہ اولیٰ میں پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت حصریؒ کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے۔ ہجویریؒ نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے کیونکہ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے اور موافقت مخالفت کی ضد ہے۔ اور جب مراد ایک ہوتی ہے تو مخالفت نہیں ہوتی ہے۔ اس لیئے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہیئے۔

حضرت شبلیؒ کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہان میں خدائے عزّ و جل کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے۔ ہجویریؒ نے اس کی تشریح کر کے بتایا ہے کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا، تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا۔ اس طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا۔

اس بحث میں ہجویریؒ نے حضرت جنیدؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جس سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے۔ یعنی تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ہو۔ رضا حضرت اسماعیلؑ کی ہو۔ صبر حضرت ایوبؑ کا ہو۔ اشارات حضرت زکریاؑ کے ہوں۔ غربت حضرت یحییٰؑ کی ہو۔ سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی ہو۔ لباس حضرت موسیٰؑ کا ہو اور فقر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

تیسری فصل میں ہجویریؒ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں بلکہ یہ ایک خاص اخلاق کا نام ہے۔ علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا یا رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا۔ مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور نہ صرف مجاہدہ سے۔ اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہو کر پورا کرنا۔

۲۔ بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا۔ اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا۔

۳۔ نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا۔

چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں میں بحث کی ہے۔ صوفی سنت رسولؐ کی پیروی میں کمل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے۔ مگر گدڑی پہننے کے لئے ہجویریؒ نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں۔ گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشقؒ ہونا چاہیئے۔ اس کے باوجود وہ خود گدڑی اس وقت پہن سکتا ہے، جب کہ اس کو مشائخ پہنائیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ موخر الذکر اول الذکر سے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لیں اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں۔ خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلاتمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو اور ان کی خدمت اپنے لئے واجب سمجھتا ہو۔ مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو۔ خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبیٰ کے مزے کو ترک کر دیتا ہو اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو۔ دل کی رعایت یہ ہے کہ اس میں ہمت ہو، اس سے تمام غم دور ہوں اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ جب یہ تینوں شرطیں پوری ہو جائیں تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے۔ گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے، جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

چھٹا باب ملامت پر ہے۔ ہجویریؒ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے اور اس کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات وعبادات میں درست ہو پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو لیکن وہ اس کی پرواہ مطلق نہ کرتا ہو۔ مثلاً شیخ ابوطاہر حرمیؒ ایک بار بازار میں جا رہے تھے، ایک شخص نے اُن سے کہا:

"اے پیر زندیق! کہاں جاتا ہے؟"

اُن کے ایک مرید نے اُس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انہوں نے روک دیا۔ اور جب گھر آئے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے جن میں ان کو کسی میں شیخ زکی، کسی میں شیخ زاہد، کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا اور فرمایا کہ:

"ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے۔ مگر یہ سب اسم نہیں ہیں، القاب ہیں۔ کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کے لئے جھگڑا کیوں کیا جائے۔"

۲۔ دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ وحشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔ مثلاً ابویزید رمضان کے مہینے میں سفر حجاز سے اپنے شہر میں واپس آئے، تو لوگوں نے بہت اعزاز واکرام سے اُن کا استقبال کیا۔ اس خیر مقدم میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے۔ انہوں نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ لوگوں نے اُن کو ٹکیہ کھاتے دیکھا، تو اُن کو ملامت کرنے لگے اور اُن سے برگشتہ ہو گئے۔ ابویزید نے قصداً ایسا کیا تاکہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں۔

۳۔ تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو، یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو، جو ہجویریؒ کے نزدیک صحیح نہیں۔

شیخ ہجویریؒ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لئے ایک تر و تازہ باغ، دوستوں کے لئے مائۂ تفریح، مشتاقوں کے لئے راحت اور مریدوں کے لئے سرور ہے۔ اور آخر میں خود اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابویزید کے مزار پر تین مہینے حاضر رہا۔ ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا، جو ایک

بار وہیں حاصل ہو چکا تھا۔ آخر میں وہاں سے اٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا۔ ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی۔ میں اس جماعت کی نگاہ میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا۔ ان میں کچھ کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور واقعی میں اُن میں سے نہ تھا۔ انہوں نے مجھ کو ٹھہرنے کے لئے ایک کوٹھا دیا اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے۔ کھانے کے وقت مجھ کو تو سوکھی روٹی دی اور خود اچھا کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد تمسخر سے خربزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے اور طنز کی باتیں کرتے تھے۔ مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل اُن سے خوش ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ذلّت اٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا۔ اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں۔

آگے سات بابوں میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابہ عظام، اہل البیت، اہل الصفہ، تبع تابعین، ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے۔

چودھواں باب نہایت اہم ہے اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں تفصیل غالباً نامناسب نہ ہو گی۔

پہلا فرقہ محاسبیہ ہے جو عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کی جانب منسوب ہے۔ حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات میں سے نہیں، بلکہ احوال میں سے ہے۔ ہجویریؒ نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ خداوند تعالیٰ کی رضا بندہ سے۔

۲۔ بندہ کی رضا خداوند تعالیٰ سے۔

بندوں سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب، نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضا یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں۔ خداوند تعالیٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے" مگر اس کے احکام کے جاننے والے اس کے خوف وہیبت میں ایسے ہی لذت محسوس کرتے

ہیں، جیسے اس کے لطف وکرم سے حظ اٹھاتے ہیں۔ اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں ہے اور وہ محض اس لئے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں، جس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پاکر تمام غم والم سے نجات پا جاتا ہے۔

اصحاب رضا چار قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک خداوند تعالیٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہیں۔ یہ معرفت ہے۔

دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں۔ وہ دنیا والے ہیں۔

تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں۔ یہ رنج ہے۔

چوتھے احوال ومقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں۔ یہ محبّت ہے۔

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے۔ اس کے پیشوا ابوصالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں۔ جو خلق کی ملامت کو تزکیہ نفس کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ ملامت پر بحث چھٹے باب میں گزر چکی ہے، اس لئے ہجویری رحؒ نے اس موقع پر اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے۔

اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے۔ اوّل الذکر کے پیشوا ابو یزید طیفور بن سروشان البسطامی اور مؤخر الذکر کے امام ابوالقاسم الجنید بن محمد ہیں۔ پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے۔ اس سلسلہ میں ہجویریؒ نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہیں۔ سکر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے۔ ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے، تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے اور غایت بے خودی میں اس کے ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتے۔ اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ صحو محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے، جس میں جمالِ محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی۔ صحو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے، تو وہ کشف ہے۔ صحو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے۔ جب دونوں کی اصل صحیح ہو، تو سکر صحو اور صحو سکر ہے۔ اس جزوی اختلاف کے باوجود دونوں

ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔ لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہوں تو دونوں بے فائدہ ہیں۔ ہجویریؒ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے۔ لکھتے ہیں کہ مقام صحو مردوں کی جائے فنا ہے۔

پانچواں گروہ نوریہ کا ہے جس کے پیشوا ابن الحسن بن نوری ہیں۔ وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اصحاب صحبت کے لئے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے اور اگر صحبت کے رسمی ایثار، رنج و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو، تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے۔ ہجویریؒ نے فرقہ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ کہا ہے۔

۶۔ سہلیہ۔ اس کے امام حضرت سہل بن تستری ہیں۔ ان کی تعلیم اجتہاد (جدو جہد مشقت) مجاہدہ نفس اور ریاضت ہے۔ اجتہاد، مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے۔ اس لئے ہجویریؒ نے نفس کی تعریح واضح طور سے کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے۔ نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے۔ جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا، وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ نفس کا فنا ہو جانا حق کے بقا کی علامت ہے اور نفس کی پیروی حق عزوجل کی مخالفت ہے۔ نفس پر جبر کرنا یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہاد اکبر ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے اس میں بڑا غلو فرمایا ہے۔ وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار دیتے ہیں۔ سہل تستریؒ کے اس مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر منحصر ہے۔ مجاہدہ وصل حق کی علت نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت میں مشغول ہو، پھر بھی حق سے دُور ہو اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو، گنہگار ہو اور اُسے قرب خداوندی حاصل ہو۔ ہجویری نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے تو اُس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا مشاہدہ کرتا ہے کہ مجاہدہ حاصل ہو۔ مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں۔ اس رائے کے باوجود ہجویریؒ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے بلکہ اس کو وصل حق کا طریق اور

22526

ذریعہ سمجھتے ہیں۔
نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزوں کا تابع رہتا ہے۔ ایک عقل کا دوسرے نفس کی خواہشوں کا۔ جو عقل کا تبع ہوتا ہے وہ ایمان کی طرف جاتا ہے۔ اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے، وہ کفر، گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے۔ حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ وصل حق کیا چیز ہے۔
فرمایا: "ہوی کا ترک کرنا"۔ ہجویریؒ نے بھی اس کی تائید میں کہا ہے کہ سب سے بڑی عبادت ہوی کا ترک کرنا ہے۔ ہجویریؒ نے ہوا کی دو قسمیں بتائی ہیں:۔

۱۔ لذت اور شہوت ۲۔ جاہ طلبی۔

اوّل الذکر کے فتنے سے خلق محفوظ رہتی ہے لیکن موخرالذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے، خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو۔
۷۔ **فرقہ حکیمیہ**: یہ گروہ حضرت ابوعبداللہ بن علی الحکیم الترمذی کی جانب منسوب ہے۔ اس فرقہ کا مسلک ہے کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے جو نفس کی حرص و آز سے پاک ہو کر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے اور اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہجویریؒ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے۔ ان کی صفات یہ ہیں کہ دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر وہ صرف ذاتِ خداوندی سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی ہوتے ہیں۔ جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے اور جب دوسرے غمزدہ ہوتے ہیں، تو یہ نہیں ہوتے۔ اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آ جائے گی۔ معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں۔ کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا۔ اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے۔ ہجویریؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے۔ فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے۔ مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور

مگراب نہیں ہیں۔ لیکن ہجویریؒ کہتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں اور ان کی قسمیں بتائی ہیں۔ ۱۔ اخیار۔ ۲۔ ابدال ۳۔ ابرار ۴۔ اوتاد ۵۔ نقباء ۶۔ قطب یا غوث۔

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پر مغرور ہو سکتا ہے۔ لیکن ہجویریؒ نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدہ حق میں باقی ہو۔ اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو۔ وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے کیونکہ شہرت باعثِ فساد و رعونت ہے۔

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے، تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے۔ کرامت ولی کا خاصہ ہے۔ کرامت نہ عقل کے نزدیک محال ہے اور نہ اصول شریعت کے خلاف ہے۔ کرامت محض "مقدورِ خداوندی" ہے یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے۔ ابویزیدؒ، ذوالنون مصریؒ اور محمد بن خفیف وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے۔ اور جو صحو کے حال میں ہو وہ نبی کا معجزہ ہے۔ ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے، وہ محجوب رہتا ہے اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتا ہے، تو اس حال میں (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ اور ابوالعباسؒ سیاری وغیرہ کا مسلک ہے کہ کرامت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے۔ ولی خدا کے ملک کا مدبر، واقف کار اور والی ہوتا ہے اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں۔ اسی لئے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے۔ مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہیں اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہو جاتے ہیں، تو یہ ولی برحق ہو جاتا ہے اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے۔

اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے۔ پھر دو فصلوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء اولیاء سے افضل تر ہیں اور انبیاء و اولیاء فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

۸۔ **فرقہ خرازی** :۔ یہ فرقہ حضرت ابو سعید خراز کی جانب منسوب ہے، جنہوں نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے۔ اس لیے اس فصل میں ہجویری نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے۔ لیکن ہجویریؒ نے ان دونوں کی تردید کی ہے۔ ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا میں حلول کرنا محال ہے۔ کیونکہ حادث قدیم سے، مصنوع صانع سے، مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہو سکتا۔ ہجویریؒ کے نزدیک فنا سے مراد شہوات و لذات کو ترک کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علیحدہ ہو جانا ہے کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بعد، وصل و فراق اور صحو و سکر میں کوئی تمیز باقی نہ رہ جائے۔ اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے۔ اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے۔ اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے۔ یا علائق دنیوی سے علیحدہ ہونا فنا ہے اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے۔ اس غلبۂ جلال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے۔ حال و مقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے۔

۹۔ **فرقہ خفیفی**۔ یہ فرقہ حضرت ابو عبداللہ بن خفیف کی جانب منسوب ہے۔ اس کا مذہب تصوف "غیبت و حضور" ہے۔

غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے۔ اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کی آفتوں سے دور ہو۔ اس کی صفات بشری ختم ہو گئی ہوں اور اس کے تمام ارادے سے پاک ہوں۔

اس سلسلہ میں صوفیاء کرام نے یہ بحث کی ہے کہ غیبت حضور پر مقدم ہے یا حضور غیبت پر۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے۔ ہجویریؒ کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں کیونکہ غیبت سے مراد حضور ہے۔ جو اپنے سے غائب نہیں ہے، وہ حق سے حاضر نہیں ہے اور جو حاضر ہے وہ غائب ہے۔ یہ نکتہ حضرت جنیدؒ کے حال سے واضح ہو جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گزرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے۔ پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ میں اُن کی غیبت پر روتا تھا اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے نہ زمین کی اور نہ خود اپنی۔

۱۰۔ **فرقہ سیاریہ**: یہ فرقہ ابو عباس سیاری کی جانب منسوب ہے، جو مرو کے امام تھے۔ ان کی بحث جمع و تفرقہ پر ہے۔ ہجویریؒ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے کہ ارباب علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے، مگر اصحاب تصوف کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہیں۔ جب سالک خدا کے راستہ میں مجاہدہ کرتا ہے، تو وہ تفرقہ میں ہے اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے، تو یہ جمع ہے۔ جمع میں بندہ جو کچھ سنتا ہے وہ خدا سے، وہ اگر کچھ دیکھتا ہے تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے تو خدا سے۔ پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے اور مجاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی کر دے۔ کیونکہ جب ہدایت غالب ہوتی ہے، تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں۔ چنانچہ فرقہ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور جمع اجتماع ضدین ہیں۔ جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے۔ لیکن ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ جس طرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہو سکتی ہے، اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو اور کبھی موخر۔ مقدم کی حالت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ غیبت کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور جب مجاہدہ مؤخر ہوتا ہے تو رنج و کلفت نہیں ہوتی کیونکہ یہ حالت حضوری میں ہوتا ہے۔ ہجویریؒ

نے دونوں کو لازم و ملزوم اس لئے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ کوشش سے۔

اس کے بعد ہجویری نے جمع کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ ۱۔ جمع سلامت ۲۔ جمع تکسیر۔ جمع سلامت میں بندہ مغلوب الحال رہتا ہے لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے۔ اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے میں نگاہ رکھتا ہے۔ مثلاً حضرت ابویزید بسطامیؒ، ابوبکر شبلیؒ اور ابوالحسن حصریؒ ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے، لیکن نماز کے وقت اپنے حال میں لوٹ جاتے تھے اور جب نماز پڑھ چکتے تھے، تو پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے

جمع تکسیر میں بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بے ہوش ہو جاتا ہے اور اس کی حالت مجنونوں کی سی ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ معذور اور اوّل الذکر مشکور کہلاتے ہیں۔ ہجویریؒ نے مشکور بندوں کو زیادہ فوقیت دی ہے۔

گیارھواں فرقہ حلولیہ ہے، جو ابوحلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے۔ با ہو رہی فرقہ کا نام نہیں لیا ہے مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) بتایا ہے۔

ہجویریؒ نے فرقہ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے۔ خدائے تعالیٰ میں بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے کیونکہ روح حادث ہے قدیم نہیں۔ اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں۔ خالق اور مخلوق کی صفت یکساں نہیں ہو سکتی۔ پھر قدیم و حادث اور خالق و مخلوق کی صفت کیوں کر ایک دوسرے میں حلول کر سکتی ہے۔ روح محض ایک جسم لطیف ہے، جو خدا کے حکم سے قائم ہے۔ اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے۔ اس لئے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے۔ جو کسی طرح تصوف نہیں کہا جا سکتا ہے۔

شیخ ہجویریؒ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے اس انداز کی بحث کی ہے جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے لیکن آئندہ ابواب میں تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہیں اور راہِ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تشریح اور توضیح ہے۔

پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ معرفت علم اور عقل سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر ہجویری نے اس کی تردید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر معرفت علم اور عقل سے ہوتی تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہجویری کا خیال ہے کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے، جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو۔ وہی دل کو کھولتا ہے اور بند کرتا ہے۔ کشادہ کرتا ہے اور مہر لگاتا ہے۔ عقل اور دلیل معرفت کا سبب ہو سکتی ہیں، مگر علّت نہیں۔ علّت صرف اس کی عنایت ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خدا کو میں نے خدا ہی سے پہچانا اور خدا کے سوا کو اس کے نور سے پہچانا۔

معرفت کیا ہے؟ اس پر ہجویریؒ نے صوفیا کرام کے اقوال کی روشنی میں بحث کی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے جو مقدور سے زیادہ ہو۔ لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے۔ پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیوں ہو۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ پیہم لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کر کے اس کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے۔ اس کے دل میں خدا کے سوا موجودات اور مثبتات کا ذرّہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے جس کے بعد بندہ ظاہری اور باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ شیخ شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے۔ حیرت دو طرح پر ہوتی ہے۔ ایک ہستی میں، دوسرے چگونگی میں۔ ہستی میں حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے اور چگونگی میں معرفت۔ کیونکہ خدا کی ہستی میں شک نہیں کیا جا سکتا، مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے اور پھر حیرت، حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تمام حرکات و سکنات خدا کی طرف سے ہیں۔ کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے۔ ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے۔ ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے۔ متحرک اس سے متحرک ہے اور ساکن اس سے ساکن ہے۔ بندہ کا فعل محض مجازاً ہے ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے۔

دوسرا پردہ توحید کا ہے۔ توحید تین طرح پر ہوتی ہے یعنی:

۱۔ خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی وحدانیت کا علم ہے۔

۲۔ خداوند تعالیٰ بندوں کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔

۳۔ بندوں کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے۔

اور جب سالک کو یہ علم بدرجۂ اتم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے جو فصل و وصل کو قبول نہیں کرتا۔ وہ قدیم ہے، اس لئے حادث نہیں۔ وہ محدود نہیں جس کے لئے طرفین ہوں۔ وہ مکین نہیں جس کے لئے مکان ہو۔ وہ عرض نہیں جس کے لئے جوہر ہو۔ وہ کوئی طبع نہیں کہ اس میں حرکت اور سکون ہو۔ وہ کوئی روح نہیں کہ اس کے لئے بدن ہو۔ وہ کوئی جسم نہیں کہ اس کے لئے اجزاء ہوں۔ وہ قوت اور حال نہیں کہ اور چیزوں کی جنس ہو۔ وہ کسی چیز سے نہیں کہ کوئی چیز اس کا جز ہو۔ اس کی ذات وصفات میں کوئی تغیر نہیں۔ وہ حیّ ہے، وہ جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے، وہی کرتا ہے اور وہی چاہتا ہے جو جاتا ہے۔ اس کا حکم اس کی مشیت سے ہے اور بندوں کو اس کے بجا لانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے۔ وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے۔

تیسرا پردہ ایمان کا ہے۔ اس میں یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے؟ معرفت یا طاعت۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایمان کی علت معرفت ہے۔ اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بندہ سے مواخذہ نہ کرے گا، لیکن طاعت ہو اور معرفت نہ ہو، تو بندہ نجات نہیں پائے گا۔ ہجویریؒ کے نزدیک وہ معرفت پسندیدہ نہیں ہے جس میں طاعت نہ ہو۔ ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے اور شوق اور محبت کی علامت طاعت ہے۔ شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائے گی، اسی قدر فرمانِ الٰہی کی تعظیم زیادہ بڑھتی جائے گی۔ یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اسی وقت تک ہے، جب تک کہ خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو اور حصولِ معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا اور جسمانی طاعت کی

تکلیف اٹھ گئی - بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اُن کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہو گیا تو پھر تن کو اس کی طاعت نہ کرنی چاہیئے۔

چوتھا پردہ طہارت کا ہے۔ ہجویری رح کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ طہارت ظاہر ۲۔ طہارتِ باطن۔ طہارت ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں۔ اور طہارت باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ میں توبہ سے ہوتی ہے۔ جو سالک کا پہلا مقام ہے۔ توبہ کے معنی ہیں خداوند تعالیٰ کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا۔ توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں۔

۱۔ خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو۔
۲۔ یہ مخالفت فوراً ترک کر دی گئی ہو۔
۳۔ اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ ہو۔

یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں جب ندامت ہو۔ اس ندامت کے لئے بھی تین شرطیں ہیں۔

۱۔ عقوبت کا خوف ہو۔
۲۔ یہ خیال ہو کہ بُرے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں۔
۳۔ نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے۔

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ عذاب کے ڈر سے۔ اس کو توبہ کہتے ہیں جو عام بندے کیا کرتے ہیں۔
۲۔ ثواب کی خواہش سے۔ یہ انابت ہے جو اولیاءاللہ کے لئے مخصوص ہے۔
۳۔ حصول عرفاں کے لئے۔ یہ اذابت ہے، جو انبیاء و مرسلین کے لئے ہے۔

آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔

۱۔ خطا سے صواب کی جانب ہو۔ یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار ہو۔ یہ توبہ عام ہے۔

۳۔ صواب سے صواب کی طرف ہو۔ یہ اہل ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے۔
۴۔ خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو۔ یہ محبت کی دلیل ہے۔

پانچواں حجاب نماز کا ہے۔ اس میں شیخ ہجویریؒ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے کی کوشش کی ہے کہ نماز بندوں کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے اور ان پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں۔ وضو یعنی جسم کی طہارت، توبہ (باطن کی طہارت) ہے۔ قبلہ رُو ہونا مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ قیام نفس کا مجاہدہ ہے۔ قرات ذکر ہے۔ رکوع تواضع ہے۔ سجدہ نفس کی معرفت ہے۔ تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے اور سلام دنیا سے تنہا ہو کر مقامات سے باہر آنا ہے۔

نماز کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہیں۔ مثلاً صوفیا کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے۔ لیکن ہجویریؒ نے دونوں کی تردید کی ہے۔ ان کے دلائل یہ ہیں کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضوری نہ ہوتی اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا۔ چنانچہ ہجویریؒ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے، جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہیں۔

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے یا جمع۔ جن کو نماز میں تفرقہ ہوتا ہے وہ فرض اور سنت کے سوا نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے وہ رات دن نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والوں کے لیے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کے لیے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے اور جب ہمت جمع ہو جاتی ہے تو نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے۔ تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا ہے۔

شیخ ہجویریؒ کی رائے میں اصلی نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو اور روح عالم ملکوت میں۔ صوفیائے کرام نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں۔ حضرت حاتم اصمؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہوں۔ حضرت ابوالخیر اقطعؒ کے پاؤں میں آکلہ ہو گیا تھا۔ اطباء نے پاؤں کاٹنا چاہا

مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ ایک روز وہ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا۔ ایک بی بی کو نماز میں بچھو نے چالیس بار ڈنک مارا مگر ان کی حالت میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا۔ وہ نماز سے فارغ ہوئیں، تو ان سے پوچھا گیا کہ بچھو کو کیوں نہیں اپنے سے دور کیا۔ بولیں خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی۔

چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے، جو ایمان کا جزء ہے۔ اس سے روگردانی جائز نہیں۔ سالک کو زکوٰۃ میں نہ صرف سخی بلکہ جواد ہونا چاہئے۔ سخی سخاوت کے وقت اچھے اور بُرے مال میں اور اس کی زیادتی و کمی میں تمیز کرتا ہے مگر جواد کے ہاں اس قسم کا فرق و امتیاز نہیں ہوتا۔

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفی کے فقر میں زکوٰۃ کی گنجائش کہاں؟ مگر ہجویریؒ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں ہر شے کی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکر گزاری ہے۔ تندرستی ایک نعمت ہے، جس کے لئے زکوٰۃ لازم ہے۔ اس کی زکوٰۃ سب اعضا کو عبادت میں مشغول رکھنا ہے۔ باطن بھی ایک نعمت ہے۔ اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے۔

ساتواں حجاب روزہ ہے۔ شیخ ہجویریؒ کے نزدیک روزہ سے مراد حواس خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گزر نہ ہو۔ بھوک سے بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس سے نفس میں فنا دگی اور دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ بھوک سے جسم بلا میں مبتلا ہوتا ہے۔ لیکن دل کو روشنی، جان کو صفائی۔ اور سر کو بقا حاصل ہوتی ہے۔ حضرت ابو العباس قصابؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کھاتا ہوں تو اپنے میں گناہوں کا مادہ پاتا ہوں۔ اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہوں تو سب طاعتوں کی اصل پاتا ہوں۔ حضرت عبداللہ تستریؒ پندرہ روز میں ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے اور جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا تو معمولی افطار کے سوا عید تک کچھ نہیں تناول فرماتے تھے۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ بھی رمضان المبارک میں کوئی چیز نہ کھاتے تھے۔ حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا۔ روزانہ گیہوں کاٹنے کی مزدوری پر جایا کرتے تھے۔ اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی، اس کو فقراء اور مساکین میں دے دیا کرتے تھے۔

آٹھواں حجاب حج کا ہے۔ ہجویریؒ کے نزدیک حج کے لئے ایک صوفی کا نکلنا گناہوں

سے توبہ کرنا ہے۔ کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتوں سے علیحدہ ہونا ہے۔ عرفات میں قیام کرنا مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا ہے۔ مزدلفہ جانا نفسانی مرادوں کا ترک کرنا ہے۔ خانۂ کعبہ کا طواف کرنا خدائے تعالیٰ کے جمال باکمال کو دیکھنا ہے۔ صفا اور مروہ میں دوڑنا دل کی صفائی اور اس میں مروّت حاصل کرنا ہے۔ منیٰ میں آنا آرزوؤں کو ساقط کرنا ہے۔ قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشوں کو ذبح کرنا ہے اور کنکریاں پھینکنا بُرے ساتھیوں کو دُور کرنا ہے۔ جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہیں ہوئیں، اُس نے گویا حج نہیں کیا۔

شیخ ہجویری رحؒ نے حج کو مقام مشاہدہ قرار دیا ہے۔ اس لئے اس باب میں مشاہدہ پر بحث کی ہے۔ حضرت ابوالعباسؒ نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے یعنی جب خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کر اس کی کلیت اس کی حدیث ہو جائے تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی۔ حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جس چیز کی طرف دیکھا، خداوند عالم کے لئے دیکھا یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا۔ ان دونوں اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشاہدہ میں ایک گروہ فاعل کو اور دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے۔ ہجویریؒ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے۔ دل پرتو انوار الٰہی ہے، اس لئے ظاہر اور باطن میں حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے اور یہ دیدار اور کیفیت ہے، جو ذکر و فکر میں حاصل ہوتی ہے۔

اس کے بعد مختلف ابواب میں ہجویریؒ نے سالک کے طریق آداب پر بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ سالک ہر حال میں حق کے احکام کا اتباع کرتا ہو۔

۲۔ بندوں کا حق بھی ادا کرتا ہو۔

۳۔ اس کے لئے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے کیونکہ تنہائی اس کے لئے آفت ہے۔

۴۔ جب کوئی درویش اس کے پاس آئے۔ تو عزت کے ساتھ اس کا استقبال کرے۔

۵۔ سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کے لئے ہو۔

۶۔ اس کا کھانا اور پینا بیماروں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو اور حلال ہو۔ وہ دنیادار کی دعوت قبول نہ کرے۔

۷۔ چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے۔ رعونت اور تکبّر اختیار نہ کرے۔

۸۔ اسی وقت سوئے، جب نیند کا غلبہ ہو۔

۹۔ خاموش رہے، کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے، لیکن اس کی گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے۔

۱۰۔ کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے۔

۱۱۔ تجرّد کی زندگی سنت کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ تجرّد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے۔ لیکن اگر سالک خلق سے دُور رہنا چاہتا ہے تو مجرّد رہنا اس کے لئے زینت ہے آخر میں سماع پر بحث ہے۔ ہجویری ؒ کے نزدیک سماع مباح ہے۔ مگر اس کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں: سالک سماع بلا ضرورت نہ سنے اور طویل وقفہ کے بعد سنے تاکہ اس کی تعظیم دل میں قائم رہے۔ محفل سماع میں مرشد موجود ہو۔ عوام شریک نہ ہوں۔ قوال فاسق نہ ہوں۔ سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو۔ طبیعت لہو ولعب کی طرف مائل نہ ہو اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے، تو اس کو تکلّف کے ساتھ نہ روکے۔ اور یہ کیفیت جاتی رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے۔ وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے۔ قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے۔ محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں۔ ہجویری ؒ نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا ہے بلکہ اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔

حضرت
خواجہ معین الدین چشتیؒ

بانی سلسلہ چشتیہ
سلسلۂ نسب
سیاحت
بیعت
ہندوستان میں آمد
ہندو جوگیوں کا جادو
ہندو حکومت کی شکست
ملفوظات
عارف کی پہچان
خلفاء

برصغیر پاک و ہند میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الملۃ والدین حسن چشتی سنجری قدس سرہٗ العزیز بلدۂ سجستان میں پیدا ہوئے[1] ۔ سلسلۂ نسب یہ ہے ۔

خواجہ معین الحق والدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سیّد طاہر بن سیّد عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن امام علی رضا بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر بن محمد باقر بن امام علی

---

[1] سیر العارفین میں آپ کے مولد شریف کا نام دار سنجان ؟ اور سیر الاقطاب میں اصفہان لکھا ہے ۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۷۵ میں ہے "تولدِ او در بلدۂ سجستان بود" اکبر نامہ میں ہے "خواجہ از سیستان است و او را سنجری نویسند کہ معرب سنگری است" (جلد دوم ص ۱۵۴) تزک جہانگیری میں ہے "مولد آنجناب سیستان ست ازیں جہت ایشاں را سنجری نویسند کہ معرب سنگری است" (ص ۴) راقم الحروف کے خیال میں سنجری کتابت کی غلطی ہے جو عوام و خواص میں پھیل گئی دراصل صحیح لفظ سجزی ہے ۔ عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز بھی کہتے ہیں جس کی نسبت سجزی ہے ۔ اس لئے معین الدین سنجری کے بجائے سجزی صحیح ہے ۔ سیر الاقطاب کے مصنف کا یہ کہنا کہ آنحضرت اصل از سادات سنجرستان است و محض قیاس ہے ۔

زین العابدین بن سید الکونین امام حسین بن علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

بارہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ترکہ میں ایک باغ ملا۔ اس کی نگہبانی کرتے تھے۔ ایک روز ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب باغ میں آئے۔ خواجہ معین الدینؒ نے انگور کے خوشے پیش کئے۔ لیکن انہوں نے انگور نہ کھایا اور کھلی (کنجارہ) کو دانتوں میں چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا۔ کھلی کا کھانا تھا کہ خواجہ صاحب کا دل انوارِ الٰہی سے روشن ہو گیا۔ علائق دنیا سے برگشتہ ہو کر طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سمرقند پہنچے۔ یہاں کلام پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم میں مشغول رہے[1]۔

سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ قصبہ ہارون[2] میں حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا۔ سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب شیخ عثمان ہارونی کی خدمت میں ڈھائی سال رہے اور ریاضات و مجاہدات میں زندگی بسر کی۔

سیر الاقطاب، اخبار الاخیار، مونس الارواح، سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ بیس سال تک اپنے پیر کی خدمت میں رہے۔ اس مدت میں خواجہ صاحب نے اپنے پیر و مرشد کے ساتھ دس سال تک سیاحت کی (مونس الارواح) اسی سلسلہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت کی۔ پیر و مرشد نے ان کے حق میں خدا اور اس کے رسولؐ کی بارگاہ میں دعائیں کیں۔ عالم غیب سے ندا آئی:۔

"معین الدین دوست ما است۔ او را قبول کردم و برگزیدم"

---

[1] سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۱ اور مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں پندرہ سال مذکور ہے۔ [2] سیر العارفین میں ہے کہ حفظ کلام پاک اور تحصیل علوم ظاہری سمرقند اور بخارا میں کی۔ [3] یہ قصبہ نیشاپور کی حدود میں واقع ہے۔ خیر المجالس میں ہے:۔ خواجہ فرمود کہ ہارونی نیست، ہرونی است۔ ہرون دیہی است خواجہ در آں دہ بود۔ (بحوالہ اخبار الاخیار ص ۲۵)

ترجمہ: معین الدین ہمارا دوست ہے۔ ہم نے اُسے قبول کیا اور برگزیدہ بنایا۔
مدینہ منورہ ہی میں بارگاہ رسالت سے خواجہ صاحب کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی۔ (سیر الاقطاب و مونس الارواح)

شیخ عثمان ہارونیؒ کو خواجہ صاحب سے بڑی شیفتگی اور محبت تھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ

"معین الدین محبوب خدا است و مرا فخر است بر مریدی اُو۔"[1]

ترجمہ: معین الدین خدا کا محبوب ہے اور مجھے اس پر فخر ہے کہ وہ میرا مرید ہے۔

چنانچہ خواجہ صاحب کو خرقہ خلافت سے سرفراز کیا۔ اس وقت اُن کا سن شریف ۵۲ برس کا تھا (مونس الارواح) اور جب وہ پیر سے رخصت ہونے لگے، تو ان کو عزیز مرید کی فرقت گوارا نہ ہوئی اور بغداد کے سفر میں ساتھ رہے[2]۔

ہارون سے خواجہ صاحب بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔ سنجان پہنچ کر شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں ڈھائی سال مقیم رہے[3]۔ وہاں سے چل کر جیل پہنچے۔ اور حضرت شیخ محی الدین محمد عبدالقادرؒ جیلانی سے شرف نیاز حاصل کیا اور ان کی معیت میں بغداد آئے۔ جہاں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین کی صحبت سے مشرف ہوئے اور یہیں خواجہ اوحد الدین کرمانی قدس سرہٗ سے فیض یاب ہو کر اُن سے خرقہ خلافت[4] پایا۔

بغداد سے ہمدان آئے اور خواجہ یوسف ہمدانی سے ملاقات کی۔ ہمدان سے تبریز پہنچے اور شیخ جلال الدین تبریزی کے پیر طریقت حضرت ابو سعید تبریزیؒ کی زیارت کی۔ اور ان کی صحبت سے متمتع ہوئے۔ وہاں سے استرآباد آئے۔ استرآباد میں شیخ ناصر الدین استرآبادی کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ شیخ ناصر الدین بایزید بسطامیؒ کی اولاد میں تھے۔

---

[1] سیر العارفین ص ■ - سفینۃ الاولیاء ص ۱۵۸ - سیر الاقطاب ص ۱۰۳ - نولکشور پریس و مونس الارواح - [2] سیر العارفین ص ۵ و خزینۃ الاصفیا ص ۲۵۷ - [3] [4] ایضاً۔

اس وقت ان کا سن شریف ایک سو ستائیس سال کا تھا۔ استر آباد سے ہری ہوتے ہوئے خواجہ صاحب سبزوار پہنچے۔ اور وہاں سے حصار رونق افروز ہوئے۔ حصار سے بلخ آئے اور عرصہ تک شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں مقیم رہے۔ بلخ سے غزنی کی طرف روانہ ہوئے یہاں شیخ نظام الدین ابوالمؤید کے پیر شیخ عبدالواحد غزنوی کی زیارت کی اور پھر وہاں سے ہندوستان کی طرف قصد کیا۔

جس وقت وہ ہندوستان آئے، اس وقت شیخ علی ہجویری کا انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن اُن کے مزار پر چلہ کیا۔ وہاں سے خواجہ صاحب ملتان آئے اور وہاں پانچ سال رہ کر ہندوؤں کی زبان (شاید سنسکرت اور پراکرت) سیکھی۔ یہاں سے وہ دہلی فروکش ہوئے اور دہلی سے اجمیر دسویں محرم ۵۶۱ھ میں نزول اجلال فرمایا اور یہیں آخر وقت تک قیام رہا۔ اس زمانہ میں اجمیر اور دہلی کا حکمران چوہان خاندان کا مشہور راجپوت راجہ پتھورا تھا۔ اس کے حکام نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی اور جب وہ خود ان کے مقابلہ میں بے بس اور لاچار رہے، تو ہندو جوگیوں کو اپنے سحر اور جادو سے خواجہ صاحب کو مغلوب کرنے کے لئے مامور کیا۔ لیکن خواجہ صاحب اپنی روحانی قوت اور کرامت سے ان پر غالب رہے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کی تعلیم سے راجہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔ راجہ نے خواجہ صاحب کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ مگر خواجہ صاحب نے دھمکی پر صرف یہ ارشاد فرمایا کہ:[1]

"ما او را بیرون کردیم و دادیم"۔ ترجمہ: ہم نے اُس کو باہر کر دیا اور دے دیا ہے۔

یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ سلطان شہاب الدین غوری نے پتھورا کے خلاف ۵۸۷ھ اور ۵۸۸ھ میں دو حملے کئے اور آخری حملہ میں پتھورا گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے سیاسی اقتدار اور خواجہ صاحب کے فیوض و برکات سے ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہو گیا۔ اسی لئے خواجہ صاحب کا لقب "وارث النبی فی الہند" ہے۔

---

[1] اخبار الاخیار میں یہ الفاظ اس طرح ہیں۔ فرمود پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم۔

اجمیر کے قیام کے زمانہ میں خواجہ صاحب نے دو شادیاں کیں۔ جن میں ایک تو سید وجیہ الدین مشہدی کی دختر نیک اختر تھیں اور دوسری کسی ہندو راجہ کی لڑکی بی بی امۃ اللہ تھیں جو مشرف باسلام ہو گئی تھیں۔ پہلے نکاح کے ستائیس برس[1] کے بعد عالم بقا کو رحلت فرمائی۔ تاریخ وفات روز دوشنبہ ۶ رجب المرجب ۶۳۲ھ ہے۔ سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے کہ وفات کے وقت سن شریف ۹۷ سال تھا۔ لیکن سفینۃ الاولیاء میں رحلت کے وقت آپ کا سن ۱۰۴ اور مونس الارواح میں سو سال لکھا ہے۔

سیر الاقطاب میں ہے کہ وفات کے دن عشا کی نماز پڑھ کر اپنے حجرہ کا دروازہ بند کر لیا۔ حجرہ کے باہر خانقاہ کے رہنے والوں کے کانوں میں ایسی آواز آتی رہی جیسے کوئی پاؤں کو وجد کی حالت میں پٹکتا ہو۔ ان کو خیال ہوا کہ خواجہ صاحب پر وجد کا عالم طاری ہے آخر شب یہ آواز بند ہو گئی۔ فجر کی نماز کا وقت ہوا تو دروازے پر دستک دی گئی لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ جب دروازہ کسی طرح کھولا گیا، تو لوگوں نے دیکھا کہ حبیب اللہ حب اللہ کی خاطر جاں بحق ہو گئے۔

سماع سے بھی ذوق تھا۔ محفل سماع میں ان پر غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک بار حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ کی خانقاہ میں مقیم تھے۔ وہاں کی مجلس سماع میں قوالوں نے یہ دو شعر گائے ۔

عاشق بہ ہوائے دوست بیہوش بود — وز یادِ محبتِ خویش مدہوش بود
فردا کہ بہ حشر خلق حیران ماند — نام تو درونِ سینہ و گوشش بود

تو خواجہؒ کئی روز تک بیہوش رہے۔ مفتاح العاشقین میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام خواجہ معین الحق الشرع والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے سماع کے بارے میں فرمایا کہ سماع اسرار حق معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

ہندوستان کے صوفیائے کرام میں خواجہ صاحبؒ کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے۔

---

[1] بعض تذکرہ نویس سات اور بعض سترہ برس بھی لکھتے ہیں۔ (مونس الارواح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو "قطب المشائخین" کے لقب کی بشارت ملی۔[1]

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے ان کو "ملک المشائخ، سلطان السالکین، منہاج المتقین، قطب الاولیاء، شمس الفقرا، ختم المہتدین" کے لقب سے یاد کیا ہے۔[2]

سیر العارفین کے مؤلف نے ان کو سلطان العاشقین اور برہان العارفین لکھا ہے۔[3]

سیر الاقطاب کے مصنف نے قطب الاقطاب، حجۃ الاولیاء، جہبط انوار، مخزن المعرفت والحقیقت، پردہ انداز اسرار غیبی، چہرہ کشائے صور لاریبی، صاحب سفینۃ الاولیاء نے زبدۂ مشائخ اجل و قدوۂ اولیائے اکمل" کہا ہے۔[4] مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے ان کو "سر حلقۂ مشائخ کبار" لکھا ہے۔

خواجہ صاحب کے فیوض و برکات اور کرامات و خوارق عادات عام طور پر بہت مشہور ہیں۔ اور آج بھی ان کی ابدی خواب گاہ کی زیارت کے لئے ہندوستان کے ہر گوشہ کے لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔

ہر دور میں مسلمان فرمانرواؤں کو حضرت خواجہ کی ذات اقدس سے غیر معمولی عقیدت رہی۔ مالوہ کے سلطان محمود خلجی نے راجپوتوں کے خلاف فوج کشی کی تو حضرت خواجہ کے مزار پُر انوار پر پہلے حاضری دی۔ اس کے بعد میدان جنگ کی طرف رُخ کیا۔ اور جب فتح حاصل ہوئی، تو مزار کے قریب ایک مسجد بنوائی، جو صندل خانہ کے نام سے مشہور ہے۔ شہنشاہ اکبر کو حضرت سلیم چشتی سے اس لئے عقیدت پیدا ہوئی کہ وہ حضرت خواجہ کے سلسلہ سے منسلک تھے۔ اور جب شیخ کی دعاؤں سے شہزادہ سلیم پیدا ہوا تو اکبر خوشی میں آگرہ سے اجمیر تک پا پیادہ گیا وہاں شاہانہ طریقہ پر خیرات تقسیم کرائی۔ ایک مسجد اور خانقاہ کے لئے کئی عمارتیں بنوائیں۔ درگاہ کے انتظام میں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ مراد کی پیدائش پر بھی اکبر نے اجمیر شریف کی زیارت کی۔ اس کو جب کبھی ملکی اور فوجی کاموں سے فرصت ملتی تو حضرت خواجہ کے آستانہ پر ضرور حاضر

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۰۲ و مونس الارواح [2] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۲۔ [3] سیر العارفین ص ۴۔ [4] سیر الاقطاب ص ۱۰۳ [5] سفینۃ الاولیاء ص ۵۸۔

ہوتا تھا۔

جہانگیر بھی اپنے آٹھویں سال جلوس میں اجمیر شریف گیا۔ اس نے ایک لاکھ دس ہزار روپے صرف کر کے مزار کے گرد ایک طلائی تحجر تیار کرایا تھا لیکن یہ اب موجود نہیں ہے۔

شاہجہان نے بھی حضرت خواجہ کے آستانہ پر کئی بار حاضری دی۔ روضہ کے پاس سنگ مرمر کی مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس کی لڑکی جہاں آرا بیگم کو بھی حضرت خواجہ سے والہانہ عقیدت تھی۔ اسی عقیدت کی بنا پر خواجگان چشت پر ایک کتاب مونس الارواح کے نام سے تحریر کی۔

خواجہ صاحب نے کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی ہے۔

"حضرت شیخ نظام الدین می فرمود کہ من ہیچ کتابی نہ نوشتہ ام، زیرا کہ حضرت شیخ الاسلام فریدالدین و شیخ الاسلام قطب الدین و خواجگان چشت قدس اللہ ارواحہم و از مشائخ شجرۂ ما ہیچ شخصے تصنیف نہ کردہ است"

حضرت شیخ نظام الدین فرماتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی کیونکہ حضرت شیخ الاسلام فریدالدین اور شیخ الاسلام قطب الدین اور خواجگانِ چشت قدس اللہ ارواحہم اور ہمارے شجرہ کے مشائخ میں سے کسی نے کتاب نہیں لکھی۔

مگر خواجہ صاحب کے ملفوظات کو ان کی تصانیف سمجھ کر مندرجہ ذیل کتابیں ان کی جانب منسوب کرتے ہیں۔

۱۔ انیس الارواح ۲۔ رسالہ در کسب نفس[۱] ۳۔ دلیل العارفین

انیس الارواح میں خواجہ صاحب نے اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونی کی ۲۸ صحبتوں کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ ان ملفوظات میں تصوف کے مہمات مسائل و نکات پر بحث نہیں کی گئی ہے بلکہ اقوال کے ذریعہ سے بعض شرعی، اخلاقی اور دنیاوی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

---

[۱] یہ رسالہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس لئے اس پر کسی قسم کی روشنی نہیں ڈالی جا سکی۔ اس کا ایک نسخہ "ایشیاٹک سوسائٹی بنگال" کلکتہ میں ہے۔

مثلاً نماز اور شریعت کے فرائض کا منکر کافر ہے۔ صدقہ دینا ہزار رکعت پڑھنے سے افضل ہے۔ مومن کو گالی دینا اپنی ماں بہن سے زنا کرنا ہے۔ ایسے شخص کی دعا سو دن تک مستجاب نہیں ہوتی ہے۔ پیشہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشہ ہی کے ذریعہ روزی ملتی ہے، وہ کافر ہے۔ کیونکہ رزاق مطلق خدا ہے۔ مصیبت میں چلانا، نوحہ کرنا اور کپڑے پھاڑنا ستر مسلمانوں کے خون کرنے کے برابر ہے۔ مومن وہ شخص ہے، جو تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے۔ درویشی، بیماری اور موت۔ حاجت مندوں کی مدد کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ اگر کوئی شخص اوراد و وظائف میں مشغول ہو اور کوئی حاجت مند آجائے تو لازم ہے کہ وہ اوراد و وظائف کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی حاجت پوری کرے۔ افضل ترین زہد موت کو یاد کرنا ہے۔ تین گروہ بہشت کی بو تک نہ پائیں گے۔ ایک جھوٹ بولنے والا درویش، دوسرا کنجوس، تیسرا خیانت کرنے والا سوداگر۔

دلیل العارفین: اس کتاب میں خواجہ صاحب کی گیارہ صحبتوں کے ملفوظات ہیں جن کو ان کے مرید حضرت بختیار کاکیؒ نے جمع کیا ہے۔ یہ ۵۶ صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔ اس میں مختلف دینی مسائل و صوفیانہ رموز مثلاً نماز، وضو، طہارت، جنابت، غسل، صدقہ، شریعت، حقیقت، طریقت، محبت الٰہی، عشق الٰہی، معرفت الٰہی، عذاب قبر، توقیر گورستان، گناہِ کبیرہ، عبادت اہل سلوک، دوزخ، فضیلت سورۂ فاتحہ وسورہ یٰسین، کشف و کرامت، صحبت نیک و بد، توکل، توبہ اور تجرید پر جستہ جستہ مختصر مگر جامع اور بصیرت افروز اشارے اور نکتے ہیں، جن کو سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے۔

ان ملفوظات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب کے نزدیک اہل سلوک کا ہر قسم کے صوری و معنوی اخلاق و محاسن کا حامل ہونا ضروری ہے کیونکہ ان کے نزدیک تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم بلکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اخلاق ہے، جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہیئے۔

صوری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو۔ جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد نہ ہوگی، تو وہ دوسرے مقام پر

پہنچے گا، جس کا نام طریقت ہے اور جب اس میں ثابت قدم رہے گا، تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا۔ اور جب اس میں بھی پورا اترے گا، تو حقیقت کا مرتبہ پائے گا۔ جس کے بعد وہ جو کچھ مانگے گا، اس کو ملے گا۔ اسی لیے خواجہ صاحب نے شریعت کے تمام ارکان اور جزئیات خصوصاً نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے۔ نماز کو مومن کی معراج کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ جب وہ نماز پڑھے تو اس طرح کہ گویا انوار تجلی کا مشاہدہ کر رہا ہے[1]۔ اسی سلسلہ میں اور بہت سی ضمنی باتوں کا ذکر آگیا ہے۔ مثلاً خواجہ صاحب کا ارشاد ہے کہ راہِ سلوک میں چار گناہ کبیرہ[2] ہیں۔

۱۔ گورستان میں قہقہہ لگانا۔ ۲۔ گورستان میں کھانا پینا کیونکہ یہ عبرت کا مقام ہے۔ ۳۔ مردم آزاری کرنا۔ ۴۔ خدا کا نام لے کر لرزہ براندام نہ ہونا۔ سالک کو ان گناہوں سے بچنا لازمی ہے۔

خواجہ صاحب نے اہل سلوک کی منجملہ عبادتوں میں پانچ اور عبادتیں بتائی ہیں۔ ۱۔ والدین کی خدمت۔ ۲۔ کلام اللہ کی تلاوت۔ ۳۔ علماء و مشائخ کی تعظیم اور دوستی۔ ۴۔ خانہ کعبہ کی زیارت ۵۔ پیر کی خدمت[3]۔

ایک عارف کی معنوی خوبیوں کا اندازہ خواجہ صاحب کے مندرجہ ذیل ارشادات عالیہ سے ہوگا۔

عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے۔ اسرارِ الٰہی کے حقائق اور انوارِ الٰہی کے دقائق کو آشکارا کرتا ہے[4]۔

عارف عشقِ الٰہی میں کھو جاتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے، سوتے اور جاگتے اسی کی قدرتِ کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے[5]۔

عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے، تو وہ اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے

---

[1] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۵ [2] دلیل العارفین ص ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸۔ [3] ایضاً ص ۲۱، ۲۲ [4] ایضاً ص ۵ [5] ایضاً ص ۵۔

کہ اگر ہزاروں فرشتے بھی اُس سے مخاطب ہوں تو وہ اُن کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ عارف ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے۔ عالم ملکوت میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقربین پر اس کی نظر پڑتی ہے اور وہ ان کے حرکات و سکنات کو دیکھ کر مسکراتا ہے[1]۔

عرفان میں ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے کہ عارف ایک قدم بڑھا کر عرش سے حجاب عظمت اور حجاب عظمت سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتا ہے اور دوسرے قدم میں واپس آجاتا ہے۔ یہ تو عارف کا کمترین درجہ ہے۔ ایک عارف کامل کہاں تک پہنچ جاتا ہے وہ خدا ہی جانتا ہے[2]۔

عارف دونوں جہان سے قطع تعلق کر کے یکتا (فرد) ہو جاتا ہے اور جب یہ یکتائی (فردانیت) حاصل کر لیتا ہے، تو وہ ہر چیز سے بیگانہ نظر آتا ہے[3]۔

عارف وہی ہے کہ وہ جہاں بھی ہو اس کی خواہش کے مطابق کام انجام پائے۔ وہ نہیں ہے جو کسی چیز کے پیچھے پریشان ہو[4]۔

عارف کے مراتب ہوتے ہیں۔ جب ان کو وہ طے کر لیتا ہے تو وہ دنیا کو اپنی انگلیوں کے حلقہ میں دیکھتا ہے[5]۔

عارف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس میں صفاتِ الٰہی کا ظہور ہو اور خدائے تعالیٰ سے عارف کی محبت کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر دل کے نور کو ظاہر کر دے اور کوئی شخص دعویٰ کے ساتھ آئے تو اُس کو اپنی کرامت سے مغلوب کر دے[6]۔

"اگر کسے بر وی بدعوی آید آں را بقوتِ کرامت ملزم کند۔" ترجمہ: اگر کوئی شخص دعویٰ کے ساتھ آئے تو اس کو اپنی کرامت سے مغلوب کرے۔

اگر کوئی شخص کرامت دیکھنا چاہے تو اس کو خدا کی اجازت سے کرامت دکھلانی چاہیے۔

---

[1] دلیل العارفین۔ ص ۶ [2] ایضاً ص ۶ [3] ایضاً ص ۸ [4] ایضاً ص ۴۱۔
[5] ایضاً ص ۴۱ [6] ایضاً ص ۴۱

عارف خاموش رہتا ہے تو وہ گویا خدائے تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے۔ اور جب آنکھیں بند کرلیتا ہے، تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائے جب تک صورِ اسرافیل کی آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچ جائے۔[۱]

عارف وہ ہے جو اپنے دل سے ساری باتیں نکال کر یگانہ ہو جائے۔ عارف کا کمال یہ ہے کہ دوست کی راہ میں اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کر دے۔[۲]

عارف اسی قدر معرفت کی باتیں کر سکتا ہے، جس قدر اس کو عبور ہے۔ کوئے یار میں دوڑتا ہے اور معرفت کو اس وقت تک نہیں پہنچتا ہے جب تک معارف کو یاد نہ کرے۔[۳]

عارف وہ ہے کہ دم حاصل کرے اور جب یہ دم حاصل ہو جائے تو پھر زمین اور آسمان کے بیچ میں اس کو نہ پائے۔ عارف کا دم ذکرِ خدا ہے اور اسی دم پر اپنے کو وہ فدا کر دے۔[۴]

عارف کی فضیلت اس میں ہے کہ وہ خاموش رہے اور اندوہگیں ہو۔[۵]

عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے۔ اس کو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے۔[۶]

عارف گریہ کرتا ہے۔ لیکن جب اس کو قربت نصیب ہوتی ہے تو وہ گریہ بند کر دیتا ہے۔[۷]

دنیا میں تین چیزیں عزیز ترین ہیں۔ ۱۔ عالم کا وہ سخن جو اپنے علم سے بیان کرے۔ ۲۔ وہ شخص جس کو طمع نہ ہو اور ۳۔ وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی ثنا و صفت بیان کرتا رہے (ص ۴۷)

عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کے جلال کو دیکھتا ہے تو وہ نابینا ہو جاتا ہے تاکہ غیر پر اس کی نظر نہ پڑے۔[۸]

عارف کا ایثار بے نیازی ہے۔[۹]

عارف کی خصلت اخلاص ہے۔[۱۰]

---

[۱] دلیل العارفین ص ۴۳۔ [۲] ایضاً ص ۴۴۔ [۳] ایضاً ص ۴۴۔ [۴] ایضاً ص ۴۴۔
[۵] و [۶] ایضاً ص ۴۷۔ [۷] ایضاً ص ۴۸۔ [۸] ایضاً ص ۴۸۔ [۹] و [۱۰] ایضاً ص ۵۰۔

عارف محبت میں کامل ہوتا ہے اور جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے، تو وہ ہوتا ہے یا اس کا دوست[1]۔

عارف صادق وہ ہے کہ اس کی ملک میں کچھ نہ ہو اور نہ وہ کسی کی ملک ہو[2]۔

عارف کا توکل یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے التفات نہ رکھے۔ حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف اور رنج پہنچے، تو وہ نہ ان کی شکایت کرے نہ حکایت[3]۔

عارف وہ ہے جو صبح کو اٹھے، تو رات کو یاد نہ کرے[4]۔

عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکر حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے[5]۔

عارف کی صفت آفتاب جیسی ہے۔ تمام دنیا اس سے منور ہے۔ دنیا کی کوئی چیز اس کی روشنی سے محروم نہیں ہے[6]۔

عارف کے لئے تین ارکان ضروری ہیں۔ ہیبت، تعظیم، حیا۔ اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے۔ طاعت گزاری تعظیم ہے اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے۔ (سیر الاقطاب ص ۱۳۹)

خواجہ صاحب کی طرف ایک دیوان بھی منسوب ہے، مگر اہل نظر کی رائے میں یہ جعلی ہے۔ اس لئے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنا نہیں چاہتے۔

دلیل العارفین کے علاوہ خواجہ صاحب کے ملفوظات بعض تذکروں میں بھی محفوظ ہیں۔ ان ملفوظات میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ راہِ سلوک میں چودہ مقامات ہیں ۱۔ توبہ ۲۔ عبادت ۳۔ زہد ۴۔ رضا ۵۔ قناعت ۶۔ مجاہدہ (یا جہد) ۷۔ صدق ۸۔ تفکر ۹۔ استرشاد ۱۰۔ اصلاح ۱۱۔ اخلاص ۱۲۔ معرفت ۱۳۔ شکر ۱۴۔ محبت۔

ان میں سے ہر ایک مقام ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے یعنی توبہ حضرت آدمؑ، عبادت حضرت ادریسؑ، زہد حضرت عیسیٰؑ، رضا حضرت ایوبؑ، قناعت حضرت یعقوبؑ، مجاہدہ حضرت

---

[1] دلیل العارفین ص ۵۰۔ [2] ایضاً ص ۵۱ [3] ایضاً ص ۵۱ [4] ایضاً ص ۵۳
[5] ایضاً ص ۵۴ [6] ایضاً ص ۵۵۔

یونسؑ، صدق حضرت یوسفؑ، تفکر حضرت شعیبؑ، ارشاد حضرت شیثؑ، اصلاح حضرت داودؑ، اخلاص حضرت نوحؑ، معرفت حضرت خضرؑ، شکر حضرت ابراہیمؑ اور محبت افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

سلوک کے مراتب میں اہل طریقت کے لئے مندرجہ ذیل دس شرائط ضروری قرار دی ہیں:
۱۔ طلب حق ۲۔ طلب مرشد کامل ۳۔ ادب ۴۔ رضا ۵۔ محبت و ترک فضول ۶۔ تقویٰ ۷۔ استقامت شریعت ۸۔ کم کھانا اور کم سونا ۹۔ لوگوں سے کنارہ کش ہونا ۱۰۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہونا۔

اسی طرح اہل حقیقت کے لئے بھی دس چیزیں لازمی ہیں۔
۱۔ معرفت میں کامل ہونا ۲۔ کسی کو رنج نہ پہنچانا اور نہ کسی کی برائی کرنا ۳۔ لوگوں سے ایسی گفتگو کرنا جس سے ان کی دنیا اور آخرت بنے ۴۔ متواضع ہونا ۵۔ عزلت نشین ہونا۔ ۶۔ ہر شخص کو عزیز اور محبوب رکھنا اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر سمجھنا ۷۔ رضا و تسلیم کو راہ دینا ۸۔ ہر درد اور تکلیف میں صبر اور تحمل کرنا ۹۔ عجز و نیاز اور سوز و گداز پیدا کرنا۔ ۱۰۔ قناعت اور توکل پسند ہونا۔

خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔
قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ خواجہ فخر الدین فرزند ارجمند حضرت خواجہ (قصبۂ سردار) شیخ حمید الدین ناگوری۔ شیخ وجیہہ الدین۔ شیخ حمید الدین صوفی۔ خواجہ برہان الدین عرف بدھ۔ شیخ احمد۔ شیخ محسن۔ خواجہ سلیمان غازی۔ شیخ شمس الدین۔ خواجہ حسن خیاط۔ جے پال جوگی المعروف بہ عبداللہ۔ شیخ محمد ترک نارنولی۔ شیخ علی سنجری۔ خواجہ یادگار سبزواری۔ خواجہ عبداللہ بیابانی۔ شیخ متا۔ شیخ احمد۔ شیخ مسعودؒ غازی (اجمیر)

لہ یہ سلطان سالار مسعود غازی شہید سے مختلف ہیں۔

حضرت

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

مقام پیدائش
سلسلۂ نسب
شادی اور طلاق
دہلی میں آمد
التمش بادشاہ کی ارادت
شیخ الاسلام کا حسد
استغناء
ذوق سماع
وصال
تذکرہ ملفوظات
خلفاء

(خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی قدس سرہٗ قصبہ اوش (ماوراء النہر) میں پیدا ہوئے۔ بختیار نام اور قطب الدین خطاب تھا۔ حسینی سادات میں سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔
خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بن سید کمال الدین بن سید احمد اوشی بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن حضرت تقی الجواد ابن علی موسیٰ رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہم۔
ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے پوری ذمہ داری سے تعلیم و تربیت کا فرض انجام دیا۔ اور پانچ برس کے سن سے ایک نیک اور صالح بزرگ ابو حفص سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ ان سے ظاہری علم کے علاوہ باطنی علوم اور سلوک کے آداب و طریق کی بھی تعلیم حاصل کی اور اوائل عمر سے ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہنے لگے) جب خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ورود اوش میں ہوا تو ان سے شرفِ بیعت حاصل کیا اور سترہ سال کی عمر میں ان سے خرقہ خلافت[1] پایا۔

---

[1] سیر العارفین ص ۴۶۔ سیر الاقطاب ص ۱۴۵ میں ہے کہ اوش سے نکل کر حضرت بختیار کاکی بغداد پہنچے اور یہاں امام ابو اللیث سمرقندی کی (بقیہ بر صفحہ ۵۱)

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وہ رات دن میں پچانوے رکعت نماز ادا کرتے تھے اور ہر رات کو تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر حضور قبلۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ شادی کی ابتدائی تین راتوں میں یہ معمول ناغہ ہو گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس احمد نامی ایک زاہد کو خواب کے ذریعہ یہ پیام دیا کہ وہ قطب صاحب سے دریافت کریں کہ آخر یہ بے نیازی کیوں؟ یہ سن کر قطب صاحبؒ نے اسی وقت بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دیا حالانکہ شادی کو کل تین روز گزرے تھے۔ دنیاوی علائق سے چھٹکارا پا کر وہ بغداد گئے اور شیخ بہاؤ الدین سہروردیؒ، اوحد الدین کرمانیؒ اور جلال الدین تبریزیؒ جیسے بزرگوں کی صحبت میں شریک رہے۔ اسی اثنا میں ان کو خبر ملی کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ خراسان سے ہندوستان جا رہے ہیں۔ مرشد کے شوقِ ملاقات میں وہ بھی ہندوستان روانہ ہو گئے۔ شیخ جلال الدین تبریزیؒ ان کی فرقت کو گوارا نہ کر سکے، اس لئے وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔

ملتان میں یہاں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہٗ کمال محبت و شفقت سے ملے۔ اس لئے قطبؒ صاحب نے وہاں کچھ دنوں تک قیام فرمایا۔ اسی اثنا میں مغلوں نے ہندوستان پر یورش کی۔ ملتان کا حاکم قباچہ، قطب صاحب سے فیوض و برکات کا طلب گار ہوا اور کہا جاتا ہے کہ انہی کی کرامت سے مغل شکست کھا کر فرار ہوئے۔ ملتان سے قطبؒ صاحب دہلی آئے اور جلال الدین تبریزیؒ کو وہاں سے غزنین کی طرف بھیجا۔ قطب صاحبؒ دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان شمس الدین التمش نے ان کا استقبال کیا اور ان کے قیام کا انتظام شہر کے اندر کرنا چاہا۔ لیکن قطب صاحبؒ نے کیلو کھری میں سکونت پسند کی۔ سلطان التمش ہفتہ میں دو بار قطب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے فیوض سے مستفیض ہوتا تھا۔ آخر میں سلطان کے اصرار سے مجبور ہو کر قطب صاحبؒ شہر دہلی کے اندر فروکش ہونے پر راضی ہو گئے۔ اور

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۵۰) مسجد میں خواجہ معین الدین چشتیؒ سے شرف بیعت حاصل کیا اس مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردی شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی بھی تھے۔

ملک عین الدین کی مسجد میں قیام فرمایا۔

یہاں سے حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں شوق ملاقات اور اشتیاق قدمبوسی کا عریضہ ارسال کیا۔ خواجہ صاحب اپنے مہجور مرید کی تشنگی بجھانے کے لیئے خود دہلی تشریف لائے۔ یہاں کے تمام خواص وعوام اور مشائخ کبار ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری نہ آئے۔ خواجہ صاحبؒ خود ان سے ملنے گئے۔ انہوں نے شکایت کی کہ قطب صاحبؒ کے ساتھ لوگوں کی گرویدگی اور فریفتگی کی وجہ سے ان کا وقار اور دبدبہ معرض خطر میں آگیا ہے۔

اس لیئے شیخ الاسلام کی خاطر خواجہ صاحبؒ نے قطب صاحبؒ کو دہلی چھوڑ کر اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا۔ التمش نے بڑی منت وزاری کی لیکن خواجہ صاحبؒ قطب صاحبؒ کو لے کر روانہ ہوئے۔ دہلی کے باشندوں نے قطب صاحب کو جاتے دیکھا تو عاشق زار کی طرح آہ وبکا کرنے لگے۔ جس جگہ قطب صاحبؒ قدم رکھتے تھے وہاں کی خاک اٹھا کر تبرکاً آنکھوں سے لگاتے تھے۔ خواجہ صاحبؒ نے دہلی والوں کو قطب صاحبؒ پر ایسا شیفتہ اور فریفتہ پایا تو ارشاد فرمایا کہ

"بابا قطب الدین! تم یہیں رہو۔ تمہارے چلے جانے سے دہلی کے لوگوں کا دل خراب وکباب رہے گا۔ مجھ کو یہ منظور نہیں۔"

چنانچہ آخر وقت تک وہ دہلی ہی میں مقیم رہے۔

دلیل العارفین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مرشد کی وفات سے پہلے دہلی سے اجمیر جا کر آخری دیدار سے مشرف ہوئے۔ دلیل العارفین کی مجلس دوازدہم میں ہے کہ

"فرمایا۔ ساری دنیا انوار سے روشن ہے۔ یہ فرما کر رو پڑے اور فرمایا اے درویشو! مجھے اس جگہ اس واسطے لائے ہیں کہ یہاں میرا مدفن ہے۔ اب چند روز میں اس عالم سے کوچ کروں گا۔ شیخ علی سنجری آپ کے کاتب موجود تھے۔ ان سے فرمایا کہ فرمان شیخ قطب الدین بختیار کے نام تحریر کرو کہ وہ دہلی جائیں۔ میں نے خلافت اور سجادۂ خواجگان اُن کو عطا کیا۔ اس کے بعد مجھ سے (شیخ

قطب الدین سے) ارشاد فرمایا کہ تمہارا مقام دہلی ہے۔ جب فرمان لکھا جا چکا تو مجھے عنایت فرمایا اور حکم ہوا، آگے آؤ۔ میں نزدیک گیا تو دست مبارک سے اپنی دستار یا کلاہ میرے سر پر رکھی اور حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کا عصا، اپنا مصحف تلاوت اور مصلیٰ بخشا اور یہ فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت خواجگان چشت کے پاس تھی جو مجھ کو ملی تھی۔ میں نے تمہیں سونپی تم اس کا حق ویسا ہی ادا کرو جیسا کہ اور خواجگان چشت ادا کرتے ہیں تاکہ حشر کے روز میں اپنے مشائخ کے روبرو شرمندہ نہ ہوں۔ میں نے اس کو قبول کیا۔ اور دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف روئے مبارک اٹھا کر ارشاد فرمایا۔ جاؤ خدا کو سونپا اور تمہیں اپنی منزل پر پہنچا دیا۔ پھر فرمایا، چار چیزیں جوہر نفس ہیں۔ اوّل درویش امیر و توانگر دکھلائی دے۔ دوم وہ بھوکوں کو سیر ہو کر کھلائے۔ سوم غمگین رہے لیکن ایسا کہ خوش وخرم نظر آئے۔ چہارم دشمن سے دوستی اور مہربانی سے پیش آئے۔ پھر فرمایا اہل محبت کا مرتبہ ایسا ہے کہ جب کوئی اس سے پوچھے، رات کی نماز ادا کی؟ تو جواب دے کہ مجھے فراغت نہیں۔ ملک الموت کے پیچھے پیچھے پھرتا ہوں جہاں کہیں وہ درماندہ ہوتا ہے دست گیری کرتا ہوں۔ میں نے ارادہ کیا کہ قدمبوسی حاصل کر کے رخصت ہوں۔ آپ نے فرمایا، آگے آؤ۔ میں گیا اور قدموں پر گر پڑا۔ آپ نے مجھے اٹھایا اور بغل گیر ہوئے۔ فاتحہ پڑھی اور ارشاد کیا۔ راہ طریقت سے منہ نہ موڑنا۔ اس راہ میں مرد بنے رہنا۔ میں پھر قدموں پر گرا۔ آپ نے ازراہ نوازش مجھے اٹھایا۔ دوبارہ بغل گیر ہوئے۔ میں رخصت ہو کر دہلی آیا اور وہاں سکونت اختیار کی۔ کئی دوست بھی ہمراہ آئے اور فقیر کے ساتھ رہے۔ مجھے دہلی آئے چالیس روز ہوئے تھے کہ اجمیر شریف سے قاصد خبر لایا کہ تمہارے روانہ ہونے کے بعد آپ بیس روز تک زندہ رہے۔ پھر رحمت حق میں پیوست ہو گئے۔ مجھے بڑا رنج ہوا۔"

قطب صاحبؒ کے قیام سے شاہی دربار پر غیر معمولی اثر پڑا۔ شمس الدین التمش ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ اس کو رعایا پروری اور فقیروں، غریبوں اور درویشوں کے ساتھ دوستی کی تلقین فرماتے۔ التمش اس پر عمل کرتا۔ چنانچہ قطب صاحبؒ خود فوائد السالکین میں فرماتے ہیں :۔

"اس کا (یعنی التمش کا) اعتقاد صحیح تھا۔ راتوں کو وہ جاگتا۔ کسی نے اس کو سوتے نہیں دیکھا۔ وہ بیدار رہ کر عالم تحیر میں کھڑا رہتا اور اگر سو جاتا تو فوراً بیدار ہو جاتا۔ اُٹھ کر وضو کرتا اور مصلیٰ پر جا بیٹھتا۔ اپنے نوکروں میں سے کسی کو نہ اٹھاتا اور کہتا کہ آرام سے سونے والوں کو تکلیف کیوں دی جائے۔ رات کو وہ گدڑی پہن لیتا تاکہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو اور کسی شخص کو ساتھ لے کر باہر نکل جاتا۔ اس کے ہاتھ میں سونے کے ٹنکے کا ایک توشہ دان ہوتا اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا۔ ان کے حالات پوچھتا اور ان کی مدد کرتا۔ وہاں سے واپس ہوتا، تو مسجدوں، ویرانوں، خانقاہوں اور بازاروں میں گشت کرتا اور ان جگہوں کے رہنے والوں اور درویشوں کو مالی مدد پہنچاتا۔ طرح طرح کی معذرت کر کے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کریں۔ دن کو اس کے دربار میں عام اجازت تھی کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں، اس کے پاس لائے جائیں۔ جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا اور ان کو قسمیں دے کر تلقین کرتا کہ جب ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے یا کوئی ان پر ظلم کرے، تو وہ یہاں آکر عدل و انصاف کی زنجیر کو، جو باہر لٹکی ہوئی ہے ہلائیں تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی۔"

التمش کی اس نیک نفسی کی وجہ سے تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر اولیاء اللہ کی فہرست میں کیا ہے۔ چنانچہ خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف کا بیان ہے کہ :

"بادشاہ رحم دل و عادل و سلطان کامل و مکمل از خلفائے نامدار و مریدانِ

باوفار خواجہ قطب الدین بختیار است۔ واز محبوبان و نظر منظوران خواجہ معین الدین سجزی بود۔ وکمال اعتقاد بخدمت حضرات اہل چشت نیک سرشت پیدا کرد۔ اگرچہ بظاہر تعلق بادشاہی دانست لیکن از دل فقیر و حقیر دوست بود۔ کم خوردی و کم خفتی و شب ہائے دراز بیدار بودی ــــــ!"

ترجمہ: بادشاہ رحم دل، عادل اور (صحیح معنوں میں) سلطان کامل تھا۔ اس کا شمار خواجہ قطب الدین بختیار کے نامور خلفا اور باوفا مریدوں میں ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ خواجہ معین الدین سجزی کا محبوب اور منظور نظر تھا۔ چشتی بزرگوں کے ساتھ کمال عقیدت نے اُسے نیک سرشت بنا دیا تھا۔ وہ بظاہر بادشاہ تھا، لیکن باطن میں فقیر اور غریب پرور تھا۔ وہ کم کھاتا اور کم سوتا تھا اور طویل راتوں میں بیدار رہتا تھا۔

ان اوصاف کے باوجود التمش پر آخرت کے انجام کا خوف غالب رہتا۔ خواجہ قطب الدینؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں :۔

"ایک رات وہ (یعنی التمش) میرے پاس آیا اور میرا پاؤں پکڑ لیا۔ میں نے کہا کہ مجھ کو کب تک تکلیف پہنچاتے رہو گے، جو ضرورت ہو بیان کرو۔ اس نے کہا رب العزت نے مجھ کو مملکت تو دی ہے، لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہو گی اور اس کا حساب دینا ہو گا تو اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیں گا وہ اس وقت تک واپس نہ گیا جب تک کہ میں نے اس کی بات قبول نہ کر لی"۔

مگر بادشاہِ وقت کی اس ارادت و نیاز مندی کے باوجود قطب صاحبؒ کے گھر میں برابر فاقہ رہتا۔ جب کئی فاقوں کی نوبت آ جاتی تھی تو اُن کی حرم پڑوس کے بقال کی بیوی سے ایک ٹنکہ یا ایک جیتل قرض لے کر خورد و نوش کا انتظام کرتی تھیں۔ جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تھا تو وہ قرض ادا کر دیا جاتا تھا۔ ایک روز بقال کی بیوی نے بی بی صاحبہ سے طنزاً کہا کہ "میں تم کو قرض نہ دوں تو تمہارے بچے بھوکوں مر جائیں"۔

قطب صاحب کو معلوم ہوا تو قرض لینے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ حجرہ کے طاق

میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر جس قدر کاک کی ضرورت ہو نکال لیا کرو اور بچوں کو کھلا دیا کرو۔ چنانچہ ضرورت کے وقت وہ ایسا ہی کیا کرتی تھیں۔ اسی لئے قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔

لیکن اس ناداری پر بھی جود وسخا کا یہ حال تھا کہ لنگر خانہ میں جو چیز ہوتی، فوراً تقسیم کر دیتے۔ جس روز کوئی چیز نہ ہوتی، تو خانقاہ کے ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اسی کا دور چلاؤ کہ کوئی روز بخشش اور عطا سے خالی نہ رہے۔

استغنا، کا یہ عالم تھا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ لوگ دفن کر کے واپس آئے تو قطب صاحبؒ کی زوجہ محترمہ وفورِ غم سے گریہ وزاری کرنے لگیں۔ قطب صاحبؒ نے لوگوں سے گریہ وزاری کا سبب پوچھا۔ معلوم ہوا کہ چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ ارشاد فرمایا کہ میں جانتا تو اس کی زندگی کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا۔

ایک بار شاہی حاجب اختیار الدین ایبک قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا اور کئی گاؤں بطور نذر پیش کئے۔ قطب صاحب نے اس کو بلایا اور اپنی جانماز کا گوشہ الٹ کر نیچے دیکھنے کے لئے کہا۔ اختیار الدین نے چشم بینا سے خزائن الٰہی کا دریائے ذخار بہتے ہوئے دیکھا۔ پھر اختیار الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس کے یہاں خزائن کا دریا بہتا ہو، وہ چند گاؤں لے کر کیا کرے گا۔ جاؤ، آئندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا۔

لہ سیر العارفین ص ۲۴۔ سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۱۔ سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے، کہ قطب صاحبؒ نے حزم واحتیاط کی خاطر قرض لینا بند کر دیا اور مصلے کے نیچے روز ایک قرص مل جاتی، جس کو کھا کر گھر کے تمام لوگ گزر اوقات کرتے۔ سیر الاولیاء میں ہے۔ بقال سے جب قرض لینا بند کر دیا گیا، تو وہ سمجھا کہ قطب صاحبؒ ناخوش ہیں۔ اپنی بیوی کو قطب صاحبؒ کی اہلیہ کے پاس بھیجا۔ اور انہوں نے قطب صاحب کے کشف کا ذکر کر دیا۔ اس کے بعد مصنف مذکور کا بیان ہے کہ کاک مصلیٰ کے نیچے پھر نہ ملی۔

اپنے مرشد کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بھی سرشار رہتے ۔ ہر رات تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے اپنی مجلسوں میں حدیث نبوی بار بار بیان فرماتے ۔ ایک مجلس میں فرمایا کہ شروع میں مجھ سے قرآن شریف حفظ نہ ہوتا تھا ۔ ایک رات خواب میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا ۔ قدموں پر گر پڑا ، رونے لگا ۔ پھر عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کلام پاک حفظ کر لوں رسولؐ اللہ کو میرے رونے پر رحم آیا اور شفقت سے فرمایا کہ سر اٹھاؤ ۔ میں نے حسب الحکم سر اٹھایا ۔ ارشاد ہوا کہ سورۂ یوسف برابر پڑھا کرو ۔ قرآن مجید یاد ہو جائے گا ۔ میں بیدار ہوا تو حسب الحکم سورہ یوسف کی مواظبت کی یہاں تک کہ پورا کلام پاک حفظ کر لیا ۔

سماع کو بہت عزیز رکھتے تھے ۔ ایک بار شیخ سجستانیؒ کی خانقاہ میں محفل سماع تھی ۔ قوال نے جب یہ شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

تو قطب صاحبؒ پر وجد طاری ہو گیا ۔ تین دن اور تین رات لگاتار اسی حالت میں رہے جب نماز کا وقت آتا تو وضو کر کے فرض اور سنتیں ادا کر لیتے اور پھر اسی سکر کی حالت میں ہو جاتے ۔ یہاں تک کہ واصل بحق ہو گئے ۔ اسی لئے ان کو شہید المحبت کہا گیا ہے ۔ میر حسن نے اس بیت پر ایک غزل کہی ہے اور اس میں قطب صاحبؒ کی شہادت کی طرف اشارا کیا ہے ؎

جان برین یک بیت داد است آن بزرگ — آرے این گوہر زکانِ دیگر است
کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

(سن وفات ۶۳۴ھ ہے) وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام کاری نہ کی ہو ۔ عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں اور ہمیشہ نماز با جماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو ۔ یہ شرطیں صرف سلطان التمش کی ذات میں پوری ہوتی تھیں ۔ اس لئے اس نے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی ۔

وصال سے کچھ دن پہلے عید کی نماز پڑھ کر عید گاہ سے قیام گاہ کی طرف تشریف

لاڈ سے بھٹے کر ایک مقام پر توقف کیا اور ہمراہی درویشوں سے فرمایا کہ اس مقام سے عشق کی بُو آتی ہے ۔ چنانچہ زمین کے مالک کو بلایا اور معاوضہ دے کر اس زمین کو خریدا ۔ اسی سرزمین پر روضۂ مبارک واقع ہے ۔

(قطب صاحبؒ نے عبادت، ریاضت اور مجاہدہ میں بڑی مشقتیں اٹھائی تھیں ۔ بیس برس تک وہ رات کو اطمینان سے نہ سوئے اور نہ زمین سے پیٹھ لگائی۔ چنانچہ خواجہ فریدالدینؒ گنج شکر ان کو "مالک المشائخ، سلطان الطریقت، برہان الحقیقت، رئیس السالکین، امام العالمین، سراج الاولیاء، تاج الاصفیا" کے القاب سے یاد کرتے ہیں ۔ عام طور سے وہ "قطب الاقطاب اور قطب الاسلام" کے لقب سے مشہور ہیں ۔

قطب صاحبؒ کے نام سے دو کتابیں منسوب ہیں ۔ ایک دیوان اور ایک فوائد السالکین ۔ دیوان نولکشور پریس سے چھپ کر شائع ہوا ہے ۔ اس کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ واقعی ان ہی کا ہے ۔ اس لئے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنے سے پرہیز کرتے ہیں ۔

فوائد السالکین میں ان کی سات صحبتوں کے ملفوظات ہیں، جن کو ان کے مرید خواجہ فریدالدین گنج شکر نے جمع کیا ہے ۔ یہ ۳۶ صفحات کا ایک مختصر مطبوعہ رسالہ[۱] ہے، مگر اس میں وہ تمام باتیں آگئی ہیں، جو ایک سالک کے لئے مفید ہو سکتی ہیں ۔ یہ باتیں جستہ جستہ مختلف صحبتوں میں لکھی گئی تھیں جن کا تجزیہ کر کے سالک کے لئے مندرجہ ذیل ضوابط مرتب کئے جاسکتے ہیں:

سالک کم کھائے ۔ اگر وہ پیٹ بھرنے کے لئے کھاتا ہے، تو وہ نفس پرست ہے ۔ کھانا صرف عبادت کی قوت کو قائم رکھنے کے لئے کھائے ۔ اس کے لباس میں نمائش نہ ہو ۔ اگر وہ دکھانے کے لئے لباس پہنتا ہے تو راہِ سلوک کا رہزن ہے ۔ کم سوئے، کم بولے، آلائشِ دنیا سے پاک رہے ۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے ستر سال تک عبادت کی اور جب مقامِ قرب آیا تو اُن کو قربت محض اس وجہ سے حاصل نہ ہو سکی کہ اُن کے پاس مٹی کا کوزہ

---

[۱] یہ رسالہ مطبع مجتبائی دہلی میں چھپا تھا ۔

اور چمڑے کا خرقہ تھا۔ جب ان کو پھینک دیا تو یہ درجہ حاصل ہوا۔ (فوائد السالکین ص ۴)

سالک، ہر وقت محبت الٰہی میں غرق رہے اور سکر میں اس کا یہ حال ہو کر اس کے سینہ میں زمین اور آسمان داخل ہو جائیں تو بھی اس کو خبر نہ ہو۔ اگر سالک راہِ سلوک کی تکلیف میں فریاد کرتا ہے، تو محبت کا دعویدار نہیں بلکہ کاذب اور دروغ گو ہے۔ سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے، اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھے کہ اس بہانے سے دوست نے اس کو یاد تو کیا۔ چنانچہ رابعہ بصریؒ پر جس روز بلا نازل ہوتی تھی، وہ نہایت خوش ہوتی تھیں اور جس روز بلا نازل نہ ہوتی، وہ بہت ہی ملول خاطر رہتیں کہ دوست نے ان کو یاد نہ کیا۔ خواجہ معین الدینؒ بھی فرماتے تھے کہ محبت کا دعویٰ اسی کو کرنا چاہیئے جو دوست کی بلا پر صبر کر سکے، کیونکہ دوست کی بلا دوست کے واسطے ہے۔ جس روز یہ بلا نازل نہ ہو سمجھنا چاہیئے کہ یہ نعمت اس سے لے لی گئی ہے۔ کیونکہ راہِ سلوک میں نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ مشائخ طریقت نے بالاتفاق سلوک کے ایک سو اسی درجے رکھے ہیں لیکن اولیائے طریقہ جنیدیہ نے سو درجے، صوفیائے طریقہ ذوالنون نے ستر درجے قائم کئے ہیں۔ طبقہ ابراہیم بشر حافی میں کل پچاس درجے شمار کئے جاتے ہیں۔ خواجہ بایزید بسطامی و عبداللہ مبارک اور خواجہ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ سلوک کے کل پینتالیس درجے ہیں۔ اولیائے طریقہ شاہ شجاع کرمانی ہمنونِ محبت اور خواجہ مرتعش کے نزدیک سلوک میں بیس درجے ہیں۔ مگر مشائخ چشتیہ سلوک میں صرف پندرہ درجے شمار کرتے ہیں۔ ان درجات میں ایک درجہ کشف و کرامت کا ہے۔ جن کے نزدیک سلوک میں ایک سو اسی درجے ہیں ان میں اسی واں درجہ کشف و کرامت کا ہے۔ طبقہ جنیدیہ میں ستر واں طبقہ بصریہ میں تیسواں، طریقہ ذوالنونؒ مصری میں پچیسواں، شاہ شجاع کرمانیؒ کے نزدیک دسواں اور خواجگان چشت کے یہاں پانچواں درجہ ہے۔ اس درجہ کے حاصل کرنے کے باوجود سالک کو کشف و کرامت میں اپنی ذات کو ظاہر کرنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ اس کے اظہار سے بقیہ درجات سے وہ محروم ہو جاتا ہے۔

قطب صاحبؒ نے اسرار الٰہی کو پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ راہِ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہیئے۔ کہ اسرار جاگزین ہو سکیں اور فاش نہ ہونے پائیں کیونکہ

جو شخص کامل ہوتا ہے۔ وہ کبھی دوست کے اسرار کو فاش نہیں کرتا۔ چنانچہ قطب صاحبؒ کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت تک خواجہ معین الدینؒ کی صحبت میں رہے لیکن کسی حال میں بھی انہوں نے اسرار الٰہی ظاہر ہونے نہ دیئے۔ قطب صاحبؒ کے نزدیک منصور عارف کامل نہ تھا۔ کیونکہ اس نے سرّ دوست کو ظاہر کر دیا۔ حضرت جنید بغدادی پر عالم سکر میں کٹھن گھڑیاں گذرتیں، لیکن وہ صرف یہ کہتے کہ

"ہزار افسوس اس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے اور جب عالم غیب کے اسرار اس کو معلوم ہوں تو فوراً ان کو دوسرے کے سامنے کہہ دے۔"

قطب صاحبؒ نے شریعت کی پابندی سالک کے لئے لازمی قرار دی ہے۔ سالک سکر یا کسی حال میں ہو اس کا کوئی فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ وہ خود ایک بار کئی دنوں تک عالم سکر میں بے ہوش رہے لیکن جب نماز کا وقت آتا تو ہوش میں آجاتے اور نمازیں ادا کرکے پھر بے ہوش ہو جاتے۔

حضرت قطب صاحبؒ کے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

شیخ فریدالدین گنج شکر پاکپٹن۔ شیخ بدرالدین غزنوی دہلی۔ شیخ برہان الدین بلخی۔ شیخ ضیاءالدین رومی دہلی۔ سلطان شمس الدین التمش (بادشاہ)۔ شیخ بابا سجزی بحر دریا دہلی۔ مولانا فخرالدین حلوائی۔ شیخ احمد نماجی۔ شیخ حسین۔ شیخ فیروز۔ شیخ بدرالدین موتاب۔ شاہ خضر قلندر۔ شیخ نجم الدین قلندر۔ خواجہ پیرو۔ شیخ سعدالدین۔ شیخ محمود بہاری۔ مولانا محمد جاجرمی۔ سلطان نصیرالدین غازی۔ قاضی حمیدالدین ناگوری دہلی۔ مولانا شیخ محمد۔ مولانا برہان الدین حلوائی۔ مولانا خضر مبین۔ مولانا سید۔ شیخ صوفی بدھنی۔ شیخ جلال الدین۔ ابوالقاسم تبریزی۔ شیخ نظام الدین ابوالمؤید دہلی۔ شیخ تاج الدین منوّرا دشتی۔

حضرت
قاضی حمید الدین ناگوریؒ

روضۂ نبویؐ کی مجاوری
سماع سے والہانہ ذوق

اسم گرامی محمد تھا۔ مگر حمید الدین کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے والد ماجد عطاءاللہ محمود البخاری، سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کے زمانہ میں بخارا سے دہلی تشریف لائے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔

والد بزرگوار کے انتقال کے بعد ان کو ناگور کی قضات تفویض ہوئی۔ اس عہدہ پر تین سال تک مامور رہے۔ اس کے بعد دنیا سے دل برداشتہ اور کنارہ کش ہو کر سفر کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بغداد شریف آئے اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ ایک سال تک ان کی خدمت میں رہ کر ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے۔ اسی زمانہ میں یہاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بھی تشریف فرما تھے۔ ان سے گہرے روابط و مراسم قائم کئے، جو آخر وقت تک استوار رہے۔

مرشد سے اجازت لے کر قاضی حمید الدین مدینہ منورہ آئے اور ایک برس دو مہینہ سات روز تک روضہ نبوی کے مجاور رہے۔ وہاں سے بیت اللہ پہنچے۔ یہاں تین سال تک قیام کر کے ہر قسم کے فیوض و برکات حاصل کئے۔ مکہ معظمہ سے سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ قطب الاسلام بختیار کاکیؒ کے ساتھ قیام کیا۔ وفات کے بعد ان ہی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ سن وفات سنہ ۶۴۳ھ ہے۔ رمضان کے مہینہ میں تراویح کے بعد وتر کی نماز میں سجدہ میں گئے تو روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔

ان کی بیعت اگرچہ سلسلۂ سہروردیہ سے تھی مگر بختیار کاکیؒ سے گہرے تعلقات کی بنا پر وہ چشتی ہی سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت سید اشرف جہانگیر لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ خواجہ بختیار کاکیؒ نے ان کو خرقہ خلافت بھی عطا کیا تھا۔ سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ وہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلفاء میں سے تھے۔

سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے اور اس ذوق کی وجہ سے علمائے ظاہر نے ان کے خلاف فتوے بھی دیئے مگر انہوں نے کسی کی پروا نہ کی اور اس سے اپنا عشق بدستور قائم رکھا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ بھی ان کے ساتھ سماع کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے ایک بار سلطان التمش کے محل کے پاس ایک درویش کے مکان پر محفل سماع تھی۔ خواجہ بختیار کاکیؒ اور آپ اس میں شریک تھے۔ اس زمانہ کے جید علماء میں مولانا رکن الدین سمرقندی تھے جو سماع کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انہیں اس محفل سماع کی خبر ملی تو کچھ لوگوں کے ساتھ اس درویش کے مکان پر پہنچے کہ اس محفل کو روک دیں۔ حضرت ناگوری کو خبر ہوئی تو صاحب خانہ سے کہا کہ تم کہیں چھپ جاؤ تاکہ مولانا تمہارے گھر میں داخل ہونے کی اجازت تم سے طلب نہ کر سکیں اور اگر بلا اجازت گھر میں داخل ہوئے تو یہ شرعی حکم کے خلاف ہوگا۔ اور ان سے مواخذہ کیا جائے گا۔ صاحب خانہ نے ایسا ہی کیا اور مولانا کو دروازے سے واپس جانا پڑا۔ حضرت ناگوری سماع کے سلسلہ میں کسی قدغن کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

سیر العارفین کے مصنف نے ان کو علم اور وقار کا کوہ قاف، بحر اسرار کا لجہ، رہروان منازل نامتناہی کا پیشوا اور سفیان ثوری ثانی کہا ہے۔ ان کا عام لقب سلطان التارکین ہے۔ اخبار الاخیار میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں:-

"او جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت" ترجمہ: علوم شریعت طریقت اور حقیقت ان کی ذات میں جمع تھے۔

سفینۃ الاولیاء میں ہے:-

"در تجرید و تفرید و یگانۂ عصر واز متقدمان مشائخ ہند و جامع میان علوم ظاہری و باطنی و صاحب کرامات و مقامات علیہ بودند"

ترجمہ: وہ فقر و تجرد میں یگانۂ عصر تھے۔ ان کا شمار ہندوستان کے قدیم بزرگوں میں ہوتا ہے۔ وہ علوم ظاہری و باطنی کے حامل تھے۔ وہ صاحب کرامات تھے اور بلند مقامات پر فائز تھے۔

صاحبِ سیر العارفین نے لکھا ہے کہ سلوک و اسرار میں ان کی تصانیف بکثرت ہیں۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی بھی لکھتے ہیں :۔

"قاضی حمید الدین را تصانیف بسیار است" ترجمہ: قاضی حمید الدین کی بہت سی تصانیف ہیں۔

مگر ہم کو صرف ان کی ایک کتاب طوالع الشموس کا پتہ چلا ہے۔ اس میں باری تعالیٰ کے ننانوے نام کی شرح ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بارے میں مولانا عبدالحق گوہر افشانی فرماتے ہیں۔

"ہر جا موج موج از اسرارِ حقیقت و فوج فوج از معانی طریقت است منتشر است جمیع مواضع او در متانت و حرارت و حالتِ تشاکل و تشابہ واقع شدہ"

ترجمہ: ہر جگہ اسرارِ حقیقت کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں اور طریقت کے معانی فوج در فوج چلے آرہے ہیں۔ اس کے تمام مقامات بڑے مشکل ہیں خصوصاً متانت، حرارت اور حالت کے مقامات ہم شکل اور متشابہ نظر آتے ہیں۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے قاضی حمید الدین ناگوریؒ کی دو کتابوں تواریخ اور راحۃ الارواح کا حوالہ اپنے ملفوظات میں بار بار دیا ہے۔ سیر العارفین میں ان کی ایک اور کتاب لوائح کا ذکر ہے۔ حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے ملفوظات میں شاید کتابت کی غلطی سے لوائح ہی تواریخ ہو گئی ہو۔

حضرت شیخ

بہاؤالدین زکریا سہروردیؒ

ولادت
تعلیم و تربیت
بیعت
استغناء
دربار شاہی میں حق گوئی
جود و سخا
ذوق سماع
عبادت و ریاضت
تعلیمات

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ قدس سرہ العزیز کے جد بزرگوار حضرت کمال الدین علی شاہ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ فرشتہ تذکرہ اولیائے ہند مصنفہ شیخ عین الدین بیجاپوری کے حوالہ سے رقمطراز ہے کہ:

"شیخ بہاء الدین زکریا از اولاد ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیز بن اقصیٰ است و ہبار اسلام آوردہ بود۔ برادران او دمعہ و عمرو و عقیل با حالت کفر در جنگ بدر بقتل رسیدند و سودہ کہ در زمان پیغمبر بود دختر دمعہ است۔"

ترجمہ: شیخ بہاء الدین زکریا ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیز بن اقصیٰ کی اولاد سے ہیں۔ ہبار نے تو اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اس کے بھائی دمعہ و عمرو و عقیل کفر کی حالت میں جنگ بدر میں قتل ہوئے اور سودہ جو کہ پیغمبرؐ کے زمانہ میں تھی، دمعہ کی بیٹی تھی۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے جد امجد حضرت کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے اور وہاں سے آ کر ملتان میں سکونت اختیار فرمائی۔ یہاں اُن کے فرزند مولانا وجیہہ الدین محمد تولد ہوئے جن کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی لڑکی سے ہوئی۔ مولانا حسام الدین تاتاریوں کے حملہ کی وجہ سے ملتان کے نواح قلعہ کوٹ کرور میں متوطن تھے۔ مولانا وجیہہ الدین بھی خسر کے ساتھ قلعہ کوٹ کرور ہی میں رہنے لگے اور یہیں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا

کی ولادت باسعادت ہوئی۔

بارہ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار عالم جاودانی کو سدھارے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد کلام پاک کا حفظ شروع کیا۔ ساتوں قراءتوں کے ساتھ حفظ کر چکے تو مزید تعلیم کے لیئے خراسان کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ یہاں پہنچ کر سات سال تک بزرگانِ دین سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے۔ وہاں سے بخارا جاکر علم میں کمال حاصل کیا۔ ان کے اوصاف پسندیدہ اور خصائل حمیدہ کی وجہ سے بخارا کے لوگ ان کو بہاؤالدین فرشتہ کہا کرتے تھے۔ یہاں آٹھ سال تک تحصیل علم کرتے رہے۔ پھر بخارا سے حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ گئے۔ وہاں سے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور پانچ سال تک جوارِ رسولؐ میں زندگی بسر کی۔ اس مدّت میں مولانا کمال الدین محمد سے جو اپنے عہد کے جلیل القدر محدّث تھے، حدیث پڑھی۔ مولانا کمال الدین محمد نے ترپن سال تک مجاور کی حیثیت سے حرم نبوی کی خدمت کی۔ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ نے حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد روضۂ اقدس کے پاس تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کے لئے مجاہدہ شروع کیا۔ پھر وہاں سے چل کر بیت المقدس پہنچے اور وہاں سے بغداد شریف تشریف لے گئے۔

بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کی صحبت سے فیض یاب ہوکر خرقۂ خلافت پایا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ بہاؤالدین زکریا قدس سرہٗ نے اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ روز قیام فرمایا تھا کہ ان کو پیر دستگیر کی طرف سے ساری روحانی نعمتیں مل گئیں اور خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز کیئے گئے۔ اس سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے دوسرے مریدوں کے دل میں رشک پیدا ہوا اور شیخ سے عرض کی کہ ہم نے اتنے دنوں تک خدمت کی لیکن ہم کو ایسی نعمت نہیں ملی مگر ایک ہندوستانی آیا اور تھوڑی سی مدّت میں شیخ ہو گیا اور بڑی نعمت پائی۔

مگر شیخ نے ان سے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ تم تر لکڑیوں کی مانند ہو جن میں آگ مشکل اور دیر سے لگ سکتی ہے۔ بہاؤالدین زکریاؒ خشک لکڑی کی مانند تھے، جس میں آگ جلد اثر کرتی ہے۔

خرقۂ خلافت پانے کے بعد حکم ملا کہ ملتان واپس جا کر قیام کرو اور وہاں کے باشندوں کو فیض پہنچاؤ۔ حضرت جلال الدین تبریزی بھی شیخ الشیوخ کے ساتھ مقیم تھے۔ جب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا بغداد سے رخصت ہونے لگے، تو غایت محبت میں وہ بھی اپنے پیر سے اجازت لے کر ان کے ساتھ ہوگئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے، تو شیخ جلال الدین تبریزی حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ ملاقات کے بعد واپس ہوئے، تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے ان سے دریافت کیا کہ آج کی سیر میں درویشوں میں کس کو سب سے بہتر پایا۔ بولے شیخ فریدالدینؒ عطار کو۔ حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے پوچھا کہ ان سے کیا کیا صحبت رہی۔ جواب دیا کہ مجھ کو دیکھتے ہی انہوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا۔ میں نے عرض کی، خطۂ بغداد سے آتا ہوں۔ پھر استفسار کیا کہ وہاں کون درویش مشغول بحق ہے۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے پوچھا کہ اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کا ذکر کیوں نہ کیا۔ جواب دیا کہ شیخ فریدالدینؒ کی عظمت میرے دل پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کو بھول گیا۔ یہ سن کر شیخ بہاء الدین زکریاؒ کو بہت ملال ہوا اور وہ حضرت جلال الدین تبریزی سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ خراسان جا کر مقیم ہوئے۔

ملتان کی مدت قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا تھا اور ان کا عہد خیر الاعصار کہا جاتا ہے۔ شیخ محمد نور بخش مؤلف سلسلۃ الذہب میں رقمطراز ہیں:-

"حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ ہندوستان میں رئیس الاولیا تھے۔ علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے۔ ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منشعب ہوئے۔ لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور ان کو کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے طاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے۔ اور ان کی شان بڑی تھی۔"

سفینۃ الاولیاء میں ہے :۔

"شیخ الشیوخ سے رخصت ہو کر ملتان آئے اور وہاں مقیم ہو کر رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے۔ ان کے قدموں کی برکت سے بہت سی مخلوق نے ہدایت پائی اور وہاں کے رہنے والے ان کے معتقد اور مرید ہوئے۔ اب بھی ان کے مرید اس دیار میں موجود ہیں۔"

رشد و ہدایت عوام و خواص دونوں کے لئے تھی۔ اور دونوں طبقوں کو اپنی ذات بابرکت سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے۔ اس وقت ملتان کا حکمران ناصر الدین قباچہ تھا، جو سلطان شمس الدین التمش کا حریف بھی تھا۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا قلبی رجحان سلطان التمش کی طرف تھا کیونکہ جیساکہ ذکر آچکا ہے، وہ اپنے زہد و تقویٰ، دینداری اور شریعت کی پاسداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ناصر الدین قباچہ نے سلطان التمش کی بڑھتی ہوئی سطوت و قوت کو دیکھ کر اس کے خلاف معاندانہ سازش شروع کی۔ اس کو ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی اور خود شیخ بہاء الدین زکریا نے پسند نہ کیا۔ قاضی شرف الدین اصفہانی بہت ہی متدین عالم تھے۔ انہوں نے دین کی فلاح اسی میں دیکھی کہ سلطان التمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیں۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے بھی ان کی حمایت کی۔ اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان التمش کو خطوط لکھے۔ مگر دونوں مکتوب قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے قباچہ ان کو پڑھ کر بہت مشتعل ہوا اور ایک محضر کے ذریعہ دونوں کو طلب کیا۔ جب [redacted] دونوں مجلس میں تشریف لے گئے، تو قباچہ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے روبرو بیٹھنے کا حکم دیا اور ان کا خط ان کے ہاتھ میں دیا۔ قاضی شرف الدین اصفہانی نے خط پڑھ کر خاموشی اختیار کی۔ قباچہ نے غصہ میں جلاد کو حکم دیا کہ اسی وقت وہ تہ تیغ کر دیئے جائیں۔ جلاد نے آگے بڑھ کر سر قلم کر دیا۔ جب شیخ بہاء الدین زکریا کے ہاتھ میں ان کا مکتوب دیا گیا، تو انہوں نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا کہ بے شک یہ خط میرا ہے مگر میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔ یہ سن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس نے معذرت کر کے شیخ بہاء الدین زکریا کا اعزاز و اکرام

کے ساتھ رخصت کر دیا۔

مگر خلق اللہ کی خاطر شاہی حکام کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے۔ ملتان میں ایک بار سخت قحط پڑا۔ والیٔ ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی۔ شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے غلہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ہاں سے اس کے پاس بھیجی۔ جب غلہ اس کے پاس پہنچا، تو اس کے انبار سے نقرئی ٹنکے کے سات کوزے بھی نکلے۔ والیٔ ملتان نے شیخ کو اس کی اطلاع دی انہوں نے فرمایا ہم کو پہلے سے معلوم تھا۔ لیکن غلہ کے ساتھ اسے بھی ہم نے بخشا۔

شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے، مگر شیخ کو ان نعمتوں کے کھانے میں اسی وقت لذت ملتی، جب وہ مہمانوں، مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے۔ جس شخص کو دیکھتے کہ وہ کھانا رغبت سے کھاتا ہے، اس کو بہت دوست رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فقراء کی ایک بڑی جماعت دسترخوان پر شریک تھی۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے ہر ایک فقیر کے ساتھ ایک ایک لقمہ کھایا۔ ایک فقیر کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے۔ فرمایا، سبحان اللہ! ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نانِ ترکو اور کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو فضیلت مجھ کو تمام انبیاء پر ہے اور عائشہؓ کو تمام دنیا کی عورتوں پر ہے۔

شیخ کو کبھی دولت کی کمی محسوس نہ ہوئی، مگر خود اس سے ہمیشہ مستغنی و بے نیاز رہے۔ ایک روز خادم سے فرمایا کہ جاؤ جس صندوقچہ میں پانچ ہزار دینار سُرخ رکھے ہیں اس کو اٹھا لاؤ۔ خادم نے ہر چند تلاش کیا، مگر صندوقچہ کہیں نہ ملا۔ وہ مایوس ہو کر واپس آیا اور شیخ کو اطلاع دی۔ کچھ تامل کے بعد فرمایا۔ الحمدللہ! تھوڑی دیر کے بعد خادم پھر آیا اور صندوقچہ کے مل جانے کی اطلاع دی۔ پھر الحمدللہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ حاضرین نے عرض کی کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمدللہ فرمایا اور مل جانے پر بھی۔ اس میں کیا حکمت تھی۔ ارشاد فرمایا کہ فقیروں کے لئے دنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں۔ ان کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے اور نہ اس کے جانے کا غم ہوتا ہے۔ اور پانچوں ہزار دینار حاجت مندوں میں تقسیم کرا دیئے۔

مزاج میں علم اور بردباری بہت تھی۔ ایک روز خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور ان سے مالی مدد کی خواستگار ہوئی۔ انہوں نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ اس پر قلندروں نے گستاخی شروع کردی اور اینٹ پتھر سے ان کو مارنے لگے۔ حضرت شیخ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کردو۔ جب دروازہ بند ہوگیا تو قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنے شروع کیے۔ حضرت شیخ نے کچھ تامل کے بعد خادم سے فرمایا، دروازہ کھول دو۔ میں اس جگہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ کا بٹھایا ہوا ہوں، خود سے نہیں بیٹھا ہوں۔ خادم نے دروازہ کھول دیا۔ اس وقت قلندر نادم ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔

نہایت تواضع میں اپنی تعظیم و تکریم پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار خانقاہ میں کچھ مرید حوض کے کنارہ وضو کر رہے تھے۔ حضرت شیخ بہاءالدین زکریاؒ ان کے پاس آپہنچ گئے مریدوں نے وضو ختم نہیں کیا تھا کہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے اور سلام عرض کیا، مگر ایک مرید نے وضو تمام کرکے مراسم تعظیم ادا کئے۔ حضرت شیخ بہاءالدین زکریا نے فرمایا، تم سب درویشوں میں افضل اور زاہد ہو۔

مگر وہ خود دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب وارد ہندوستان ہوئے اور ملتان آکر ٹھہرے۔ حضرت شیخ بہاءالدین زکریا اُن سے تعظیم و محبت اور شفقت سے ملے اور اصرار کرکے کچھ دنوں ان کو اپنے یہاں رو کا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ بھی حضرت شیخ بہاءالدین زکریاؒ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ جب معتقدین نے ان کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی، تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاءالدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے۔ یہاں ان ہی کا تعلق ہے۔ ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔

حضرت شیخ بہاءالدین زکریاؒ بابا گنج شکرؒ کی بھی بہت عزت کرتے تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ دونوں خالہ زاد بھائی بھی تھے۔ اور باہم بڑی محبت اور مودت تھی۔ حضرت شیخ بہاءالدین نے ایک موقع پر کسی بات کی معذرت کرتے ہوئے بابا صاحب کو لکھا:-

"میان ما و شما عشق بازی است" ترجمہ: ہمارے اور تمہارے درمیان عشق بازی ہے۔

بابا گنج شکرؒ نے اس کا جواب دیا:

"میان ما و شما عشق است بازی نیست" ترجمہ: ہمارے اور تمہارے درمیان عشق ہے بازی نہیں۔

ایک موقع پر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے عزت و احترام کا جو نمونہ پیش کیا تھا، اس کا ذکر بادۂ تصوف کے سرشاروں کے لیئے بہت ہی خمار آگین ہے۔ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نیشاپور میں حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ سے علیحدہ ہو کر خراسان چلے گئے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد دہلی تشریف لائے۔ سلطان التمش ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سے سن چکا تھا۔ چنانچہ جب وہ دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان نے علماء و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جا کر ان کا استقبال کیا اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر آیا اور ان کو آگے کر کے خود پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ یہ تعظیم و تکریم شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو پسند نہ آئی۔ ان کے دل میں حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی طرف سے رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی، مگر اس کا اظہار نہیں کیا اور سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ اس کی (یعنی نجم الدین صغریٰ) قیامگاہ کے قریب ہی فروکش ہوں اور قیام کے لیئے ایک مکان تجویز کیا، جو بیت الجن کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان نے اپنے عزیز اور محبوب مہمان کو جنوں کے مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا۔ مگر نجم الدین صغریٰ نے کہا، اگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کامل درویش ہوں گے، تو مکان خود جنات سے پاک ہو جائے گا۔ اور اگر ناقص ہوں گے، تو اپنی فریب دہی کی سزا پا جائیں گے۔ یہ گفتگو بالکل علیحدہ ہوئی تھی کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے خود اس مکان میں رہنے کا اعلان کر دیا۔ جب وہ اس مکان میں داخل ہوئے تو ان کے قدم کی برکت سے مکان تمام بلیات سے پاک ہو گیا اور ان کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا۔ دوسرے روز حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے شہر کی تنگ گلیوں میں سے ہو کر چلے۔ حضرت بختیار کاکیؒ کو کشف ہوا کہ حضرت جلال الدینؒ تبریزی

ان سے ملنے آرہے ہیں، تو وہ خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے، راستہ میں قران السعدین واقع ہوا۔ جس وقت حضرت خواجہ جلال الدین، خواجہ بختیار کے ہمراہ ان کی خانقاہ میں پہنچے، اس وقت یہاں مجلس سماع ہو رہی تھی، فقراء جمع تھے۔ اس بیت پر خواجہ صاحب کو وجد آگیا۔

درمیکدۂ وحدۃ ایثار نمی گنجد   در عالم یک رنگی اغیار نمی گنجد

ترجمہ: وحدت کے مے خانے میں ایثار کی گنجائش نہیں۔ یک رنگی کی دنیا میں اغیار کے لئے جگہ کہاں؟

سلطان التمش حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر ان کا اور بھی معتقد ہو گیا۔ اس سے نجم الدین صغری کا حسد اور زیادہ بڑھا۔ ایک روز موسم بہار میں سلطان التمش نے فجر کی نماز سے پہلے نجم الدین صغری کو اپنے محل میں بلایا اور ان کو امام بنایا نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی۔ چھت کے سامنے حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی قیام گاہ تھی۔ وہ صبح کی نماز سے فراغت کے بعد صحن خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے اور ایک ملازم جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت بھی عطا کیا تھا، ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔ نجم الدین صغری کو خیال ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نماز سے غافل ہو کر محو استراحت ہیں۔ اسی وقت سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ ایسے ہی دنیا پرست درویشوں کے معتقد ہیں۔ یہ سونے کا کون سا وقت ہے اور ایک صاحب جمال غلام بھی پاس بیٹھا ہے۔ حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو نور باطن سے نجم الدین صغری کی بدگمانی معلوم ہو گئی، تو اسی وقت اٹھے اور صحن خانہ ہی میں سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ سلطان نادم ہوا اور نجم الدین صغری سے کہنے لگا کہ تم شیخ الاسلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو۔ تم کو نیک و بد کی بھی پہچان نہیں۔ مگر نجم الدین صغری شرمندہ ہونے کی بجائے اندرونی طور پر اور زیادہ برہم ہو گئے اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ پرخاش بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اور شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر کے آمادہ کیا کہ وہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر فسق و زنا کا الزام لگائے۔ مطربہ نے سلطان کے پاس جا کر حضرت جلال الدین تبریزی کو متہم کیا۔ سلطان سن کر ششدر رہ گیا

وہ سمجھتا تھا کہ یہ جھوٹا الزام ہے اور مطربہ کو اس کی دروغ گوئی کی پوری سزا دے سکتا تھا، لیکن قانون کی وجہ سے معذور تھا۔ مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعذیر فاحشہ ثابت ہو رہی تھی۔ مگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا لیکن اس کا مقدمہ سامنے آجانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات بھی ضروری تھی۔ اس لئے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا، محضر میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مشاہیر علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بھی اس دعوت کو قبول کیا اور وہ دہلی تشریف لائے۔ اس محضر میں دو سو صرف اولیائے کرام شریک ہوئے۔ محضر جامع مسجد میں منعقد ہوا۔

شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی کشیدگی کا علم تھا۔ چنانچہ وہ ان دونوں کی اس کشیدگی اور ناراضی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ شیخ الاسلام کی حیثیت سے انہوں نے شیخ بہاء الدین زکریاؒ ہی کو حکم مقرر کیا، جمعہ کی نماز کے بعد مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ مطربہ پیش کی گئی۔ حضرت شیخ جلال الدینؒ تبریزی کو بھی طلب کیا گیا۔ جس وقت وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے۔ سارے علماء و اولیا ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے اپنی جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ سلطان التمش بہت متاثر ہوا کہ ایک جلیل القدر حکم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی توقیر و عظمت کر رہا ہے۔ جو حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے معصوم ہونے کی دلیل ہے اور تحقیقات کی کارروائی روک دینی چاہیئے۔ مگر شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے فرمایا:

"میرے لئے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں کیونکہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدینؒ سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے۔ لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاء الدین نے شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی تعظیم کرکے ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے، تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے کہ

حضرت جلال الدین سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے، لیکن پھر بھی دلائل بینہ کا اظہار ضروری ہے، اس لئے مدعیہ مطربہ کو سامنے لاؤ۔"

چنانچہ مطربہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے سامنے لائی گئی۔ مگر اُس پر ایسا رعب طاری ہوگیا کہ اس نے تہمت ثابت کرنے کی بجائے شروع سے آخر تک پورا واقعہ بیان کر دیا کہ نجم الدین صغری نے اس کو طمع دلا کر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر الزام رکھنے کے لئے آمادہ کیا تھا۔ اس سازش کے افشا پر نجم الدین صغری ایسے ذلیل اور پشیمان ہوئے کہ مجلس ہی میں ان کو غش آ گیا۔ اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی معصومیت ثابت ہو گئی۔ سلطان التمش نے اس کذب و بہتان کی سزا میں نجم الدین صغری کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کر کے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ سے اس کے قبول کرنے کی استدعا کی۔ انہوں نے قبول فرمایا اور ایک مدت مدید تک شیخ الاسلام کا عہدہ اُن کے خاندان میں جاری رہا۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے صحیفہ کمال میں جود و سخا کی بھی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں، ایک بار ان کے معتقدوں اور مریدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا۔ غایت اضطراب میں انہوں نے حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ سے روحانی استمداد کی۔ اللہ جل شانہ کی قدرت سے وہ جہاز محفوظ رہ گیا۔ جہاز پر موتی اور جواہرات کے بڑے بڑے تاجر تھے۔ جب جہاز ساحل پر پہنچا، تو ان تاجروں نے اپنے مال کا ایک ثلث حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا اور اُن کی جانب سے خواجہ فخرالدین گیلانی نقد و جواہرات لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر ستر لاکھ چاندی کے ٹنکے ہوتے تھے۔ شیخ نے اس کو قبول تو کر لیا لیکن تین دن کے اندر یہ کل رقم حق داروں، محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کرا دی۔ خواجہ فخرالدین گیلانی اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسی وقت اپنا تمام مال و اسباب فقراء میں بانٹ دیا اور فقیری اختیار کر لی۔ پانچ برس شیخ کی خدمت میں گزار کر بیت اللہ کے حج کو روانہ ہوئے، مگر جدہ پہنچ کر جنت کی راہ لی۔

سماع سے بھی کبھی کبھی شغل فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ عبداللہ رومی قوال ملتان وارد ہوا اور خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اس کا گانا حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدینؒ عمر سہروردی

نے شوق کے ساتھ سنا ہے اور وہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا رہا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ جب شیخ الشیوخ نے سنا ہے تو زکریاؒ بھی سنے گا۔ چنانچہ قوال کو ایک خاص حجرہ میں بلایا گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد ایک پہر رات گزری ہوگی کہ خود حجرہ میں تشریف لائے۔ دو پارے کلام پاک تلاوت کر کے قوال کو سنانے کا حکم دیا اور حجرہ کے دروازہ میں زنجیر لگادی۔ قوال نے گانا شروع کیا۔

مستاں کہ شراب ناب خوردند　　　　از پہلوئے خود کباب خوردند

ترجمہ: جن مستوں نے کہ خالص شراب پی۔ انہوں نے اپنے ہی پہلو کے کباب کھائے۔

جب اس بیت کی تکرار کی تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ وجد میں کھڑے ہو گئے اور حجرہ کا چراغ گل کر دیا۔ قوال کا بیان ہے کہ اس کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ شیخ کی کیا کیفیت ہو رہی ہے صرف دامن معلوم ہوتا تھا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد شیخ حجرہ سے باہر تشریف لے گئے۔ اور وہ (یعنی قوال) اپنے رفیقوں کے ساتھ حجرہ ہی میں رہا۔ جب صبح ہوئی تو شیخ نے خادم کے ہاتھ خلعت اور بیس نقرئی ٹنکے بھجوا دیئے۔

عبادت و ریاضت میں کلام پاک کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ ایک بار اپنے خلفا کے ساتھ مجلس میں بیٹھے تھے کہ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے کہ دو رکعت نماز کی نیت باندھے اور ایک رکعت میں نماز کے درمیان کلام پاک ختم کرے۔ حاضرین میں سے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی۔ پھر خود ہی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور دو رکعت نماز کی نیت کر کے پہلی ہی رکعت میں پورا کلام مجید ختم کر دیا اور چار پارے اور پڑھے۔ دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی۔ بارہا فرماتے تھے کہ اہل دل سے مجھ کو جو کچھ فیض پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل میں لانے کی بھی توفیق عطا فرمائی ہے اور جس کام کے لئے حوصلہ کیا وہ پورا ہوا لیکن ایک کام اب تک نہیں ہو سکا۔ ایک بزرگ آغاز صبح سے طلوع آفتاب تک قرآن پاک ختم کر لیتے ہیں۔ میں نے بھی ہر چند اس کی کوشش کی، مگر یہ حوصلہ پورا نہیں ہو سکا، تین چار پارے باقی رہ جاتے ہیں۔ مگر سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیر

دستگیر شیخ سماء الحق والدین سے سنا تھا کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام پاک کا آغاز کرتے اور فجر کی نماز کی سنتوں تک پورا ختم کر لیتے تھے۔

وفات کے روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ کے مقدس بزرگ نمودار ہوئے اور حضرت شیخ صدر الدین کے ہاتھ میں ایک سربمہر خط دیا حضرت شیخ صدرالدین خط کا عنوان دیکھ کر متحیر ہوئے۔ والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر کے باہر آئے تو قاصد کو نہ پایا۔ خط پڑھنے کے ساتھ ہی حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آواز بلند ہوئی۔

"دوست بدوست رسید" ترجمہ: دوست اپنے دوست کے پاس پہنچ گیا۔

یہ آواز سن کر حضرت شیخ صدر الدینؒ دوڑے ہوئے حجرے میں آ گئے تو دیکھا آواز حقیقت بن چکی تھی۔

سن وفات میں اختلاف ہے۔ اخبار الاخیار میں سال وفات ۶۶۱ھ ہے۔ سفینۃ الاولیاء اور فرشتہ میں ۶۶۶ھ اور مراۃ الاسرار میں ۶۶۵ھ ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں پیدائش کا سن ۵۶۵ھ لکھا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی عمر سو سال سے زیادہ ہوتی ہے۔ مزار شریف ملتان میں ہے۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی نہ کسی تصنیف کا پتہ ہے اور نہ ملفوظات کا ذکر تذکروں میں ہے۔ مگر انہوں نے اپنے مریدوں کے لئے جو دعا یا اور خطوط لکھے تھے، ان کو اخبار الاخیار نے نقل کیا ہے۔ ان سے اُن کی صوفیانہ تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے ان کے اقتباسات ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ بندہ پر واجب ہے کہ سچائی اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کی عبادات واذکار میں غیر اللہ کی نفی ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے احوال کو درست اور اقوال وافعال میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ ضرورت کے سوا نہ کوئی بات کہے اور نہ کوئی کام انجام دے۔ ہر قول وفعل سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ سے التجا کرے اور اس سے نیک عمل کی توفیق کی مدد چاہے۔

دوسرے موقع پر اپنے مرید کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ ذکر ہی سے طالب محبوب تک پہنچتا ہے۔ محبت ایسی آگ ہے جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے۔ جب محبت راسخ ہو جاتی ہے تو مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ذکر حقیقی ذکر ہو جاتا ہے۔ یہی وہ ذکر کثیر ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے اس قول واذکروا اللّٰہ کثیرًا لعلکم تفلحون۔ میں فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہیئے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرتا رہے۔ ماسوائے اللہ کو دل سے دور کر دے۔ دنیا کے لوگوں کی صحبت کو اپنے اوپر حرام کر لے اور حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے۔ اگر اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے موانست نہ ہو گی تو خدائے تعالیٰ کی محبت کی بو بھی وہ نہ سونگھ سکے گا۔

ایک نصیحت میں ارشاد فرمایا کہ بدن کی سلامتی قلت طعام میں اور رُوح کی سلامتی ترکِ گناہ میں اور دین کی سلامتی حضرت خیرالانام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہے۔

حضرت شیخ بہاءالدین زکریؒا مریدوں میں شیخ حسن افغان کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے وہ ان پڑھ تھے، مگر ان کا ظاہر و باطن روحانی تعلیم سے آراستہ تھا۔ ان کی بزرگی کا یہ حال تھا کہ ایک بار ایک کاغذ پر تین سطریں لکھ دی گئیں جن میں ایک کلام پاک کی آیت تھی، ایک حدیث شریف اور ایک میں کسی شیخ کا قول منقول تھا۔ یہ کاغذ دکھا کر شیخ حسن افغان سے پوچھا گیا کہ کون سی سطر میں کیا چیز ہے؛ شیخ حسن افغان نے قرآن مجید کی سطر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ کلام ربانی ہے۔ اس کا نور مجھ کو زمین سے عرش معلیٰ تک نظر آرہا ہے۔ حدیث شریف کی سطر پر انگلی رکھ کر کہا کہ یہ حدیث مقدس کی سطر ہے۔ اس کا نور ساتویں آسمان تک دکھائی دیتا ہے۔ پھر شیخ کے قول پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اس کا نور زمین سے آسمان تک دیکھتا ہوں۔ حضرت شیخ بہاءالدین زکریاؒ اکثر فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں مجھ سے پوچھا جائے گا کہ ہماری بارگاہ میں کیا کمائی لایا ہے؟ تو میں عرض کروں گا کہ میری کمائی حسن افغان ہے۔

حضرت شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں امیر حسینی اور شیخ فخرالدین عراقی بھی خاص طور پر ذکر کے لائق ہیں۔

حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ

رُوحانی مرتبہ
فیاضی
شیخ اور شہزادہ محمد سلطان
صحبت کیمیا اثر
علمی یادگار
تعلیمات
وفات

حضرت شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ بہاءالدین زکریا نوراللہ مضجعہٗ کے فرزند ارجمند تھے۔ والد بزرگوار ہی کی صحبت میں عقلی و روحانی تعلیم پائی۔ اسی تعلیم کی بدولت اپنے زمانہ کے سرحلقہ اولیاء سمجھے جاتے تھے۔

عام طور سے شیخ صدرالدین عارف کے نام سے مشہور تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب کلام پاک پڑھتے یا ختم کرتے، تو معرفت کے نئے نئے اسرار و رموز ان پر عیاں ہوتے۔ اسی لئے وہ عارف کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ تاریخ فرشتہ میں ہے:

"وی را عارف ازاں گویند کہ ہر بار ختم کلام اللہ کردی، سمند فکرت بیشتر راندی۔ و وقتیکہ بتلاوت مشغول بودی اورا فوج فوج معانی رو نمودی"

ترجمہ: انہیں عارف اس لئے کہتے ہیں کہ جب وہ کلام اللہ ختم کرتے، تو ان کا سمند فکر آگے بڑھتا اور ترقی کرتا اور جس وقت تلاوت میں مشغول ہوتے تو ان پر حقائق و معارف کثرت سے ظاہر ہوتے۔

والد بزرگوار کے وصال کے بعد جب رشد و ہدایت کی مسند پر متمکن ہوئے، تو ترکہ میں سات لاکھ نقد ملے۔ مگر آپ نے یہ ساری رقم ایک ہی روز میں فقراء و مساکین میں تقسیم کرا دی اور اپنے لئے ایک درم بھی نہ رکھا۔ کسی نے عرض کی کہ آپ کے والد بزرگوار اپنے خزانے میں نقد و جنس جمع رکھتے تھے اور اس کو تھوڑا تھوڑا صرف کرنا پسند کرتے تھے۔ آپ کا عمل بھی ان ہی کی روش

کے مطابق ہونا چاہیئے تھا۔ شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت بابا دنیا پر غالب تھے۔ اس لئے دولت اُن کے پاس جمع ہو جاتی تو ان کو علائق دنیا کا کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔ اور وہ دولت کو تھوڑا تھوڑا خرچ کرتے تھے۔ مگر مجھ میں یہ وصف نہیں۔ اس لئے اندیشہ رہتا ہے کہ دنیا کے مال کے سبب سے دنیا کے فریب میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ اس لئے میں نے ساری دولت علیحدہ کر دی۔

مگر اس فیاضی اور جود و سخا کے باوجود ان کے یہاں دولت کی فراوانی رہتی تھی۔ ایک بار شیخ رکن الدین فردوسی دہلی سے ملتان تشریف لے گئے، تو حضرت شیخ صدرالدین سے بھی ملنے آئے۔ اس وقت ان کے یہاں علماء و فقراء کی بڑی تعداد موجود تھی۔ شیخ رکن الدینؒ فردوسی کا بیان ہے کہ کھانے کا وقت آیا تو ایسا پُرتکلف دسترخوان بچھایا گیا، جیسا بادشاہوں کے یہاں ہوا کرتا ہے۔ خود شیخ صدرالدینؒ کے سامنے طرح طرح کے کھانے اور حلوے تھے۔ شیخ رکن الدینؒ فردوسی ایام بیض کے روزے سے تھے، مگر تبرکاً و تیمناً کھانے میں شریک ہو گئے اور شیخ صدرالدینؒ کے قریب ہی دسترخوان پر بیٹھے۔ شیخ رکن الدین نے اپنے میزبان کی خاطر روزہ تو افطار کر لیا۔ مگر سوچنے لگے کہ صرف افطار ہی پر اکتفا کی جائے یا کچھ اور کھایا جائے۔ شیخ صدرالدین نے اپنے نور باطن سے ان کی اس کشمکش کو محسوس کر کے فرمایا کہ جو شخص حرارت باطن سے طعام کو نور بنا کر حق تک پہنچا سکے۔ اس کے لئے تقلیل طعام کی پابندی لازم نہیں۔

چونکہ لقمہ می شود بر تو کہن | تن مزن ہر چند بتوانی بخور

ترجمہ: چونکہ لقمہ آپ کی روحانیت کا جزو بن جاتا ہے، اس لئے جسم کو ہلاک نہ کیجئے اور جس قدر کھا سکتے ہیں خوب کھایئے۔

مہمانوں کی خاطر سے شیخ دسترخوان پر ہاتھ نہ روکتے تھے کہ اُن کے ہاتھ روک لینے سے مہمان بھی تکلف میں بھوکے نہ رہ جائیں۔

حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ کے خوارق و کرامات کی بہت سی حکایتیں مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک کچھ غور طلب ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ محمد سلطان کو مغلوں کی یورش روکنے کے لیے ملتان بھیجا۔ شہزادہ کے ساتھ

اس کی بیوی بھی تھی، جو سلطان رکن الدین ابراہیم ابن شمس الدین التمش کی لڑکی تھی۔ یہ شہزادی اپنی نیکی، حیا اور حسن کے لئے مشہور تھی۔ مگر شہزادے کی شراب خوری اور بدمستی سے عاجز تھی۔ یہاں تک پہنچ کر ایک روز شہزادہ نے شراب کے نشہ میں بیوی کو طلاق دے دی اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ مگر نشہ کے بعد بیوی کی مفارقت گوارا نہ ہوئی اور علماء کو جمع کر کے مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ شہزادی اس کی زوجیت میں اس وقت تک نہیں آسکتی، جب تک کہ حلالہ نہ کرلے۔ شہزادے کی تنک مزاجی اور حمیت نے اس کو گوارا نہ کیا اور وہ غصہ میں اٹھ کر خلوت میں چلا گیا اور قاضی امیرالدین خوارزمی کو بلا کر کہا کہ باپ کے غیظ و غضب اور دوزخ کے عذاب سے ڈرتا ہوں لیکن اس کی (یعنی شہزادی) کی مفارقت اور دوری بھی گوارا نہیں۔ قاضی امیرالدین خوارزمی نے رائے دی کہ شیخ صدرالدین عارفؒ نیک اور اچھے بزرگ ہیں۔ پوشیدہ طور پر ان سے شہزادی کا نکاح کر کے طلاق دلا دی جائے۔ شہزادہ اس پر راضی ہو گیا اور حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ سے شہزادی کا نکاح ہو گیا۔ جب نکاح ہو چکا تو شہزادی نے حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ کے پاؤں پر گر کر کہا۔ کہ اگر آپ مجھ کو پھر اس ظالم اور فاسق کے حوالہ کر دیں گے تو قیامت کے روز آپ کی دامن گیر ہوں گی۔ شیخ صدرالدین عارف کو اس کی عجز و زاری پر رحم آ گیا اور انہوں نے شہزادی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ شہزادہ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ دوسرے دن شیخ کے گھر کو خون سے رنگین کر دیا جائے۔ شیخ کو اس حکم کی خبر دی گئی، تو ان میں کوئی تغیر نہ ہوا اور وہ ارادہ پر قائم رہے۔ اسی دوران میں اچانک مغل حملہ آور ہو گئے۔ شہزادہ کی فوج پسپا ہوئی اور وہ خود ان کے ہاتھوں قتل ہوا۔ فرشتہ نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور آخر میں یہ شعر نقل کیا ہے کہ:۔

گنج قارون کہ فرو می رود از قہر ہنوز

خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

ترجمہ:۔ قارون کا خزانہ، جو گہرائی میں نیچے ہی نیچے جا رہا ہے۔ تو نے پڑھا ہوگا کہ وہ بھی درویشوں کی غیرت کی وجہ سے ہے۔

مگر تعجب ہے کہ فرشتہ نے اس روایت کو صحیح سمجھ کر اپنی تاریخ میں کس طرح قلمبند کیا۔ اس نے سلطان غیاث الدین بلبن کے ذکر میں شہزادہ محمد سلطان کے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے اس روایت کی تکذیب ہوتی ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے:-

"بلبن کے فرزندوں میں سب سے بہتر اور افضل شہزادہ محمد سلطان خاں شہید[1] ہے۔ یہ شہزادہ سلطان غیاث الدین بلبن کا بڑا پیارا اور محبوب ترین فرزند تھا۔ تمام عمدہ صفتیں اور پسندیدہ عادتیں جو ایک شہزادہ میں ہونی چاہئیں۔ سب حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس کو مرحمت کی تھیں۔ یہ شہزادہ اپنی فضیلت، دانش اور ہنر میں بے مثل تھا۔ اس کی مجلس ہمیشہ بڑے بڑے فاضلوں اور شاعروں سے آراستہ رہتی تھی اور وہ ان کو ہر طرح کی عنایتوں اور مہربانیوں سے سرفراز کرتا رہتا تھا زمانہ اس کے جود و کرم کی وجہ سے بہار اور چمن بنا ہوا تھا اور اس کا (یعنی زمانہ کا) جیب و دامن نسرین اور نسترن سے پُر تھا۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن جیسے لوگ ملتان میں اس کے ندیم خاص رہے۔ وہ دوسرے درباریوں سے زیادہ ان دونوں کی عزت کرتا تھا اور ان کی نظم و نثر سے محظوظ ہوتا تھا۔ وہ اس قدر مہذب اور شائستہ تھا کہ اگر کسی مجلس میں تمام دن اور رات بیٹھنا پڑتا تو بھی اپنا زانو اونچا نہ کرتا تھا۔ قسم کے وقت صرف سقا کا لفظ اس کی زبان پر ہوتا۔ شراب کی مجلس اور غفلت و بدمستی میں بھی اس کی زبان سے کوئی نالائم لفظ نہ نکلتا۔"

ادب بزرگ کند مرد را تو شاید طبع بحلیۂ ادب آرای تا بزرگ شوی

ادب مرد کو بزرگ بناتا ہے۔ تو طبع کو ادب کے زیور سے آراستہ کرتا کہ تو بزرگ بن جائے۔

---

[1] محمد سلطان جب مغلوں کے ہاتھوں سے ہلاک ہوا تو محمد سلطان خاں شہید کے نام سے مشہور ہوا۔

اس کی خوشگوار علمی مجلس میں شاہنامہ، دیوان خاقانی، انوری، خمسۂ نظامی اور امیر خسرو کے اشعار پڑھے جاتے تھے۔ ارباب فہم و دانش اس کی شعر فہمی کے معترف تھے۔ امیر خسرو فرماتے تھے کہ میں نے سخن فہمی، باریک بینی، ذوق صحیح اور متقدمین اور متاخرین کے اشعار کی یادداشت میں سلطان محمد کے جیسا کسی کو نہ پایا۔ اس کے پاس ایک بیاض تھی، جس میں مشہور شعراء کے منتخب اشعار خوش خط منقول تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن اشعار کے انتخاب کی خوبی اور اس کی (یعنی سلطان محمد کی) سخن فہمی اور نکتہ رسی کے مداح تھے۔ اس کی شہادت کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے یہ بیاض امیر علی جامدار کو دی، جس کے بعد امیر خسرو کو ملی۔ اس زمانہ کے تمام شعراء نے اس بیاض کو دیکھا اور ان منتخب اشعار کو اپنی اپنی بیاض میں نقل کیا اور ایسے نوجوان شہزادہ کی وفات پر رنجیدہ ہوئے۔ جس زمانہ میں سلطان محمد ملتان میں مقیم تھا، شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے، وہاں تشریف لائے۔ اس نے ان کی بڑی تعظیم اور خاطرداری کی۔ ان کی خدمت میں نذر اور ہدیہ پیش کیا اور بہت اصرار کیا کہ وہ ملتان میں قیام فرمائیں اور ان کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جائے اور اس کے مصارف کے لئے گاؤں وقف کئے جائیں۔ مگر شیخ عثمان ترمذی نے اس کو قبول نہ کیا اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ ایک روز شیخ عثمان اور شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی کے صاحبزادے شیخ صدرالدین شہزادہ کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ مجلس میں عربی اشعار پڑھے جاتے تھے۔ کسی شعر کو سن کر ان بزرگوں اور مجلس کے تمام درویشوں پر وجد طاری ہوگیا اور وہ رقص کرنے لگے۔ محمد سلطان خان شہید اُن کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا اور برابر زار و قطار روتا رہا۔ اگر کوئی شخص اس کی مجلس میں کوئی نصیحت آمیز شعر پڑھتا تو وہ دنیا کو دل سے بھلا کر اس کو بڑے شوق سے سنتا، اور اس پر رقت طاری ہو جاتی۔

فرشتہ کے مندرجہ بالا بیان کی لفظ بہ لفظ تصدیق مولانا ضیاءالدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے بھی ہوتی ہے، جو بلبن کے عہد کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند تاریخ ہے۔ مولانا ضیاءالدین برنی نے شہزادہ محمد سلطان کی بیوی کے طلاق اور پھر شیخ صدرالدینؒ سے نکاح کا ذکر مطلق نہیں کیا ہے، بلکہ وہ شہزادہ کے ان تمام محاسن واوصاف کو لکھ کر جن کا فرشتہ نے ذکر کیا ہے ان الفاظ میں شہزادہ کی وفات کا ماتم کرتے ہیں۔

"میں نے بارہا امیر خسرو اور امیر حسن کو حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے سنا کہ اگر ہم لوگوں اور دوسرے ارباب ہنر کی قسمت یاور ہوتی، تو خان شہید زندہ رہتا اور بلبنی تخت پر متمکن ہوتا اور ہم اور تمام ارباب ہنر روپیوں میں غرق ہو جاتے لیکن ارباب فضل وکمال کی قسمت کھوٹی تھی۔ زمانہ نے ان کی طرف کبھی انصاف کی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور نہ کبھی ان کو صاحب دولت واستطاعت دیکھ سکتا ہے۔ غدار اور سفلہ نواز فلک میں اتنی طاقت کہاں سے آسکتی تھی کہ ایک مہربان، ہنر شناس اور ہنر پرور بادشاہ کو شاہی تخت پر بیٹھنے دیتا، اور ارباب ہنر کو فروغ ہوتا۔ فلک کے کام میں یہی شتر گربگی ہے کہ زمانہ کی بے نظیر وعدیم المثال شخصیتوں کو حاجت مند اور ضرورت مند بنائے رکھتا ہے اور گمنام اور ناکام لوگوں کو جن کے حلق میں گندہ پانی اور ناپاک چیزیں ہونی چاہئیں ہزار ناز ونعمت کے ساتھ پرورش کرتا ہے۔ ریچھ اور سور کو تو مرصع اور مخمل اور عندلیب وبلبل کو قفس میں ذلت کے ساتھ مہجور ومحبوس اور مایوس رکھتا ہے۔"

خود امیر خسرو شہزادہ محمد سلطان کے ساتھ مغلوں کی مہم میں تھے اور شہزادہ کی شہادت کے بعد مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر محبوس بھی رہے۔ شہزادہ کی شہادت پر ایک خونچکاں مرثیہ بھی کہا ہے۔ مگر کہیں اس کی بیوی کے طلاق ونکاح کا ذکر نہیں کیا ہے۔ میر حسن نے بھی نثر میں شہزادہ کی وفات حسرت آیات پر آنسو بہائے ہیں مگر اس میں بھی شہزادہ کی بیوی کے حلالہ کا کہیں ذکر نہیں۔ امیر خسرو اور امیر حسن کے مراثی وماتم نامے اس قدر مقبول ہوئے کہ لوگ شہزادہ کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیئے ان کو برابر اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے۔ چنانچہ تیموری در

کے مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے میر حسن اور امیر خسرو کے مراثی کو اپنی منتخب التواریخ میں چوبیس صفحوں میں نقل کیا ہے۔ مگر شہزادہ محمد سلطان اور شیخ صدرالدین کی کشیدگی اور ناگواری کا کہیں اشارہ بھی نہیں ہے البتہ طبقات اکبری میں اس واقعہ کا کچھ ذکر ہے، مگر مؤلف کو خود اس کی صحت میں شک ہے۔ اس لئے اس روایت کی ابتداء گویند سے کی ہے یعنی یہ عوام کی روایت ہے۔ راقم السطور کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ واقعہ محض عقیدت مند عوام کی روایت ہے۔ جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

حضرت شیخ صدرالدین کی کیمیا اثر صحبت اور تربیت سے بہت سے ارباب کمال پیدا ہوئے جو مختلف مقامات میں مخلوق خدا کے ظاہری و باطنی اخلاق کو آراستہ کرنے میں مشغول تھے۔ شیخ جمال خنداں ان سے تربیت پانے کے بعد اوچھ میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں کی مخلوق کو فیض یاب کرنے کے بعد اسی سرزمین میں آسودۂ خواب ہیں۔ ایک دوسرے خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کو بدایوں میں رہنے کا حکم ملا تھا۔ چنانچہ وہ آخر وقت تک یہیں رہے اور یہیں ان کا مزار ہے۔ ایک اور خلیفہ مولانا علاؤالدین خجندی حضرت شیخ صدرالدینؒ کی خدمت میں چودہ سال تک رہے۔ ان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ روز دو مرتبہ کلام پاک ختم کرتے تھے۔ ان کے مرشد ان کو محبوب اللہ کہا کرتے تھے۔ ان خلفاء میں سے شیخ احمد بن محمد قندھاری المعروف بہ شیخ احمد معشوق پر سب سے زیادہ جذب وسکر کی کیفیت طاری رہتی۔ اس کوچہ میں آنے سے پہلے وہ گھوڑوں اور دوسری چیزوں کے تاجر تھے۔ دولت کی فراوانی کی وجہ سے عیش و عشرت میں مشغول رہتے تھے۔ محفل نشاط میں شراب سے بھی شغل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں قندھار سے ملتان آئے، تو حضرت شیخ صدرالدین کی زیارت کے لئے بھی حاضر ہوئے شیخ نے اپنا جھوٹا ایک لقمہ ان کو کھانے کو دیا۔ اس کو کھاتے ہی ان پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی وقت تجارت کا سارا سامان فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا اور مرشد کی خانقاہ میں عزلت نشین ہو گئے اور سات سال تک تربیت پاتے رہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ

"ایک بار جاڑے کے جاڑے میں آدھی رات کو وہ باہر آئے اور پانی ہی بہتے

ہوئے پانی میں جاکر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ الٰہی میں اس وقت تک اس جگہ سے باہر نہ نکلوں گا جب تک کہ مجھ کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں کیا ہوں۔ اُن کے کان میں آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ تمہاری وجہ سے قیامت کے روز بہت سے لوگ دوزخ سے محفوظ رہیں گے۔ شیخ احمد نے کہا کہ صرف اس بات پر اکتفا نہیں کر سکتا ہوں۔ پھر آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ قیامت کے روز تمہاری عنایت کی وجہ سے بہت سے لوگ بہشت میں جائیں گے۔ شیخ احمد نے کہا کہ اس سے بھی تسلی نہیں ہوئی۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔ آواز آئی کہ ہم نے حکم کر دیا ہے کہ سارے درویش اور عارف ہمارے عاشق ہوں، مگر تم ہمارے معشوق ہو۔ یہ سن کر خواجہ احمد پانی سے نکل کر شہر کی طرف گئے۔ راستہ میں جو شخص ان سے ملتا "السلام علیکم یا شیخ احمد معشوق" کہتا۔

فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا واقعہ بیان کر کے زار و قطار رونے لگے۔ کسی نے اس مجلس میں کہا کہ شیخ احمد نماز نہیں پڑھتے تھے۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاں، جب اُن سے کہا جاتا تھا کہ وہ نماز کیوں نہیں پڑھتے، تو کہتے تھے کہ نماز پڑھوں گا، مگر سورۂ فاتحہ نہیں پڑھوں گا۔ اس پر اعتراض ہوتا کہ یہ نماز درست نہ ہوگی۔ اور جب ان سے اور اصرار کیا جاتا تو کہتے کہ سورۂ فاتحہ پڑھوں گا مگر ایاك نعبد و ایاك نستعین کو چھوڑ دوں گا۔ پھر اُن سے کہا جاتا کہ اس آیت کو بھی پڑھنا ہوگا۔ اس رد و قدح کے بعد وہ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ مگر سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت جب مذکورۂ بالا آیت زبان سے نکالتے، تو اُن کے ہر بُن مو سے خون جاری ہو جاتا۔ وہ نماز توڑ دیتے اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہتے کہ ایسی حالت میں نماز کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

حضرت شیخ صدر الدینؒ نے ان روحانی یادگاروں کے علاوہ ایک علمی یادگار "کنوز الفوائد" بھی چھوڑی ہے۔ یہ اُن کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جس کو ان کے ایک مرید خواجہ ضیاء الدین نے مرتب کیا تھا۔ راقم السطور کی نظر سے یہ کتاب نہیں گذری۔ مگر اخبار الاخیار میں اس کے طویل اقتباسات ہیں۔ ان اقتباسات کی مدد سے ہم شیخ صدر الدینؒ کی صوفیانہ تعلیمات کا خاکہ ناظرین

کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

فرماتے تھے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ لا الہ الا اللہ حصنی فمن دخلہ امن من عذابی۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ (حصن) ہے جو کوئی اس کے اندر داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔ اس قلعہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قلعہ کی تین قسمیں ہیں۔ ظاہر، باطن اور حقیقت حصن ظاہر یہ ہے کہ بندہ خداوند تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ خوف زدہ ہو اور نہ کسی سے کوئی امید رکھے۔ اگر تمام دنیا کے لوگ اس کے دشمن ہو جائیں تو اس سے متردد نہ ہو۔ اگر دنیا والے اس کے دوست ہو جائیں تو اس سے خوش نہ ہو۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے بغیر نفع وضرر اور خیر وشر کا ظہور نہیں ہوتا حصن باطن یہ ہے کہ یقین ہو کہ موت سے پہلے جو کچھ بھی پیش آتا ہے وہ بالکل عارضی اور آنی وفانی ہے اور دنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں۔ اس لئے اس کے وجود کی ہستی ونیستی قابل التفات نہیں۔ حصن حقیقت یہ ہے کہ دل میں نہ بہشت کی آرزو ہو اور نہ دوزخ کا خوف ہو۔ صرف اللہ ہی اللہ ہو۔ دل میں جب یہ سچائی راسخ ہو جاتی ہے، تو بہشت خود بخود پیچھے پیچھے چلی آتی ہے۔

ایک اور موقع پر مریدوں سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی پہلی شرط یہ ہے کہ جن پر آپ ایمان لائے اس پر ایمان لا کر بندہ ثابت قدم رہے اور شک وشبہ کی بجائے رغبت، محبت اور معرفت کے ساتھ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا اور اپنی صفات میں یگانہ ہے۔ وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے۔ اسماء صفات اور افعال کے لحاظ سے قدیم ہے۔ اوہام وافہام کے ادراک سے بالاتر ہے۔ حدوث، عوارض اور اجسام کی علامتوں سے پاک ہے۔ تمام عالم اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس کی ذات وصفات میں چون وچرا کرنا جائز نہیں۔ نہ وہ خود کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس سے مشابہ ہے۔ تمام پیغمبر اسی کے بھیجے ہوئے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں میں افضل ہیں۔ اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے، صحیح اور درست ہے اس میں کوئی تفاوت نہیں، خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں۔ اگر نہ آئیں تو بھی ان کو تسلیم کر

لینا چاہیئے۔ تاکہ اعتقاد درست رہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم کو جانا اس کی کیفیت اور کنہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی۔ اگر خداوند تعالیٰ کے حکم کی تاویل آیات اور احادیث کے مطابق ہو تو تاویل کرنا جائز ہے۔ ایمان کی صحت کی علامت یہ ہے کہ اگر بندہ نیک کام کرے، تو اس کو خوشی محسوس ہو اور اگر اس سے بُرائی سرزد ہو تو اس کو بُرائی بُرائی معلوم ہو۔ بندہ کے ایمان کی استقامت کی علامت یہ ہے کہ وہ علم کی بجائے ذوق وحال کی بنا پر اللہ اور رسولؐ کو محبوب رکھے۔

ایک دوسرے موقع پر مریدوں کو نصیحت کی کہ کوئی سانس ذکر سے بغیر باہر نہ نکلنا چاہیئے۔ کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی ذکر کے بغیر سانس لیتا ہے، وہ اپنا حال ضائع کرتا ہے۔ ذکر کے وقت وسوسہ اور حدیث نفس سے گریز کرنا چاہیئے۔ اور جب یہ صفت پیدا ہو جائے گی، تو وسوسے اور حدیث نفس ذکر کے نور سے جل جائیں گے اور دل میں نور ذکر اترتا جائے گا اور اس میں ذکر کی حقیقت متمکن ہو جائے گی۔ پھر ذکر مذکور مشاہدہ کے ساتھ ہوگا۔ اور دل نور کے یقین سے منور ہو جائے گا اور یہی طالبوں اور سالکوں کا مقصود ہے۔

ایک اور موقع پر مریدوں کو تلقین کی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کو بندۂ سعید لکھ دیتا ہے اور اس کو زبان کے ذکر کے ساتھ قلب کی موافقت کی توفیق عطا کرتا ہے اور زبان کے ذکر سے قلب کے ذکر کی جانب ترقی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر زبان ذکر سے خاموش رہتی ہے تو قلب خاموش نہیں ہوتا۔ یہی ذکر کثیر ہے اور اس ذکر تک بندہ اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ نفاق سے بری نہ ہو۔ جس کا اشارہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ہے کہ میری اُمت کے اکثر منافق اس کے قاری ہیں۔ اس نفاق سے مراد غیر خدا کے ساتھ وقوف اور تعلق باطن ہے۔ اس سے پرہیز ضروری ہے۔ باطن کا لگاؤ صرف خدا کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ پس جب بندہ کو تجرید ظاہری یعنی ناپسندیدہ چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے اور وہ بُرے وساوس اور اخلاق مذمومہ سے پاک و صاف ہو کر تفرید باطن سے معزز ہوتا ہے، تو قریب ہوتا ہے کہ اس کے باطن میں نور کا ذکر

متجلی ہو جائے اور شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات اس سے دُور ہو جائیں اور اس کے باطن میں نور کے ذکر کا جوہر نمایاں ہو جائے۔ یہاں تک کہ اس کا ذکر مشاہدہ مذکور کو متجلی کر دے۔ اور یہ وہ مرتبۂ بلند اور عطیۂ عظمیٰ ہے جس کے حصول کے لیئے امت کے اصحاب ہمت اور ارباب بصیرت کی گردنیں بڑھتی ہیں۔

حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہٗ کا وصال ملتان میں ۲۔ ماہ ذی الحجہ کو ظہر و عصر کے درمیان ہوا۔ تاریخ فرشتہ میں سن وفات ۶۷۶ھ ہے، جو غلط معلوم ہوتا ہے سفینۃ الاولیاءٔ اور مراۃ الاسرار میں ۶۸۴ھ درج ہے۔

حضرت بہاءالدین زکریاؒ کے سن وفات کی صحیح تعیین نہیں ہو سکی ہے۔ اگر ۶۵۶ھ تسلیم کر لیا جائے تو حضرت شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کا سن وصال ۶۷۲ھ ہو سکتا ہے۔ مراۃ الاسرار کے مؤلف کا بیان ہے کہ وفات کے وقت عمر شریف اُنہتر سال کی تھی۔ مگر بعض تذکروں میں تہتر سال بھی بتائی جاتی ہے۔ اس لئے تاریخ ولادت کی بھی تعیین مشکل ہے۔ گو بعض روایتوں کے مطابق شب جمعہ ۶۱۱ھ بتائی گئی ہے۔ مرقد مبارک ملتان ہی میں حضرت بہاءالدین زکریاؒ کے پہلو میں ہے۔

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ

گنج شکر کی وجہ تسمیہ
ولادت
بیعت
سیاحت
خلافت
تعلیم علوم ظاہری و باطنی
استغناء
تصنیفات
شریعت کی پابندی
محبت رسولؐ
خلفاء

اسم گرامی مسعود، لقب فریدالدین تھا۔ مگر عام طور سے گنج شکر کے نام سے مشہور تھے۔ گنج شکر کی وجہ تسمیہ مختلف بتائی جاتی ہے۔ سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں حضرت فریدالدینؒ اپنے مرشد خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں تربیت پا رہے تھے، تو ایک بار انہوں نے سات دن تک متواتر روزے رکھے۔ افطار کے وقت اپنے حجرے سے غزنین دروازہ سے خواجہ بختیار کاکیؒ کے پاس جا رہے تھے کہ ایک جگہ کیچڑ میں پاؤں پھسل گیا۔ زمین پر گر پڑے۔ کیچڑ منہ میں چلی گئی۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت سے وہ شکر بن گئی۔ جب مرشد کی خدمت میں پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ اگر مٹی تمہارے منہ میں جا کر شکر بن گئی، تو خداوند تعالیٰ تمہارے سارے وجود کو شکر بنا دے گا اور تم ہمیشہ شیریں رہو گے۔ اسی کے بعد گنج شکر مشہور ہو گئے۔

سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک بار خواجہ فریدالدینؒ نے متواتر روزے رکھے۔ ایک دن افطار میں کوئی چیز کھانے کو نہ ملی، تو حالت گرسنگی میں رات کو سنگریزے منہ میں رکھ لیے۔ سنگریزے شکر ہو گئے۔ جب یہ خبر خواجہ بختیار کاکیؒ کو پہنچی، تو فرمایا کہ فرید گنج شکر ہے۔

خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف نے تذکرۃ العاشقین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک سوداگر اونٹوں پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی کی طرف جا رہا تھا۔ جب وہ اجودھن پہنچا تو شیخ فریدالدینؒ

نے اُس سے پوچھا کہ اونٹوں پر کیا ہے۔ سوداگر نے تمسخر سے جواب دیا کہ نمک ہے۔ شیخ فریدالدینؒ نے یہ سن کر کہا کہ بہتر ہے نمک ہی ہوگا۔ سوداگر جب اپنی منزلِ مقصود پر پہنچا تو اونٹوں پر شکر کی بجائے نمک پاکر سخت گھبرایا۔ اسی وقت واپس ہوا اور شیخ فریدؒ کی خدمت میں پہنچ کر اپنی تقصیر کی معافی چاہی۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر شکر تھی تو شکر ہو جائے گی۔ اور نمک شکر میں تبدیل ہوگیا۔ بیرم خان خانخاناں نے اس واقعہ کو منظوم بھی کیا ہے۔ اس کا ایک شعر ہے ؎

کانِ نمک، جہانِ شکر، شیخ بحر و بر   آں کز شکر نمک کند واز نمک شکر

ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ فریدالدینؒ جب جنگلوں اور پہاڑوں میں ریاضت کر رہے تھے، تو ایک روز ان کو سخت پیاس معلوم ہوئی۔ وہ ایک کنویں کے پاس پہنچے، لیکن وہاں ڈول اور ڈوری نہ تھی۔ اس لئے ناامید ہوکر کنویں کے قریب کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں دو جنگلی ہرن کنویں کے پاس آئے۔ کنویں کا پانی اُبل کر کنارہ تک آگیا۔ دونوں ہرنوں نے اپنی پیاس بجھائی۔ شیخ فریدالدینؒ بھی پانی پینا چاہتے تھے کہ پانی اپنی گہرائی میں چلا گیا۔ شیخ فریدالدین متحیر ہوئے آسمان کی طرف اپنا چہرہ اٹھا کر کہا:

"الٰہی! ہرنوں کو تو نے پانی پلا دیا اور اپنے بندے کو کیوں محروم کر دیا"

آواز آئی، تو نے ڈول اور ڈوری پر توکل کیا اور ان جانوروں نے مجھ پر توکل کیا تھا۔ اس لئے تم محروم رہے اور دونوں ہرن سیراب ہوگئے۔ یہ سن کر شیخ فریدالدینؒ متاسف ہوئے اور نفس کشی کی خاطر چالیس روز تک چلّہ معکوس کیا اور پانی کا ایک قطرہ بھی منہ میں نہ ڈالا۔ چلّہ ختم ہوا تو ایک مٹھی خاک منہ میں بھر لی، جو فوراً شکر ہو گئی۔ غیب سے آواز آئی:

"اے فرید! تیرے چلّہ کو ہم نے قبول کیا اور تجھ کو اپنے لئے چن لیا اور شیریں سخنوں کے گروہ میں تجھ کو گنج شکر بنا دیا۔"

حضرت شیخ فریدالدینؒ کی ولادت مسعود ۵۸۴ھ میں قصبہ کھتی وال (کھوتوال) ضلع ملتان میں ہوئی۔ سلسلہ نسب آخر میں حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ پورا نسب نامہ یہ ہے۔

شیخ فریدالدین گنج شکرؒ بن جمال الدین سلیمان بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف،

بن شیخ محمد بن شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد المشہور بہ فرخ شاہ بادشاہ کابل بن نصیر الدین بن محمد المعروف بہ فتیمان شاہ بن سامان شاہ بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ واعظ الاکبر بن ابوالفتح بن اسحاق بن سلطان ابراہیم بادشاہ بلخ بن ادھم بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن امیرالمومنین فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

حضرت شیخ فریدؒ کے والد بزرگوار شہاب الدین غوری کے زمانہ میں کابل سے لاہور آئے اور پھر وہاں سے کچھ دنوں قصور اور ملتان رہ کر کھتی وال آگئے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ اسی مقام پر حضرت فریدالدینؒ کی ولادت ہوئی۔ والدہ ماجدہ کا نام قرسم خاتون بنت ملا وجیہہ الدین تھا۔

شیخ فرید نے ابتدائی تعلیم اسی قصبہ میں حاصل کی۔ وہاں سے مزید تعلیم کے لئے ملتان آئے۔ اسی زمانہ میں حضرت بختیار کاکیؒ کا ورود مسعود ملتان میں ہوا۔ گنج شکرؒ ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب خواجہ بختیارؒ دہلی کی طرف بڑھے، تو شیخ فرید کو مزید تعلیم کی تلقین کی۔ چنانچہ وہ ہندوستان سے نکل کر غزنی، بغداد، سیوستان، بدخشان وغیرہ میں علوم ظاہری و باطنی حاصل کرتے رہے۔

حضرت خواجہ فریدالدین کے ملفوظات "راحت القلوب" میں ان کی سیاحت کے جستہ جستہ واقعات مذکور ہیں جن کو یہاں اس غرض سے قلمبند کرتے ہیں کہ یہ اندازہ ہو کہ آپ مختلف مقامات کے اولیاء اللہ کی صحبت سے کس کس طرح بہرہ مند ہوئے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی زیارت کی اور کئی روز تک فیض صحبت حاصل کرتا رہا۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ ان کی خانقاہ میں دس بارہ ہزار سے کم فتوح نہ آتی ہو اور وہ اس کو اسی روز راہ خدا میں خرچ نہ فرما دیتے ہوں۔ فرماتے تھے کہ اگر میں ایک پائی بھی رکھوں تو مجھے درویش نہیں مالدار کہا جائے گا۔

حضرت بابا گنج شکرؒ کو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے آخر عمر تک بڑی عقیدت رہی۔ خواجہ نظام الدینؒ اولیاء فرماتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصنیف عوارف المعارف کو آپ (یعنی حضرت گنج شکرؒ) بڑی خوش اسلوبی سے پڑھاتے تھے اور آپ کے پڑھانے میں یہ

اثر تھا کہ سننے والوں کے ہوش بجا نہیں رہتے تھے۔ میں نے اس کتاب کے پانچ باب آپ ہی سے پڑھے اور آپ کے بیان کی لذت سے مجھ پر ایسی بے خودی طاری ہو جاتی کہ اگر ایسی حالت میں موت آجاتی تو ایک بڑی دولت ملتی۔ آپ کے گھر فرزند ارجمند پیدا ہوا تو اُس کا نام بھی شہاب الدین ہی رکھا۔

فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد میں تھا تو برابر اس خیال میں رہتا کہ کسی اہل اللہ کی زیارت نصیب ہو۔ اپنا یہ خیال ہر کس و ناکس سے ظاہر کرتا اور بزرگان دین کا سراغ لگاتا۔ ایک بزرگ کا حال معلوم ہوا کہ وہ دریائے دجلہ کے کنارے ایک غار میں سکونت پذیر ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ نماز میں معروف تھے۔ فارغ ہوئے تو میں نے سلام کیا۔ سلام کا جواب دے کر فرمایا، بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ ان کے چہرے سے بڑی عظمت و ہیبت ظاہر ہوتی تھی۔ ان کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا، اگر بزرگوں کی زیارت کی غرض سے یہ سفر اختیار کیا ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو بھی بزرگی عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ کم و بیش پچاس سال سے اسی غار میں رہتا ہوں۔ حضرت جنید بغدادیؒ کی اولاد سے ہوں۔ جڑی بوٹی میری غذا ہے۔ عرصہ بیس سال سے شب زندہ دار ہوں لیکن گزشتہ شب اتفاقاً میری آنکھ مصلے پر لگ گئی اور ایک خواب دیکھا۔ یہ رات معراج کی تھی۔ خواب میں اس رات کی فضیلت ظاہر ہوئی۔ خواب بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جو شخص خدا کی طلب کرتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کا طالب ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جس وقت میں بغداد اور اس کے نواح میں سفر کر رہا تھا تو میری ملاقات خواجہ اجل سنجری سے ہوئی۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دے کر مصافحہ کیا اور مجھ کو دیکھ کر فرمایا:

"بیا شکر عالم نیک آمدی بنشیں!"

میں وہیں بیٹھ گیا۔ آپ نے میرے حال پر بہت لطف و کرم فرمایا اور کئی روز تک مہمان رکھا۔ میں نے اپنے قیام کے زمانہ میں دیکھا کہ کسی آنے والے کو خالی نہ جانے دیتے تھے۔ اگر کچھ موجود نہ ہوتا تو خستہ خرما ہی عطا فرماتے۔ میں جب رخصت ہونے لگا تو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ

تمہارے رزق میں برکت دے۔ میں نے وہاں کے لوگوں سے سنا کہ آپ جیسا فرماتے ہیں ویسا ہی ہوتا ہے۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ جب میں بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزیؒ کی خدمت میں حاضر تھا تو ایک شخص اُن کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا حضرت! میں مال رکھتا ہوں لیکن کئی سال سے اس میں نقصان ہو رہا ہے اور میں خود بھی بیمار ہو جاتا ہوں۔ اس سے اور بھی نقصان ہوتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی مسلمان کے مال میں نقصان ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ اُس کے دل میں کھوٹ ہے۔ اس کو نقصان اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا ایمان درست ہو جائے۔

ارشادات گرامی میں ہے کہ جب میں نواح غزنی میں تھا تو ایک رات کسی مسجد میں شب باش ہوا۔ وہاں چند درویش رہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک بڑا عبادت گزار تھا۔ میں رات بھر ان کی خدمت میں رہا۔ صبح وہاں سے روانہ ہو کر ایک حوض پر پہنچا۔ جہاں ایک بزرگ تشریف فرما تھے۔ وہ بہت لاغر، ضعیف اور کمزور تھے۔ میں نے اس قدر لاغری اور کمزوری کا سبب پوچھا تو فرمایا، مجھے عارضہ شکم ہے۔ دن بھر ان کی خدمت میں رہا۔ جب رات ہوئی تو ان کا عارضہ بڑھا۔ ان کا معمول تھا کہ ہر رات سو رکعت نفل ادا فرماتے۔ لیکن دو رکعت کے بعد ان کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی۔ قضائے حاجت کے بعد غسل فرماتے اور پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ پھر حاجت ہوتی اور پھر غسل کر کے دوگانہ ادا فرماتے۔ اس طرح اس رات وہ مسلسل ساٹھ بار نہائے اور اپنا وظیفہ ادا کیا۔ آخری بار جب نہانے تشریف لے گئے تو پانی کے اندر ہی انتقال فرما گئے۔ سبحان اللہ! کتنے مضبوط اور راسخ العقیدہ تھے۔ یہ کہہ کر بابا گنج شکرؒ رونے لگے۔

غزنی ہی کے نواح کی سیاحت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایک شہر کی مسجد میں رمضان شریف میں امام حدادی کی بھی قدم بوسی کی اور ان کی خدمت میں عرصہ تک رہا۔ وہاں ایک اور باعظمت بزرگ تھے جو ہر رات تین بار کلام پاک ختم کرتے بلکہ چار پارے اور زیادہ پڑھ جاتے۔ انہوں نے مجھے نصیحت فرمائی کہ راہِ سلوک میں جفاکشی اور محنت بہت ضروری ہے۔ جب تک مجاہدات کاملہ اور ریاضاتِ شاقہ نہ کرو گے مقام اعلیٰ کو نہ پہنچو گے۔ غزنی کے ایک اور بزرگ

کی نصیحت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے مجھ کو نصیحت کی کہ دنیا آدمی کی طرف پیٹھ رکھتی ہے اور آخرت منہ۔ زندگی میں یہ دونوں ساتھ ہیں۔ لازم ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی جائے کیونکہ آخرت ہی کام آئے گی۔

فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں ہندوستان کی سیر و سیاحت میں مصروف تھا، انہی دنوں حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی رح سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے از راہِ کرم مجھ کو سینے سے لگایا اور فرمایا کہ مشائخ کی تم نے جو خدمت کی ہے وہ تمہارے لیئے باعث سعادت ہے اور میرے پاس آنا بھی تمہارے لیئے اچھا ہوا۔ وہیں کے ایک بزرگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا کہ کھڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر فرما رہے ہیں۔ میں ان کے پاس ٹھہرا رہا۔ ایک روز اُن کو ہوش آیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو سعادت ابدی عطا کرتے ہیں، اس کے لیئے ذکر کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور وہ شخص سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے ذکر ہی میں رہتا ہے۔ فرمایا، قضائے حاجت کے وقت کے سوا اور تمام وقت ذکر کرنا چاہیئے۔

ارشاداتِ عالی میں ہے کہ بدخشان میں شیخ عبدالواحد نبیسہ حضرت ذوالنون مصری سے ملاقات ہوئی۔ وہ شہر سے باہر ایک غار میں رہتے تھے۔ اُن کا جسم بالکل گھل گیا تھا۔ صرف ایک پاؤں رکھتے تھے۔ ان کو ایک ہی پاؤں پر بحالم تحیّر میں کھڑے دیکھا۔ ان کے پاس پہنچا تو سلام کیا۔ انہوں نے بیٹھنے کو کہا اور پھر عالم تحیّر میں کھو گئے۔ تین دن اور تین رات عالم صحو میں نہ آئے اور مجھ سے مخاطب نہ ہوئے۔ تیسرے دن عالم صحو میں آئے تو فرمایا۔ میرے پاس نہ آؤ ورنہ جل جاؤ گے۔ دور بھی نہ رہو کہ مہجور رہو گے۔ میرا حال سن لو۔ میں اس غار میں ستر برس سے ہوں۔ ایک بار ایک عورت ادھر سے گزری۔ میری نگاہ اس پر پڑی اور اس کی طرف میرا میلان ہوا اور میں نے اس غار سے باہر نکلنا چاہا۔ لیکن غیب سے آواز آئی ؛

"اے مدعی! یہی عہد تھا کہ تم میرے سوا کسی دوسرے سے بھی لگاؤ رکھو"

یہ آواز سن کر میں متنبہ ہوا اور فوراً اس پاؤں کو جو باہر نکل آیا تھا کاٹ کر پھینک دیا۔ اس واقعہ کو تیس سال گزر گئے ہوں گے۔ میں حیران ہوں کہ قیامت کے روز جب مجھ سے سوال کیا جائے گا تو میں کیا جواب دوں گا۔

راحت القلوب کی مجلس نہم کے بعض ملفوظات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت بابا گنج شکرؒ نے بیت المقدس میں بھی کچھ دنوں رہ کر وہاں کی جاروب کشی کی تھی۔

پانچ سال کے بعد خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ مرشد نے ان کی اقامت کے لئے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی اور یہیں وہ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ اس ریاضت و مجاہدہ میں ان کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ جب خواجہ معین الدین چشتیؒ، بختیار کاکیؒ سے ملنے دہلی آئے، تو شیخ فرید کو دیکھنے ان کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ مگر شیخ فریدؒ ضعف کی وجہ سے تعظیم کے لئے اٹھ نہ سکے۔ خواجہ معین الدینؒ نے ان کے لئے دعا کی اور غیب سے بشارت ملی کہ "فرید را برگزیدم" چنانچہ خواجہ صاحب نے ان کو خلعت مرحمت فرمایا اور بختیار کاکیؒ نے بھی اپنی خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی۔ اس وقت خواجہ معین الدین نے بختیار کاکیؒ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ:

"بابا قطب الدین شاہبازے عظیم در دام آوردی کہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نمی گیرد"

ترجمہ: بابا قطب الدین! تم نے ایک ایسے بڑے شہباز کو جال میں پھانسا ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کے علاوہ اور کہیں آشیانہ نہیں بناتا۔

مرشد کی صحبت میں تعلیم مکمل کر چکے تو مرشد کے حکم سے دہلی سے ہانسی آئے۔ رخصت کے وقت مرشد نے فرمایا کہ تم میری موت کے وقت تو میرے پاس نہیں ہو گے۔ میری موت کے دو تین روز بعد فاتحہ خوانی کے لئے پہنچو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت گنج شکرؒ ہانسی پہنچے تو کچھ دنوں بعد ایک روز خواب میں دیکھا کہ مرشد کا وصال ہو گیا ہے۔ ہانسی سے پریشان ہو کر روانہ ہوئے تو وصال کے تیسرے روز دہلی پہنچے۔ مزار مبارک زیارت فرما چکے، تو قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا خرقہ اور دوسری امانتیں حضرت گنج شکرؒ کو دیں۔ جن کو مرشد نے اپنے محبوب خلیفہ کے حوالے کرنے کو کہا تھا۔ تین روز بعد حضرت گنج شکرؒ دہلی سے روانہ ہونے لگے، تو تمام لوگوں نے وہیں قیام کرنے کی درخواست کی۔ مگر انہوں نے دہلی

میں مزید ٹھہرنا پسند نہ کیا۔ ہانسی آئے تو لوگوں کے ہجوم سے گھبرا کر اجودھن کی طرف بڑھ گئے یہاں تنہائی اور سکون پایا تو اسی کو مسکن بنا لیا۔ کچھ عرصہ میں معتقدین کا ہجوم یہاں بھی بڑھا تو اس جگہ کو بھی چھوڑنا چاہا، مگر مرشد نے خواب میں یہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی اور ایک روز ہاتف غیبی سے آواز آئی کہ

"اے شیخ! پریشان نہ ہو اور لوگوں کی جفا کاری کو برداشت کر۔"

اس کے بعد سے ہر شخص کو ان کے پاس آنے کی عام اجازت ہو گئی۔ اور وہ ہجوم سے ملول خاطر نہیں ہوتے تھے۔

حضرت گنج شکرؒ اجودھن میں ہی آسودۂ خاک ہوئے۔ سن وفات میں اختلاف ہے سیر الاولیاء، اخبار الاخیار اور سفینۃ الاولیاء میں ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ، تاریخ فرشتہ میں ۶۶۰ھ، سیر الاقطاب میں ۶۹۰ھ، خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخزن الواصلین و تذکرۃ العاشقین ۶۷۰ھ درج ہے۔ پانچویں محرم کی رات کو بابا صاحب پر مرض کا غلبہ ہوا۔ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی اور بے ہوش ہو گئے۔ ایک گھنٹہ بعد ہوش میں آئے تو پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ حاضرین نے عرض کیا، حضرت ہاں! لیکن پھر فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ لوں، پھر کون جانے کیا ہو۔ پھر تیسری مرتبہ بھی پڑھی اور فرمایا یا حی یا قیوم اور جان بحق تسلیم کی۔ مزار اجودھن میں ہے، جو اب تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ شہنشاہ اکبر کو حضرت بابا کے مزار سے بڑی عقیدت تھی، اس لئے اسی نے اجودھن کا نام پاک پٹن رکھا۔

حضرت گنج شکرؒ نے راہِ سلوک کے طے کرنے میں بڑی محنت شاقہ کی۔ ان کا خود بیان ہے کہ وہ بیس سال تک عالمِ تفکر میں کھڑے رہے مطلق نہ بیٹھے۔ ان کے پاؤں سوج گئے تھے اور ان سے خون بہتا تھا۔ اس درمیان میں ان کو یاد نہیں کہ انہوں نے کچھ کھایا ہو۔ یہ ریاضت کی وجہ سے اس قدر ضعیف ہو گئے تھے کہ تعظیم کو بھی نہ اٹھ سکتے تھے۔ ایک بار اٹھ کر تھوڑی دور چلنا چاہتے تھے۔ عصا کے سہارے اٹھے، مگر چند قدم چلے ہوں گے کہ چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ ہاتھ سے عصا چھوڑ دیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ساتھ تھے انہوں نے پریشانی کا سبب پوچھا تو فرمایا، عصا پر سہارا کیا تھا۔ اس لئے عتاب نازل ہوا کہ غیر کا

سہارا لیتے ہو۔ اسی لئے عصا چھوڑ دیا۔

رشد و ہدایت کے لئے خانقاہ میں بیٹھے تو اپنے مرشد کی طرح دنیا کے تمام مال و متاع سے مستغنی رہے۔ تمام زندگی فقیرانہ عسرت اور درویشانہ استغناء کے ساتھ گزاری۔ لباس و غذا میں شانِ بے نیازی پائی جاتی تھی۔ جسم پر کپڑے پھٹ جاتے تو بھی علیحدہ نہ کرتے۔ ایک بار کرتہ بہت ہی بوسیدہ ہو گیا تھا۔ ایک شخص نے نیا کرتہ نذر کیا۔ کرتہ پہن تو لیا لیکن فرمایا، جو ذوق مجھ کو اس پرانے کرتہ میں حاصل تھا اس نئے کرتہ میں نہیں ہے۔ جس کمبل پر دن کو بیٹھتے، اسی کو رات کے وقت اپنا بستر استراحت بناتے۔ گھر میں اکثر فاقہ ہوتا تھا۔ ایک روز زوجہ محترمہ نے آکر عرض کیا کہ لڑکا بھوک سے مر رہا ہے، تو فرمایا، فرید کیا کرے اگر تقدیر الٰہی یہی ہے تو یہی ہوگا۔

ایک بار سلطان ناصر الدین محمود اجودھن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کی ملاقات سے ایسا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے وزیر الغ خاں کو (جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا) چار گاؤں کا فرمان اور ایک کثیر رقم بطور ہدیہ دے کر بھیجا۔ مگر انہوں نے اس کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ ان کو دو جن کو ضرورت ہو۔ ہمارے خواجگان کی یہ رسم نہیں۔ اگر کبھی کسی سے کچھ قبول کرتے تو راہِ خدا میں تقسیم کر دیتے۔ فرماتے تھے کہ جو کچھ بھی اور جتنا بھی اللہ کی راہ میں دیا جائے اسراف نہیں ہے اور جو کچھ بھی غیر اللہ کے لئے خرچ کیا جائے، اسراف ہے۔

طبیعت میں بے حد نرمی اور ملاطفت تھی۔ ایک بار چار درویش آئے اور بابا صاحبؒ سے درشت لہجہ میں گفتگو کی۔ انہوں نے پھر بھی ان کی دلجوئی اور مہمان داری کرنے کی کوشش کی لیکن وہ رکے نہیں۔ جب جانے لگے تو حضرت بابا صاحبؒ نے ہدایت کی کہ وہ بیابان کی راہ سے نہ جائیں لیکن وہ نہ مانے اور جب وہ جا چکے تو زار و قطار رونے لگے جیسے کوئی ماتم کرتا ہو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں باد سموم اٹھی اور وہ چاروں درویش ہلاک ہو گئے۔

ایک بار بابا صاحبؒ کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی۔ اس لئے مریدوں کی مجلس میں چارپائی پر بیٹھے تو اپنے کو اونچی جگہ پا کر مریدوں سے معذرت کی اور اپنی تکلیف بتائی

حاضرین نے دُعا کی اور کہا آپ کو صحت ہو۔ ہماری صحت آپ ہی کی صحت کے ساتھ ہے۔
(ایک بار خانقاہ میں کچھ درویش آئے۔ گھر میں سوائے جوار کے اور کچھ نہ تھا۔ خود ہی جوار پیسا اور اس کی روٹیاں پکا کر درویشوں کے پاس لائے۔

حضرت گنج شکرؒ کے نکاح میں الغ خاں کی ایک لڑکی بی بی ہزیرہ بھی تھیں، جن سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ الغ خاں جب بادشاہ بن کر دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا، تو اُس سے گنج شکرؒ کی شانِ استغنا و بے نیازی بدستور قائم رہی۔ ایک بار اُن سے کسی نے غیاث الدین بلبن کے پاس کچھ سفارش کرانی چاہی، تو انہوں نے سفارش نامہ اس طرح لکھا:

"میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ اس کو کچھ دے دیں گے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے۔ اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ معذور ہوں گے۔"

اس استغنا کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ متوسلین کو بھی ارباب حکومت اور اصحاب ثروت سے دُور رہنے اور ان سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھانے کی ہمیشہ تلقین کیا کرتے تھے۔ شیخ بدرالدین غزنویؒ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے خلفاء میں تھے۔ دہلی میں ملک نظام الدین خریطہ دار نے ان کے لیے ایک خانقاہ بنوا دی تھی اور ان کی راحت کے لئے ہر قسم کا سامان مہیا کیا کرتا تھا کچھ دنوں کے بعد شاہی حکام نے ملک نظام الدین کو زرکثیر کے غبن کے الزام میں ماخوذ کر لیا جس سے شیخ بدرالدین کی راحت میں خلل واقع ہوا۔ انہوں نے حضرت شیخ فریدالدین کی خدمت میں ایک رقعہ تحریر کیا کہ شاہی عہدہ داروں میں میرا ایک معتقد ہے۔ اُس نے میرے واسطے خانقاہ بنوائی تھی اور فقیروں کی خاطر عمدہ طریقہ سے کرتا تھا۔ مگر اب وہ غبن کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ میری طبیعت پریشان ہے۔ مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ دُعا سے مدد فرمائیں کہ اس کی رہائی ہو اور درویشوں کا کاروبار سرانجام پائے۔ حضرت بابا گنج شکرؒ نے اس رقعہ کو پڑھا تو سر ہلایا۔ اور جواب میں تحریر فرمایا:

"عزیز الموجود کا رقعہ پہنچا۔ اس کے مطالعہ سے خوشی ہوئی اور جو کچھ اس میں

درج تھا آگاہی ہوئی۔ جو کوئی اپنی روش پر چلے گا وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہوگا۔ جس سے ہمیشہ بے چین رہے گا۔ آپ تو پیرانِ پاک کے معتقدوں میں ہیں پھر ان کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی اور اس میں کیوں بیٹھے۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ اور آپ کے پیر بے نظیر خواجہ معین الدینؒ کی روش اور عادت تو یہ نہیں رہی کہ اپنے لئے خانقاہ بنا کر دکان داری کریں۔ ان کا شیوہ تو گم نامی اور بے نشانی کا رہا۔"

اگر کسی شاہی ملازم سے کوئی واسطہ رکھتے تو اس کو پند و نصیحت کے ذریعہ راہ راست پر لانے کی کوشش فرماتے۔ حضرت گنج شکرؒ کے رشد و ہدایت سے جو فیوض جاری ہوئے، ان سے سلطان غیاث الدین بلبن خود بھی متاثر تھا اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ بلبن کا عہد نہ صرف سیاسی نقطۂ نظر سے ممتاز تھا، بلکہ اس زمانہ میں اتنے مشائخ عظام جمع ہو گئے تھے کہ مؤرخوں نے اس عہد کو خیر الاعصار لکھا ہے۔ حضرت گنج شکرؒ کے علاوہ شیخ الشیوخ شیخ بہاء الدین زکریاؒ، شیخ صدر الدین عارفؒ، شیخ بدر الدین غزنوی اور سیدی مولا کے انوار سے ہندوستان منور ہو گیا تھا۔ بلبن کو ان تمام اولیاء اللہ سے عقیدت تھی اور اسی عقیدت کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے لڑکے کو خاص طور پر تاکید کی تھی کہ

"قضات و حکام متقی و متدین نصب فرمائی تاکہ رواج دین و رونق عدل میان علائق پدید آید۔"

ترجمہ: قاضی اور سرکاری افسر متقی اور دیندار لوگوں میں سے مقرر کرو تاکہ شریعت کو فروغ ہو اور عدل و انصاف کا بول بالا ہو۔

حضرت گنج شکرؒ کی تصنیفات میں ان کے دو ملفوظات ہیں۔ راحت القلوب اور سیر الاولیاء۔ راحت القلوب کو خواجہ نظام الدینؒ اولیاء اور سیر الاولیاء کو حضرت بدر اسحاق نے مرتب کیا ہے۔ دونوں گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے۔

(راحت القلوب میں راہِ سلوک کی اساسی باتیں دی ہیں جو انیس الارواح، دلیل العارفین اور

فوائد السالکین میں پائی جاتی ہیں۔ مگر اس میں ملفوظات نسبتاً زیادہ ہیں۔ اس لئے ان سے بعض مسائل پر زیادہ روشنی پڑتی ہے)۔ اس کتاب کے آخری حصہ میں چشتیہ سلسلہ کے اوراد و وظائف اور ان کے فضائل و برکات کا ذکر ہے، جو مذکورہ بالا ملفوظات میں نہیں۔

شروع میں درویش کی مختلف صفات بتائی گئی ہیں۔ مثلاً درویش کی صفت پردہ پوشی اور خود فراموشی ہے۔ پردہ پوشی سے مراد خدا کے بندوں کی پردہ پوشی ہے۔ درویش کو چاہیئے کہ چار باتیں اختیار کرے۔ ۱۔ اپنی آنکھوں کو بند کرلے کہ خدا کے بندوں کے عیوب نہ دیکھ سکے۔ ۲۔ کانوں کو بہرہ کرے کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں، ان کو نہ سن سکے۔ ۳۔ زبان کو گونگی کرے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں اُن کو نہ کہہ سکے۔ ۴۔ پاؤں کو لنگڑا رکھے کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے تو وہ نہ جا سکے۔ اگر یہ باتیں اس کو حاصل ہوگئیں تو وہ درویش ہے ورنہ وہ دروغ گو ہے۔

جو درویش اس دنیائے دنی کی عزت و جاہ کا خواستگار اور دنیا کے لوگوں کے لطف و کرم کا خواہاں ہو، وہ درویش نہیں ہے بلکہ درویشوں کو بدنام کرنے والا اور طریقت کا مرتد ہے۔ جس درویش کے دل میں ذرہ برابر بھی دنیا کی دوستی ہوگی وہ مردود طریقت ہے۔ درویشوں کا طریقہ تحمل ہے اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اس کی گردن پر ننگی تلوار رکھے تو بھی اُس سے وہ خوش رہے اور اس کے لئے بددعا نہ کرے۔

درویش کا زہد تین چیزوں میں ہے۔ ۱۔ دنیا کا جاننا اور اس سے ہاتھ اٹھا لینا۔ ۲۔ مولا کی طاعت کرنا اور آداب کی رعایت رکھنا۔ ۳۔ آخرت کی آرزو اور اس کو طلب کرنا۔

حضرت گنج شکرؒ نے راہِ سلوک میں دل کی صلاحیت پر زیادہ زور دیا ہے اور اس کو سلوک کی اصل کہا ہے۔ یہ صلاحیت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے، جو لقمۂ حرام سے پرہیز کرتا ہے، اور اہل دنیا سے اجتناب کرتا ہے۔ ایک جگہ حضرت یحییٰ معاذ رازی کا قول نقل کرکے فرمایا ہے کہ حکمت اُسی کے دل میں قرار پا سکتی ہے جس کے دل میں دنیا کی حرص نہ ہو، رشک و حسد نہ ہو اور شرف و جاہ کی خواہش نہ ہو۔

حضرت گنج شکرؒ نے سماع کو راحتِ دل قرار دیا ہے۔ یہ اہلِ محبت کے دل میں حرکت

پیدا کرتا ہے۔ حرکت کے بعد حیرت، حیرت کے بعد ذوق اور ذوق کے بعد بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ اس بے ہوشی میں ایسا استغراق ہوتا ہے کہ اگر اس کے سر پر ہزاروں تلواریں چلیں تو بھی اس کو خبر نہ ہو اور یہی چار چیزیں معرفت کے اسباب بنتی ہیں۔

معرفت کی تعریف یہ کی ہے کہ جب تک کسی شخص کو اپنی معرفت حاصل نہیں ہوتی، وہ دوسروں کے پیچھے مبتلا رہتا ہے۔ لیکن جب اس کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت ہو جاتی ہے، تو پھر اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ اگر اس کے پاس ہزاروں فرشتے بھی آئیں، تو ان کی طرف کنکھیوں سے بھی نہ دیکھے اور اگر اس کو آنے کی خبر ہو جائے، تو وہ کاذب دروغ گو ہے۔

سیرالاولیاء میں بائیس فصلیں ہیں اور ہر فصل میں تصوّف کے مستقل موضوع پر حضرت گنج شکرؒ کے ارشادات ہیں، جس سے اس موضوع کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

شروع میں عشقِ الٰہی پر گفتگو ہے۔ حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ فقراء کا عشق الٰہی علماء اور اصحاب عقل کے عشق سے بالکل جدا ہے۔

آن عشق کہ بود کم نہ گردد — تا باشد ازان قدم نہ گردد

ترجمہ: وہ عشق کبھی کم نہ ہو اور جب تک وہ رہے اس سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ۔

عشقے کہ نہ عشق جاودان است — بازیچۂ شہوتِ جوان است

ترجمہ: وہ عشق جو جاوداں نہیں ہے، وہ نوجوانوں کی شہوت کا کھیل ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا ؎

سرّ یست مرا درون جان در عشقت — گر سر برود اے دوست نگویم باکس

سرّ یست عاشقان را در طاقت نہانی — پوشیدہ دار خود را تا آنجا خجل نمانی

ترجمہ: تیرا عشق میری جان میں ایک راز کی طرح ہے۔ اے دوست اگر میرا سر بھی چلا جائے تو کسی سے ذکر نہ کروں۔ تمہارا راز عاشقوں کی اندرونی قوت کا باعث ہے۔ خود کو پوشیدہ رکھو تاکہ ندامت نہ ہو۔

عشق میں عاشق اپنے معشوق کی طلب میں مجاہدہ کرتا ہے، جس سے اس کا مکاشفہ

ہوتا ہے۔ مکاشفہ کے بعد مشاہدہ یعنی معشوق کا دیدار ہے۔ اس مشاہدہ سے اس کا عشق اور بھی تیز ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ حجابات اٹھتے جاتے ہیں۔ اور عاشق ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے کہ وہ صرف عالم تحیّر میں رہتا ہے۔ (اسرار الاولیا، ص ۴۹)

راہِ عشق میں محبت کے سات سو مقامات ہیں۔ پہلا مقام یہ ہے کہ (معشوق) کی طرف سے جو بلا بھی نازل ہو، اس کو صبر و سکون سے عاشق برداشت کرے (ص ۵۱) اس راہ میں محبت کی کوئی غایت نہیں۔ (ص ۵۲) اور عاشق اپنے تمام اعضا کے ساتھ محبت معشوق میں مستغرق رہتا ہے۔ وہ اپنی آنکھوں سے صرف معشوق کو دیکھتا ہے۔ وہ اپنے کانوں سے صرف معشوق کی باتیں سنتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو صرف معشوق کے لئے حرکت دیتا ہے۔ وہ اپنی زبان سے صرف معشوق کا ذکر کرتا ہے۔ اور محبت میں وہی صادق ہے جو ہر لمحہ معشوق کے ذکر یعنی ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔ (ص ۵۱)

ذکر یعنی عبادتِ الٰہی سے عشق کی تکمیل ہوتی ہے۔ عبادتِ الٰہی میں ظاہر اور باطن کا یکساں ہونا ضروری ہے۔ عبادت سے اسرار الٰہی معلوم ہوتے ہیں، مگر ان کا ظاہر کرنا عشق کے منافی ہے۔

ایک جگہ فرمایا راہِ سلوک میں وہی بندہ صادق ہے جو رزق حاصل کرنے کے لئے پریشان خاطر نہ ہوتا ہو۔ اور اگر وہ اس کے لئے پریشان رہتا ہے، تو وہ بد دین اور بد دیانت ہے۔ رزق کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ رزقِ مقسوم ۲۔ رزقِ مذموم ۳۔ رزقِ مملوک ۴۔ رزقِ موعود

رزقِ مقسوم وہ رزق ہے جو روزِ ازل سے لوح محفوظ پر لکھ دیا گیا ہے۔ اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی۔ رزقِ مذموم وہ رزق ہے جو جتنا بھی زیادہ ملے اس پر قناعت نہ کی جائے۔ رزقِ مملوک وہ رزق ہے جو ضروریات کی کفالت کے بعد جمع کیا جائے۔ رزقِ موعود وہ رزق ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے اور اس کا ملنا ضروری ہے۔ راہ سلوک کی سچائی یہ ہے کہ سالک ہر قسم کے رزق سے بے غم رہے۔ اور اگر وہ رزق کے لئے اندوہگین ہوتا ہے، تو وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ خداوند تعالیٰ خود اس کا رزق اس کے پاس پہنچائے گا۔ پھر بھی اس کا توکل یہ ہونا چاہئے کہ اس کو جو کچھ بھی ملے

راہِ خدا میں دے دے۔ اگر وہ رزق جمع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تمام عنایتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

آگے چل کر ایک فصل میں گنج شکرؒ نے فرمایا کہ عاقل وہی شخص ہے جو دنیا کے تمام معاملات میں اللہ پر توکل کرتا ہے۔ توکل کی تشریح اس طرح کی ہے کہ متوکل کے ایمان میں خوف ورجا اور محبت ہو۔ خوف سے وہ گناہ کو ترک کرتا ہے اور رجا سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور محبت سے خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے تمام مکروہات سے باز آتا ہے۔

راہِ سلوک میں توبہ ایک اہم چیز ہے۔ گنج شکرؒ نے توبہ کی چھ قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ توبہ دل :۔ حسد، ریا، لہو و لعب اور تمام نفسانی لذت اور شہوت سے صدق دل سے باز آنا۔ اس سے دل کی تمام آلائش دور ہوتی ہے، جس کے بعد بندہ اور مولیٰ کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔ ۲۔ توبہ زبان :۔ ناشائستہ، بیہودہ اور ناروا کلمات زبان پر نہ لانا۔ زبان صرف خداوند تعالیٰ کے ذکر اور کلام پاک کی تلاوت کے لئے وقف ہونی چاہیئے عشق حقیقی میں وہی سالک ثابت قدم رہ سکتا ہے جس نے دل اور زبان کی توبہ سچائی سے کر لی ہو۔ زبان کی توبہ کے بغیر صرف دل کی توبہ سے وہ انوارِ عشق کی تجلی نہیں دیکھ سکتا ہے۔ آنکھ، کان، ہاتھ اور نفس زبان ہی کے تابع ہیں۔ اس لئے زبان کی توبہ سے یہ تینوں چیزیں بھی محفوظ رہتی ہیں ۳۔ توبہ چشم :۔ حرام چیز نہ دیکھنا کسی کا عیب نہ دیکھنا ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھنا۔ سالک جب مشاہدہ حق کر چکا ہو، تو پھر اس کو دنیا کی کسی چیز پر نظر نہیں ڈالنی چاہیئے۔ ۴۔ توبہ گوش :۔ ذکر حق کے سوا کوئی اور چیز نہ سننا۔ ۵۔ توبہ دست :۔ ناروا اور ناجائز چیزوں کو ہاتھ نہ لگانا ۶۔ توبہ پا : حرام چیزوں کی طرف نہ جانا۔ ۷۔ توبہ نفس : ماکولات، شہوات اور لذات سے باز آنا۔

اس تقسیم کے علاوہ توبہ کی تین تقسیم اور کی ہے۔

۱۔ توبہ حال ۲۔ توبہ ماضی ۳۔ توبہ مستقبل۔ حال کی توبہ گناہوں سے پشیمان اور نادم ہو کر باز آنا ہے۔ ماضی کی توبہ اپنے دشمنوں کو خوش کرنا ہے۔ اگر تائب نے کسی کا ایک درہم غصب کر لیا ہو تو اس کو دس درہم واپس کرنا چاہیئے۔ اگر اس نے کسی کو بُرا کہا

ہو، تو اُس کے پاس جا کر معافی مانگے۔ اور اگر وہ مرگیا ہو تو معذرت کی بجائے اُس کے نام سے غلام آزاد کرے۔ اور اگر شراب پیتا رہا ہو تو توبہ کے بعد خدا کے بندوں کو سرد اور لطیف پانی پلائے۔ مستقبل کی توبہ یہ ہے کہ تائب آئندہ تمام گناہوں سے پرہیز کرنے کے لئے عہد کرے۔

حضرت گنج شکرؒ نے اگلی دو فصلوں میں مرشد اور پیر کی خدمت اور تلاوت کلام پاک کی فضیلت کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ سات دن مشائخ اور پیروں کی خدمت، سات سو سال کی عبادت کے برابر ہے۔ کلام پاک کی تلاوت کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سے بہتر اور افضل تر کوئی عبادت نہیں۔ کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔

حضرت گنج شکرؒ نے صوفیوں کے لباس خرقہ، گلیم، صوف اور طاقیہ پر بھی بحث کی ہے۔ خرقہ، گلیم اور صوف کو انبیاء کا لباس بتایا ہے۔ اس لئے اس کی تعظیم و تکریم پر پورا زور دیا ہے۔ خرقہ پہننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں عالم سے قطع تعلق کرے۔ اس کے دل میں دنیا کی کوئی آلائش نہ ہو۔ اسی طرح صوف اور گلیم پہننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو جائے۔ اور اگر اس لباس کو اہل دنیا کے لطف و کرم کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ کذاب اور دروغ گو ہے۔

اسی سلسلہ میں تصوف اور صوفی کی بھی جستہ جستہ بحث آگئی ہے۔ گنج شکرؒ نے فرمایا کہ صوفی وہ ہے جس کے دل میں اتنی صفائی ہو کہ اس کی صفائی کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے۔

تصوف مولیٰ کی صفا دوستی کا نام ہے۔

اہل تصوف وہ ہیں جو ہر وقت خاموش اور عالم تحیر میں مستغرق رہتے ہیں۔

اہل تصوف ایک ایسی قوم ہیں کہ جب خدا سے پیوستہ ہو جاتے ہیں، تو پھر ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی خبر نہیں ہوتی۔

تصوف کا کمال یہ ہے کہ اصحاب تصوف ہر روز پانچوں وقت نماز میں اپنے کو عرش

پر دیکھیں۔

تصوف ایک اخلاق ہے۔اس لئے گنج شکرؒ نے ارباب تصوف کو اخلاقی ہدایتیں بھی دی ہیں۔مثلاً صوفی دنیا اور دنیا کے لوگوں سے بے نیاز اور مستغنی ضرور رہتا ہے۔مگر کسی حال میں وہ دنیا کی مذمت اور ہجو نہیں کرتا ہے۔وہ نہ اس سے محبت اور نہ اس سے عداوت رکھتا ہے۔

صوفی ایک مرشد سے وابستہ ہوتا ہے۔پیر سے اس کی ارادت اور بیعت عشق کے درجہ تک پہنچ جانی چاہیئے اور اس کے تمام احکام کو جان و دل سے بجالانا فرض ہے۔وہ تمام عمر اپنے پیر کو سر پر اٹھا کر حج کرتا رہے،تو بھی پیر کے حقوق کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہو سکتا ہے۔وہ صدق دل اور تعظیم سے اپنے مرشد کے تلووں کا بوسہ دیتا ہے،تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔حضرت گنج شکرؒ نے دوسرے علما اور مشائخ کی تعظیم پر بھی زور دیا ہے۔فرمایا کہ جو ان کو دوست رکھتا ہے،وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔صوفی کی زندگی اسی میں ہے کہ وہ ذکر حق میں مشغول ہوتا ہے۔وہ جب تک ذکر حق میں مستغرق ہو کر بے ہوش رہتا ہے تو وہ زندہ ہے اور جب ہوش میں آکر ذکر حق چھوڑ دیتا ہے،تو مردہ ہو جاتا ہے۔

حضرت گنج شکرؒ نے خواجگان چشت کے مسلک کے مطابق صوفی کو کشف کے اظہار سے منع کیا ہے اور یہ کہ وہ راہ سلوک کے تمام مقامات کو طے کرلے تو اس کے اظہار میں کوئی ہرج نہیں۔

آخر میں فرمایا ہے کہ راہ سلوک میں سالک پر جس قدر رنج،تکلیف،مصیبت نازل ہو گی وہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا جائے گا،کیونکہ اس کے ذریعہ سے وہ خدا کی طرف سے یاد کیا جاتا ہے۔چنانچہ خواجہ معین الدینؒ اپنے ایمان کی صحت اسی میں سمجھتے تھے کہ تکلیف میں اس کی زیادتی کی دعا کرتے تھے۔

حضرت بابا گنج شکرؒ کے ملفوظات نماز،روزہ،زکوٰۃ،حج اور دوسرے شرعی امور کے متعلق اس کثرت سے ہیں کہ یہ عاجز راقم اپنی کج بیانی کی بنا پر ان کو سمیٹ کر لکھنے سے

قاصر ہے۔ خود حضرت بابا صاحبؒ نے کسی حال میں بھی جادۂ شریعت سے تجاوز کرنا پسند نہیں فرمایا۔ عالمِ سکر میں ہوتے تو نماز کے وقت عالمِ صحو میں آجاتے۔ نماز کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ دینی و دنیاوی نعمت جو اٹھارہ ہزار عالم میں پیدا کی ہے وہ دراصل نماز ہے۔ نماز باجماعت کی بڑی پابندی کرتے اور اپنے مریدوں کو تلقین فرماتے کہ اگر دو آدمی بھی ہوں تو جماعت قائم کر لینی چاہیئے۔ روزے کی برکت کے لئے تمام عمر روزے رکھے۔ مریدوں اور معتقدوں کو ایک بار مخاطب کر کے فرمایا کہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے سے ہزار سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور روزہ دار کے نامہ اعمال سے بے شمار برائیاں نکال دی جاتی ہیں۔ زکوٰۃ کے متعلق فرمایا کہ شریعت کی زکوٰۃ تو یہ ہے کہ جب دوسو درہم ہوں تو پانچ درہم زکوٰۃ نکالے۔ لیکن طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسو درہم میں پانچ درہم تو اپنے لئے رکھے اور ۱۹۵ راہِ خدا میں دے دے۔ اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسو درہم میں ایک حبہ بھی اپنے لئے نہ رکھے۔

ایک موقع پر اپنے مریدوں کو ایک بزرگ کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب ایک آدمی تین باتوں سے اجتناب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے تین چیزیں اٹھا لیتا ہے۔ اوّل جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو اللہ اس کے مال سے برکت اٹھا لیتا ہے۔ دوم جو شخص قربانی نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اُس سے عافیت چھین لیتا ہے۔ سوم جو شخص نماز نہیں پڑھتا اللہ تعالیٰ مرنے کے وقت اس سے ایمان جدا کر دیتا ہے۔ آپ نے کئی بار حج کی بھی سعادت حاصل کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک جب کبھی آتا تو زار و قطار روتے۔ ایک بار آپؐ کی وفات کا ذکر خود ہی فرمایا تو جب بیان کر چکے تو آہ کھینچی۔ نعرہ مارا اور روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا، جس کے واسطے تمام عالم پیدا کیا گیا جب اُسی کو اس عالم سے اٹھا لیا گیا تو اور دوسرے ناچیز بندوں کی کیا حیثیت ہے، جو زندگی کی خواہش کریں۔ ہم اپنے کو جانے والوں ہی میں شمار کریں۔ غفلت کا پردہ درمیان سے اٹھا دیں اور زادِ راہ کی فکر میں لگے رہیں۔

بعض خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں :۔

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ	شیخ علاؤالدین علی احمد صابرؒ
شیخ جمال الدین قطبؒ	شیخ نجیب الدین متوکلؒ
شیخ داؤد پالہیؒ	سید امام علی لاحقؒ (سیالکوٹ)

شیخ برہان الدین محمودؒ ابی الخیر السعد البلخی (دہلی)

شیخ منتخب الدین چشتیؒ (دیوگیری)	سید محمد بن سید محمود کرمانیؒ (دہلی)

خواجہ علاؤالدینؒ بن شیخ بدرالدین (دیپال پور) شیخ زکریاؒ سندھی

شیخ برہان الدین ہانسویؒ	مولانا محمد مولہانیؒ
مولانا علی بہاریؒ	شیخ محمد نیشاپوریؒ
شیخ حمیدالدین مکانیؒ	شیخ شہاب الدین بلخیؒ

عصبارہ سیوستانیؒ

ان خلفاء سے تین سلسلے جاری ہوئے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے نظامیہ، شیخ علاؤالدین علی احمد صابرؒ سے صابریہ اور شیخ جمال الدین قطبؒ ہانسوی سے جمالیہ۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جمالیہ سلسلۂ نظامیہ میں مدغم ہو گیا۔

حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ

سلسلہ نسب
ابتدائی حالات
خلافت
قلندروں کے گروہ میں شرکت
حج و سیاحت
بادشاہوں کی عقیدت مندی
وفات

پورا نام شیخ فخرالدین ابراہیمؒ ہے۔ تاریخ گزیدہ میں سلسلۂ نسب یہ ہے۔
فخرالدین ابراہیم بن بزرجمہر بن عبدالغفار الجوالقی، مگر تذکرۂ دولت شاہ، مراۃ الخیال سیرالعارفین، مخزن الغرائب اور برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی شہریار مرقوم ہے۔ سیرالعارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ شیخ فخرالدین محمد شہریار بہاءالدین زکریاؒ کی بہن کے بیٹے یعنی بھانجے تھے۔ مگر بعض تذکروں میں ان کو شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کا بھانجہ بتایا جاتا ہے۔ ہمدان کے نواح میں قریہ کمجان (یا کونجان) میں پیدا ہوئے۔ صغرسنی میں کلام پاک حفظ کیا۔ ہمدان کے لوگ ان کی خوش گلوئی پر شیفتہ تھے۔

سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسہ سے معقولات و منقولات پڑھ کر فارغ ہو گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ ہمدان سے بغداد آئے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں رہ کر روحانی تعلیم پائی اور اُن سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ اُن کے پاس رہ کر برسوں عبادت و ریاضت کرتے رہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اسی مدّت میں ان کو عراقی کا تخلص عطا فرمایا اور ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ یہاں پہنچ کر حضرت شیخ بہاءالدین زکریاؒ کی خدمت میں آئے اور اُن کے فیضِ صحبت میں روحانی اور باطنی دولت سے مالا مال ہوئے۔ ایک دوسری روایت ہے کہ تعلیم سے فارغ ہو

کہ ہمدان کے مدرسہ میں درس دے رہے تھے کہ قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور مندرجہ ذیل غزل پڑھنے لگی ؎

ما رخت ز مسجد بخرابات کشیدیم | خط بر ورقِ زہد و کرامات کشیدیم
در کوئے مغاں در صفِ عشاق نشستیم | جام از کفِ رندانِ خرابات کشیدیم
از زہد و مقامات گزشتیم کہ بسیار | کاس تعب از زہد و مقامات کشیدیم

ان اشعار کو سن کر شیخ فخرالدین ابراہیم بے تاب ہو گئے اور ان پر ایک وجد طاری ہو گیا۔ قلندروں میں سے ایک قلندر اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا۔ اس کے حسن فانی کو دیکھ کر ان کے دل میں عشق حقیقی کی آگ بھڑک اٹھی، کپڑے پھاڑ ڈالے اور عمامہ سر سے اتار پھینکا اور اسی وقت فرمایا ؎

چہ خوش باشد کہ دلدارم تو باشی | ندیم و مونس و یارم تو باشی

ترجمہ: کیا ہی اچھا ہو اگر تو میرا دلدار، ساتھی، ہمدرد اور دوست ہو۔

اور پھر ان قلندروں کے ساتھ ہمدان سے چل کھڑے ہوئے اور عراق و عرب و عجم کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے۔ جب ملتان آئے تو قلندروں کے ساتھ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی خانقاہ میں قیام کیا۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی نظر اُن پر پڑی تو اُن کو صورت آشنا پایا اور اپنے مقرب خاص شیخ عمادالدین سے فرمایا:

"میں نے اس جوان میں پوری پوری استعداد پائی۔ اسے یہاں ہونا چاہیئے۔"

شیخ فخرالدینؒ عراقی نے بھی حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی طرف کشش محسوس کی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ:

"اس مقناطیس کی طرح، جو لوہے کو کھینچتا ہے، شیخ مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے شیخ مجھے قید کرے گا۔ یہاں سے بہت جلد چلے جانا چاہیئے۔"

چنانچہ ملتان سے دہلی چلے آئے۔ اور دہلی سے سومنات کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں سخت آندھی آئی۔ آندھی میں قلندر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ شیخ فخرالدین عراقی ساتھیوں سے چھوٹ کر ادھر اُدھر پریشان خاطر پھرتے رہے بالآخر ملتان کی طرف مراجعت کرنے کا

تہیہ کیا۔ وہاں پہنچے تو شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھتے ہی فرمایا:

"عراقی! از ما بگریختی!" (عراقی! کیا ہم سے بھاگ گئے تھے۔)

شیخ فخرالدین نے جواب میں کہا ۔

از تو نہ گریزد دِل من یک زمان ۔۔۔ کالبد را کے بود از جان گزیر

دایۂ لطفت مرا در بر گرفت ۔۔۔ داد بیش از مادرم صد گونہ شیر

ترجمہ:۔ میرا دل ایک لمحہ کے لئے بھی آپ سے نہیں بھاگتا جسم جان سے کیسے گریز کر سکتا ہے؟ آپ کے لطف و کرم نے مجھے بغل میں لے لیا ہے اور والدہ سے سو گنا بڑھ کر مجھے دُودھ عطا کیا ہے۔

شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ ان کو اپنی خلوت میں لے گئے، جہاں وہ دس روز تک چلّہ میں بیٹھے۔ گیارہویں روز ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ روتے تھے اور یہ غزل پڑھتے تھے ۔

نخستین بادہ کاندر جام کردند ۔۔۔ ز چشم مست ساقی وام کردند

چو بے خود خواستند اہلِ طرب را ۔۔۔ شراب بے خودی در کام کردند

برائے صید مرغ جانِ عاشق ۔۔۔ ز زلفِ فتنہ جویان دام کردند

بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود ۔۔۔ بہم بردند و عشقش نام کردند

چو خود کردند رازِ خویشتن فاش ۔۔۔ عراقی را چرا بدنام کردند

شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں نے چلّہ میں شیخ فخرالدین عراقی کو نغمہ سرائی کرتے دیکھا، تو مرشد کو اطلاع دی کہ ان چیزوں کی تو ممانعت ہے۔ پھر شیخ فخرالدین عراقی اس کے کیسے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مرشد نے فرمایا کہ

"شما را ازیں چیزہا منع است و او را منع نیست۔" (ترجمہ: تمہارے لئے یہ باتیں ممنوع ہیں اس کے لئے منع نہیں۔)

اس کے کچھ دنوں کے بعد شیخ عمادالدین شہر سے نکلے، تو ایک خرابات سے گزر رہے تھے کہ رندوں کو مندرجہ بالا غزل چنگ و چغانہ کے ساتھ پڑھتے سُنا۔ شہر سے واپس ہوئے

تو اپنے مرشد شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کو یہ واقعہ سنایا۔ مرشد نے یہ سُن کر شیخ فخرالدین عراقی کے متعلق فرمایا کہ:

"کارِ او تمام شد" (اُن کا کام تمام ہوگیا)

اور پھر شیخ فخرالدین عراقی کے پاس خلوت میں پہنچ کر ارشاد فرمایا:

"عراقی! مناجات در خرابات می کنی، بیرون آئی۔" (ترجمہ: عراقی! خرابات میں مناجات پڑھ رہے ہو، باہر آجاؤ۔)

شیخ عراقیؒ باہر آگئے۔ مرشد کے قدموں پر سر رکھ دیا اور دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے۔ مرشد نے اپنے دست مبارک سے ان کا سر اٹھایا اور سینہ سے لگایا۔ شیخ عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی جس کا مطلع یہ ہے ؎

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است | ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

(ترجمہ: جسے خرابات کے کوچے میں نیازمندی حاصل ہے، اس کی مستی اور ہوشیاری سب نماز میں شامل ہیں۔)

مرشد نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کر اُن کو پہنا دیا اور اسی مجلس میں اپنی صاحبزادی کو اُن کے حبالۂ نکاح میں دے دیا۔ شیخ عراقی اپنے مرشد اور خسر کی خدمت میں پچیس سال رہے۔ اسی اثناء میں اُن کے فرزندِ ارجمند شیخ کبیرالدین کی پیدائش ہوئی۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے اپنے وصال کے وقت شیخ فخرالدین عراقی ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا تھا، مگر شیخ فخرالدین عراقیؒ نے مرشد کی دیرینہ روایات کی پابندی نہ کی۔ وہ مغلوب الحال ہو کر اپنے جذبات کا اظہار شعر و شاعری کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے جس کو شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے مرید اپنے مرشد کے طریقے اور مسلک کے خلاف سمجھتے تھے۔ شیخ فخرالدینؒ نے یہ محسوس کیا تو اس منصب سے علیحدہ ہو کر عدن کی طرف روانہ ہوگئے۔ عدن کا سلطان اُن کی شہرت سُن چکا تھا اور ان کی شاعری کا معتقد تھا۔ چنانچہ وہ عدن پہنچے تو علماء و صلحاء کی معیت میں اُن کا شاندار استقبال کیا اور شاہی خانقاہ میں ٹھہرایا۔ ہر قسم کی خاطر و تواضع کی۔ حج کا موسم آیا تو شیخ فخرالدینؒ عراقی نے خانۂ کعبہ کی زیارت کرنے کا ارادہ ظاہر

کیا۔ سلطان ان کا اس قدر گرویدہ ہو گیا تھا کہ ان کی مفارقت گوارا نہ کی۔ مگر وہ خانہ کعبہ کی زیارت کے اشتیاق میں سلطان کی اجازت کے بغیر چپ چاپ عدن سے چل کھڑے ہوئے۔ سلطان کو ان کے جانے کی خبر ملی تو ان کی علیحدگی سے بے تاب ہو کر خود بھی عازم حج ہوا، مگر پھر لوٹ آیا اور بے انتہا مال و دولت کا نذرانہ اُن کی خدمت میں اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کے خادموں اور مریدوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

شیخ فخرالدین عراقیؒ مست و سرشار مکۂ معظمہ پہنچے۔ احرام باندھتے وقت انہوں نے ایک قصیدہ تحریر فرمایا جس کا مطلع یہ تھا۔

اے جلالت فرشِ عزت جاوداں انداختہ گوئے در میدانِ وحدت کامراں انداختہ

(ترجمہ: اے کہ تیرے جلال نے عزت کا فرش جاوداں بچھا رکھا ہے اور وحدت کے میدان میں کامیابی سے گیند ڈال رکھی ہے۔)

اور جب خانہ کعبہ پر ان کی نظر پڑی تو اس کے انوار و تجلّیات سے مسحور ہو کر ایک دوسرا قصیدہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

تعالیٰ من توحد بالکمال تقدس من تفرد بالجلال

جبذا صفۂ بہشت مثال کہ بود آسمانش صفِ نعال

(ترجمہ: بلند و برتر ہے وہ جو کمال میں بے نظیر ہے اور تقدیس ہے اُس کی جو جلال میں بے مثال ہے۔ اس بہشت جیسے چبوترے کے کیا کہنے کہ آسمان اس کے جوتوں کی صف میں ہے۔)

مدینہ منورہ پہنچے تو ان پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور ایک رات میں پانچ قصیدے کہے۔ ان قصیدوں کے صرف مطلعے ملاحظہ ہوں۔

(۱)

عاشقاں چوں بر درِ دل حلقۂ سودا زنند آتش سودائے جاناں در دل شیدا زنند

(ترجمہ: عاشق جب دل کے دروازے پر جنون کا کنڈا لگا دیتے ہیں، تو محبوب کے جنون کی آگ شیدا کے دل میں لگا دیتے ہیں۔)

(۲)

شہبازم و چو صید جہاں نیست درخورم
تاگر بود کہ از کفِ ایّام بر پرم

(ترجمہ: میں شہباز ہوں اور مجھے شکار کی طرح دنیا کی پرواہ نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں اچانک زمانے کی ہتھیلی سے اڑ جاؤں۔)

(۳)

اے رُخت مجمعِ خیال شدہ
مطلعِ نورِ ذوالجلال شدہ

(ترجمہ: اے کہ تیرا چہرہ خیال کا مرکز بن گیا ہے اور خدا کے نور کا مطلع ہو گیا ہے)

(۴)

راہ باریکست و شب تاریک و مرکب لنگ و پیر
اے سعادت رُخ نمائی و اے عنایت دستگیر

(ترجمہ: راستہ تنگ، رات سیاہ اور گھوڑا بوڑھا اور لنگڑا ہے۔ اے خوش بختی صورت دکھا! اے عنایت میری دستگیری کر۔)

(۵)

دل ترا دوست تر ز جان دارد
جان ز بہر تو در میان دارد

(ترجمہ: دل تجھے جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے اور تیری خاطر جان پیش کر رہا ہے۔)

مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو چکے، تو اقصائے روم کی سیاحت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ قونیہ پہنچ کر وہاں حضرت شیخ محی الدین عربیؒ کے خلیفہ اور سجادہ نشین حضرت شیخ صدرالدینؒ کی خدمت میں پہنچے۔ ان کی صحبت میں روحانی دلچسپی ہوئی تو ایک عرصہ تک قونیہ میں قیام پذیر رہے اور حضرت شیخ صدرالدین کی صحبت میں فصوص الحکم کا مطالعہ کیا جس کے بعد اپنی مشہور کتاب لمعات تصنیف کی۔ حضرت شیخ صدرالدینؒ نے اس کو پڑھ کر فرمایا کہ:۔

"اے فخرالدین عراقی سرِ سخن مرداں آشکارا کردی"۔ (ترجمہ: اے فخرالدین عراقی: تو نے مردانِ حق کی بات کا بھید ظاہر کر دیا ہے۔)

چنانچہ یہ کتاب اربابِ تصوّف کے حلقہ میں برابر مقبول رہی۔ ملّا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ

نے اشعۃ اللمعات اور مولانا صائن الدین علی ترکہ اصفہانی نے ضوء اللمعات کے نام سے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ صدر خاودی نے بھی اس کی شرح تحریر کی ہے۔ اور خود سیر العارفین کے مؤلف نے "لمعات" کی مدح ان الفاظ میں کی ہے۔

"ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ "لمعات" ایک قطرۂ سحاب فیض کا ہے، جو دریائے معرفت سے شیخ بہاء الدین ذکریا قدس اللہ سرہٗ العزیز کے فخر الدینؒ کی زبان پر ٹپکا"۔

یہ کتاب فصوص الحکم کے طرز پر لکھی گئی ہے اور اس میں بھی فصوص کی طرح اٹھائیس فصلیں ہیں۔ مے خانہ کے مؤلف کا خیال ہے کہ:

"لمعات بحقیقت لبّ فصوص است"۔ (ترجمہ: لمعات دراصل موتیوں سے پر ہے)

یہاں کے قیام کے زمانہ میں امیر معین الدین شیخ فخر الدین عراقی کا بے حد معتقد ہو گیا تھا۔ اس کا اصرار تھا کہ وہ کوئی جگہ انتخاب کر کے اپنے لئے خانقاہ بنالیں۔ پہلے تو انہوں نے اس کو پسند نہ کیا لیکن پھر توقات میں خانقاہ بنوالی۔ ایک بار امیر معین الدین کچھ نقد رقم لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا مگر انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ امیر معین الدین نے شکستہ خاطر ہو کر کہا کہ آپ مجھ سے نہ کوئی خدمت لیتے ہیں اور نہ میری طرف التفات فرماتے ہیں۔ شیخ نے ہنس کر جواب دیا کہ:۔

"اے امیر! مارا بزر نمی توان فریفت"۔ (ترجمہ: اے امیر ہمیں دولت پر فریفتہ نہیں کیا جاسکتا۔)

طبیعت میں وارفتگی تھی۔ اور اس وارفتگی کے عالم میں بعض اوقات ان کے حرکات و اعمال ارباب ظاہر کے لئے ناپسندیدہ ہو جاتے تھے۔ ایک روز امیر معین الدین ان کی قیامگاہ پر آیا، تو اُن کو وہاں نہ پایا۔ اُن کی تلاش میں باہر نکلا، تو دیکھا کہ کچھ لڑکے ان کے گلے میں رسّی ڈال کر اُن کو اِدھر اُدھر دوڑا رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے شیخ عراقی کی اس حرکت پر طنز بھی کیا۔ لیکن امیر معین الدین نے طنز و تشنیع پر توجہ نہ کی اور شیخ کی معیت میں ان کی قیام گاہ پر واپس آیا۔ اسی طرح شیخ ایک روز اپنی قیام گاہ سے باہر گئے، تو دو دن تک واپس نہ آئے۔ امیر معین الدین نے ہر طرف آدمی دوڑائے لیکن اُن کا کہیں پتہ نہ چلا۔ تیسرے روز خبر ملی کہ وہ پہاڑ کے دامن

میں مقیم ہیں۔ امیر معین الدین اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچا تو شیخ کی عجیب کیفیت دیکھی۔ وہ برہنہ پا و برہنہ سر برف کے تودوں میں رقص کر رہے تھے۔ ان کے جسم سے پسینہ جاری تھا اور اسی جذب کے عالم میں اشعار کہتے جاتے تھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے ؎

در جام جہاں نمائے اوّل شد نقش ہمہ جہان ممثّل

(ترجمہ: جام جہاں نما میں اوّل اوّل تمام وجودوں کا نقش بنایا گیا۔)

بڑی مشکل سے شہر کی طرف مراجعت کرنے کے لئے رضامند ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امیر معین الدین کے بُرے دن آ گئے۔ ارباب سلطنت اس سے برگشتہ ہو گئے۔ اور حکومت کی طرف سے اس کی املاک ضبط کر لی گئی۔ اس کو اپنی زندگی کی خاطر شہر کو بھی خاموشی سے چھوڑ دینا پڑا۔ مگر جب وہ شہر سے جانے لگا تو رات کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جواہرات کا ایک ذخیرہ پیش کر کے گزارش کی کہ ان جواہرات کو جس طرح چاہیں، خرچ کریں۔ مگر میرا لڑکا مصر میں مقید ہے، اگر ممکن ہو تو اس کی رہائی کی کوشش کریں۔ اس کو رہا کر کے اپنے پاس رکھیں اور اس کو ایک لحہ کے لئے اپنے سے جُدا نہ کریں۔ اس کو اپنا پرانا خرقہ بھی پہنائیں اور اس کو موقع نہ دیں کہ وہ اس خرقہ کو ضائع کرے۔ امیر یہ باتیں کہتے وقت اشکبار ہو رہا تھا۔ خود شیخ پر بھی گریہ طاری تھا۔ بالآخر شیخ کے پاؤں کو بوسہ دے کر وہ رخصت ہو گیا۔ شیخ نے جواہرات کو بطور امانت اپنے پاس رکھ لیا۔

امیر معین الدین کی معزولی کے بعد اس علاقہ کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد کی گئی۔ اس کی معیت میں مولانا امین الدین بھی تشریف لائے۔ توقات میں پہنچ کر مولانا امین الدین شیخ فخر الدین عراقیؒ سے بھی ملنے آئے۔ دونوں بڑی گرم جوشی سے ایک دوسرے سے ملے اور جب سیر و سلوک پر گفتگو شروع ہوئی، تو دونوں ایسے محو ہوئے کہ رات کا کافی حصہ گزر گیا۔ پھر بھی دونوں کی تشنگی باقی رہی۔ یہاں تک کہ تین دن گزر گئے۔ چوتھے روز مولانا امین الدین خواجہ شمس الدین سے ملے تو مؤخر الذکر نے تین دن کی مفارقت کی شکایت کر کے اپنے ملال کا اظہار کیا۔ مولانا امین الدین نے خواجہ شمس الدین کی دلجوئی کر کے فرمایا کہ شیخ فخر الدین عراقی کی صحبت میں تھا اور اُن سے ایسی باتیں سُنیں جو کسی سے عمر بھر نہ سنی تھیں۔ ان کی صحبت میں تین سال رہنا، یا تمام زندگی

رہنے کا موقع مل جاتا، تو بھی ان کی مفارقت گوارا نہ کرتا۔ مولانا امین الدین کی اس عقیدت مندی کو سن کر خواجہ شمس الدین کو بھی شیخ فخرالدین عراقی سے ملنے کا اشتیاق ہوا اور ان کو لانے کے لیئے خلعت کے ساتھ ایک اونٹ بھیجا۔ شیخ فخرالدینؒ عراقی جب قریب پہنچے تو خواجہ شمس الدین معزز لوگوں کے ساتھ اُن کے استقبال کے لیئے گیا۔ شیخ نے مولانا امین الدین کو دیکھ کر کہا: "ان ھی الا فتنتک" یعنی مجھ کو یہاں بلا بھیجنے میں تمہارا ہی فتنہ ہے۔ خواجہ شمس الدین اُن سے بڑی تعظیم کے ساتھ پیش آیا اور جب سلوک پر گفتگو شروع ہوئی، تو شیخ کی گفتگو میں اتنی تاثیر اور گرمی تھی کہ خواجہ شمس الدین کی آنکھوں سے بہت دیر تک بے اختیار آنسو جاری رہے۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد حاسدوں نے ارباب حکومت کے پاس مخبری کی کہ امیر معین الدین کی ساری دولت شیخ فخرالدینؒ عراقی کے پاس جمع ہے۔ مگر اُن کی گرفتاری سے پہلے خواجہ شمس الدین نے اُن کو اس کا موقع دیا کہ وہ توقات چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جائیں۔ چنانچہ وہ امیر معین الدین کی امانت کو لے کر دو آدمیوں کے ساتھ یثرب کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں سے مصر پہنچے۔ یہاں خانقاہ صالحیہ میں قیام کر کے امیر معین الدین کے لڑکے کی رہائی کی تدبیریں کیں، مگر کوئی صورت کارگر نہیں ہوئی، تو سلطان مصر کے دربار کے دروازے پر پہنچے۔ حاجبوں نے پہلے تو روکا، مگر پھر اندر جانے کی اجازت دے دی۔ سلطان کو دیکھ کر سلام کیا اور امیر معین الدین کی امانت اس کے سامنے رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے اُن کو دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ کوئی اعلیٰ پایہ کے بزرگ ہیں۔ چنانچہ اُس نے ان کو عزت سے بٹھایا اور جواہرات کی گٹھڑی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟ شیخ فخرالدینؒ عراقی نے جواب دیا کہ یہ امانت ہے۔ سلطان نے اس کو کھولنے کا حکم دیا اور بیش بہا جواہرات دیکھ کر متحیر ہوا۔ مزید تفصیل پوچھی، تو شیخ فخرالدینؒ عراقی نے ساری باتیں بتائیں۔ سلطان کو تعجب تھا کہ اس شخص نے جواہرات کو میرے سامنے لا کر تحفہ کے طور پر حاضر کر دیا ہے اور اپنے لیئے اس کو پسند نہیں کیا۔ شیخ کو نورِ باطن سے سلطان کے اس تعجب کا کشف ہو گیا۔ چنانچہ اسی وقت قرآن پاک کی اس آیت قل متاع الدنیا قلیل والاخرۃ خیر لمن اتقیٰ ولا تظلمون فتیلا کی تفسیر بیان فرمائی۔ سلطان ان کی تقریر سے متاثر ہو کر اپنی مسند سے نیچے اتر آیا اور شیخ کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ

گیا۔ اُن کی باتیں سنتا رہا اور ہر بات پر روتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان اس روز اتنا رویا کہ تمام عمر نہ رویا تھا۔

اُسی روز سلطان نے امیر معین الدین کے لڑکے کو قید سے رہا کرنے کا حکم جاری کیا اور اس کے ساتھ بہت ہی لطف وکرم کے ساتھ پیش آیا۔ غایت عقیدت میں اُس نے شیخ فخر الدینؒ عراقی کو سلطنت کا شیخ الشیوخ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ دوسرے دن اس منصب کے عطا کرنے کی تقریب میں تمام صوفیاء و علماء اور اکابر سلطنت کو مدعو کیا۔ اس دعوت پر دربار میں چھ ہزار صوفیاء جمع ہوئے۔ اور بڑے اعزاز کے ساتھ شیخ فخر الدینؒ عراقی کو خلعت اور طیلسان پہنایا گیا۔ اس کے بعد ایک جلوس مرتب کیا گیا جس میں صرف شیخ فخر الدینؒ عراقی گھوڑے پر سوار تھے اور باقی تمام صوفیاء، علماء اور امراء اُن کے رکاب میں پا پیادہ تھے۔ شیخ نے اپنی یہ عظمت اور توقیر دیکھی تو انہوں نے اپنے میں نفس کا استیلا اور غلبہ محسوس کیا۔ اس لئے اضطراراً طیلسان اور دستار کو اتار کر گھوڑے کی زین کے آگے رکھ لیا۔ کچھ دیر کھڑے رہ کر پھر دستار کو سر پر رکھ لیا۔ حاضرین یہ دیکھ کر ہنسے اور آپس میں کہنے لگے کہ ایسا دیوانہ اور مسخرہ شیخ الشیوخ کے منصب کے لئے کیوں کر موزوں ہو سکتا ہے۔ وزیر نے شیخ سے پوچھا یا شیخ لما فعلت ھذا (اے شیخ! آپ نے ایسا کیوں کیا) شیخ نے جواب دیا وانت ما تعرف الحال (آپ کو حال سے واقفیت نہیں) اور جب سلطان کو اس کی خبر ملی تو شیخ کو بلا کر اس واقعہ کے متعلق استفسار کیا۔ شیخ نے جواب دیا کہ:۔

"نفس بر من مستولی شدہ بود۔ اگر چنیں نکردمے خلاص نیافتمے بلکہ در عقوبت بماندمے"

(ترجمہ: نفس مجھ پر اس قدر غالب آ گیا تھا کہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو نجات نہ پاتا بلکہ عذاب میں مبتلا رہتا۔)

اس جواب کو سن کر سلطان کا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا اور شیخ کے وظیفے میں مزید اضافہ کر دیا۔ مگر شیخ کی طبیعت کی بے قراری اور مزاج کی آشفتگی بدستور سابق قائم رہی۔ وہ بازاروں، سڑکوں اور گلیوں میں بلا تکلف گھومتے نظر آتے تھے۔ اس بے تکلفی میں ان سے بعض ایسی باتیں سرزد ہو جاتیں جو درویشی اور مشیخت کے لئے ناموزوں ہوتیں۔ پھر بھی ان سے لوگوں کی

عقیدت مندی قائم رہی۔ سلطان نے حکم دے رکھا تھا کہ وہ ان کے پاس جس وقت بھی تشریف لانا چاہیں، ان کی مزاحمت نہ کی جائے۔ چنانچہ اگر وہ حرم یا خواب گاہ میں بھی ہوتا تو فوراً قدم بوسی کے لئے حاضر ہو جاتا۔ کچھ روز کے بعد شیخ کی طبیعت مصر سے گھبرا گئی تو دمشق کی طرف جانے کا قصد کیا۔ سلطان نے روکنا چاہا مگر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، جس کے بعد سلطان نے شام کے ملک الامراء کو ان کے استقبال اور پذیرائی کے لئے لکھا۔ چنانچہ اس نے تمام علماء و مشائخ کے ساتھ ان کا پُر جوش خیر مقدم کیا۔ یہاں ان کے قیام کے چھ مہینے کے بعد ان کے فرزند شیخ کبیر الدین ہندوستان سے ملنے آئے۔ بیٹے کے آنے کے کچھ دنوں کے بعد ان کے چہرے پر دموی ورم ظاہر ہوا جس سے وہ پانچ روز تک سو نہ سکے اور یہی عارضہ ان کے لئے مرض الموت ثابت ہوا۔ موت کے وقت اپنے بیٹے شیخ کبیر الدین کو پاس بلایا اور یہ آیت پڑھی :-

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۙ وَ	جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی سے
اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ۙ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ	اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے
بَنِیْهِ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ	اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے
یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ؕ (عبس)	بھاگے گا۔ ان میں ہر شخص کو ایسا
	مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔

اس کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے عالم جاودانی کو سدھارے۔ وفات کے وقت سن شریف اٹھاسی سال تھا۔ مے خانہ اور نفحات الانس میں سن وفات ۶۸۸ھ ہے۔ تاریخ گزیدہ میں ۶۸۶ھ اور تذکرۂ دولت شاہ میں ۶۸۶ھ مرقوم ہے۔ مگر اول الذکر سن ہی صحیح سمجھا گیا ہے۔ ان کے مزار کے متعلق نفحات الانس میں ہے :-

"آپ کی قبر شیخ محی الدین ابن عربی قدس اللہ تعالیٰ کے مرقد کے پیچھے دمشق میں محلہ صالحیہ میں ہے۔ اور آپ کے فرزند کبیر الدین رحمۃ اللہ علیہ آپ کی قبر کے پہلو میں ہیں۔"

تذکرہ دولت شاہ میں ہے :-

"آپ کا مرقد مبارک جبل الصالحیہ میں ہے اور آپ حضرت قدوۃ العارفین شیخ الشیوخ العالم

ہادی الخلائق والامم شیخ محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے قدموں میں آرام فرما ہیں۔"

سیر العارفین میں ہے :۔

"قبر اُن کی برابر مزار شیخ محی الدین عربی کے ہے۔ چنانچہ یہ فقیر جمالی بھی وہاں جاکر زیارت سے فیض یاب ہوا ہے۔ محلہ مشہور صالحیہ دمشق میں مزار اُن کا واقع ہے اور اس دیار کے زائر دونوں مزاروں کی نسبت الفاظ سے یوں کرتے ہیں کہ ہذا بحر العرب یعنی یہ قبر شیخ محی الدین عربی کی، سمندر پر فیض عرب شریف کا ہے اور نسبت قبر شیخ مولانا فخرالدین کی کہتے ہیں، ہذا بحر العجم یعنی یہ سمندر عجم کا ہے، بڑا فیض پہنچانے والا۔ اور قبر شیخ اوحد الدین کرمانی کی بھی اسی متبرک جگہ پر ہے۔"

شیخ فخر الدینؒ عراقی کی تصانیف میں لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان بھی ہے۔ مثنوی کا نام برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں عشاق نامہ درج ہے۔ میخانہ میں مثنوی کا نام مرقوم نہیں ہے۔ کہیں کہیں اس کا ذکر آیا ہے۔

ان کا دیوان چھپ گیا ہے۔ غزلوں کے کچھ اشعار اور رباعیات ملاحظہ ہوں :۔

بیا اے دیدہ تا یک دم بگرییم | نیم چون خوش دل و خرم بگرییم
گہے از درد بے درماں بنالیم | گہے از زخم بے مرہم بگرییم
نشد جان محرم اسرار جانان | بران محروم نامحرم بگرییم
عراقی را کنون ماتم بداریم | بران مسکین درین ماتم بگرییم

چہ کردہ ام کہ دلم از فراق خون کردی | چہ اوفتاد کہ دردِ دلم فزون کردی
ہمہ حدیثِ وفا و وصال می گفتی | چو عاشق تو شدم قصہ باژگون کردی
بہ سوختی دل و جانم گداختی جگرم | بہ آتش غمت از بسکہ آزمون کردی
سیاہ روئے دو عالم شدم کہ در خم فقر | گلیم بخت عراقی سیاہ گون کردی

دست از دلِ بے قرار شستم　　واندر سرِ زلفِ یار بستم
بیدل شدم وز جان بیک بار　　چون طرۀ یار بر شکستم
گویند چگونہ؟ چہ گویم؟　　هستم زغمش چنانکہ هستم
ساقی قدحے کہ از مے عشق　　چون چشم خوش تو نیم مستم
در دامِ بلا فتادہ بودم　　هم طرۀ او گرفت دستم
شد نوبت خویشتن پرستی　　آمد گہِ آنکہ مے پرستم
فارغ شوم از غم عراقی　　از زحمتِ او چو باز رستم

در میکدہ می کشم سبوے　　باشد کہ بیابم از تو بوے

اے دوست الغیاث کہ جانم بسوختی　　فریاد کز فراق روانم بسوختی
دانم کہ سوختی زغمِ عشقِ خود مرا　　لیکن ندانم این کہ چسانم بسوختی

رُباعی

گل صبحدم از باد برآشفت و بریخت　　با بادِ صبا حکایتے گفت و بریخت
بد عہدی عمر بین کہ گل در دہ روز　　سر بر زد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت

رُباعی

یارب تو بجود مرا توانگر گردان　　واز ہرچہ خبر از تست دلم برگردان
آمیختہ شد مس وغل با نقدم　　آخر نظرے مس را زر گردان

حضرت شیخ امیر حسینیؒ

اسم گرامی و وطن
بیعت
وفات
تصانیف

حضرت شیخ امیر حسینی کا اسم گرامی نفحات الانس میں حسین بن عالم بن ابی الحسین، تذکرہ دولت شاہ میں حسین بن عالم بن الحسن الحسینی، تاریخ فرشتہ میں صرف امیر حسین بن نجم الدین شاہ، اودھ کے کتب خانہ کی فہرست میں امیر کبیر الدین حسینی بن عالم بن ابوالحسین حسینی ہے۔ مگر سیر العارفین میں پورا نام شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین المعروف بہ سید حسین ہے۔ معلوم نہیں سیر العارفین کے مؤلف نے اتنے مختلف نام کیوں تحریر کئے ہیں۔ ممکن ہے یہ القاب ہوں۔

آپ "غور" کے ایک گاؤں گزیو کے رہنے والے تھے۔ بعد میں ہرات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اس لئے نام کے ساتھ ہروی بھی پایا جاتا ہے۔

"تذکرہ دولت شاہ اور آتش کدہ میں ہے کہ وہ شیخ شہاب الدینؒ سہروردی کے مرید تھے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ نفحات الانس میں ہے۔

"از کتاب وی کنز الرموز چناں متبادر می شود کہ وی مرید شیخ بہاؤالدین زکریاؒ است۔"

(ترجمہ: ان کی کتاب کنز الرموز سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے مرید تھے۔)

لطائف الاشرفی میں یہ بھی ہے کہ "حضرت قدوۃ الکبری می فرمودند کہ از بعض مردم ملتان چناں استماع افتاد کہ حضرت میر حسینی را نیز حضرت شیخ یک دختر خود را بعقد نکاح در آوردہ اند۔"

اگرچہ نفحات الانس کے مؤلف ملا عبدالرحمٰن جامی یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ بعض کتابوں

میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ حضرت امیر حسینی، شیخ ابوالفتح رکن الدین بن شیخ صدرالدین ابن شیخ بہاءالدین ذکریاؒ کے مرید تھے۔ مگر اس سلسلہ میں سیرالعارفین کے مؤلف کا بیان واضح ہے۔ "شیخ بہاءالدین زکریاؒ کے ذکر میں ہے کہ" ایک مرید منجملہ مریدان صادق العمل والقول کے شیخ صدرالدین احمد بن نجم الدین ہروی بھی ہیں، جو سید حسین کے نام سے بھی مشہور و معروف ہیں۔ ان کی تصنیفات نثر و نظم میں بکثرت مقبول و مشہور خاص و عام ہیں۔ نثر میں نزہت الارواح اور طرب المجالس، نظم میں زادالمسافرین اور کنزالرموز بمقام ملتان شیخ بہاءالدین کی خدمت میں رہ کر وہیں تصنیف کیں اور شیخ بہاءالدینؒ نے کتب مذکورہ کا مطالعہ فرماکر مصنف کی تحسین و آفرین کی۔ چنانچہ اپنے زمانہ میں نواحی خراسان میں علم معرفت و طریقۂ درویشی میں سید صاحب بے نظیر و بے ہمتا گزرے ہیں۔ اور ریاضت عظیم فرماتے تھے۔ اوّل مرتبہ ملتان میں اپنے پدر بزرگوار سید نجم الدین کے ہمراہ بسبیل تجارت آئے تھے اور بہاءالدین زکریاؒ کی خدمت میں فیض یاب ہوتے لیکن بوجہ زعم علم و کمال مرید نہ ہوئے تھے۔ مگر پدر بزرگوار کی وفات پر دفعتاً ترک تعلق دنیائے دنی کر کے آزادی اور خداطلبی اختیار کی اور اپنا تمام مال و اسباب فی سبیل اللہ مساکین و فقراء پر ایثار کر کے ملتان آئے اور بصدق عقیدت شیخ بہاءالدین زکریاؒ کے مرید ہو گئے۔ تین برس تک پیر کی خدمت میں رہ کر بڑی بڑی ریاضتیں کر کے کمالات و کرامات سے مالا مال ہوئے۔ مزار سید صاحب موضع ہری میں واقع ہے۔ اس دیار کے لوگ ان کی زیارت کے واسطے دوشنبہ کے دن جایا کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ ان کا مرقد منور زائروں کے جسم بے جان میں روح تازہ بخشتا ہے۔ عجب دل کشا اور جاں فزا مقام ہے۔ جن ایام میں یہ ضعیف جمالی مقام ہری میں پہنچا تھا، اس وقت مولانا عبدالرحمٰن جامی اور مولانا عبدالغفور بھی سید صاحب کی زیارت کے واسطے تشریف لائے تھے۔ بعد حصول زیارت ہم سب نے مل کر نماز ظہر و عصر ادا کی تھی اور بہت کچھ فیض حاصل کیا تھا۔"

نفحات الانس میں ہے کہ حضرت امیر حسینیؒ نے ۱۶۔ شوال ۷۱۸ھ میں وفات پائی۔ تذکرہ دولت شاہ میں سال وفات ۷۱۹ھ ہے لیکن اودھ کے کتب خانہ کے کیٹلاگ کا بیان ہے کہ ان کی تصنیف زادالمسافرین میں حسب ذیل شعر درج ہے ؎

در ہفت صد و بست و نہ ز ہجرت   گشت آخر ایں کتاب خدمت

اس لحاظ سے آپ ۷۲۹ھ تک بقید حیات تھے۔

ان کے علمی تبحر کے ان کے معاصرین بھی معترف تھے۔ چنانچہ ان کے ظاہری و باطنی علوم کی وجہ سے شیخ فخر الدینؒ عراقی اور شیخ اوحدی ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ تذکرہ دولت شاہ میں ان کی مدح سرائی ان الفاظ میں کی گئی ہے:-

"سالک مسالک دین و عارف اسرار الیقین است و در کشف رموز حقائق و دقائق کنز معانی بوده و در فضیلت و علوم جنید ثانی۔ خاطر پُر نور او گلشن راز و طوطی نطق او عندلیب خوش آواز۔"

(ترجمہ: وہ دین کے طریقوں کے سالک، یقین و اسرار کے عارف، حقیقتوں اور باریک رمزوں کی دریافت میں معانی کا خزانہ اور بزرگی اور علوم میں جنید ثانی تھے۔ ان کا پُر نور دل گلشن راز تھا اور ان کے نطق کا طوطی بلبلِ خوش نوا۔)

ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-

۱۔ نزہت الارواح ۲۔ الازواح ۳۔ صراطِ مستقیم ۴۔ طرب المجالس

۵۔ زاد المسافرین ۶۔ کنز الرموز ۷۔ سوالات و گلشن راز ۸۔ دیوان

یہ تمام کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ امیر حسینی کے دیوان کے متعلق مولانا عبد الرحمٰن جامی رقمطراز ہیں "مر او را دیوان اشعار است بغایت لطیف۔" (ترجمہ: پھر آپ کا ایک دیوان ہے جو لطیف اشعار پر مشتمل ہے۔)

کتب خانوں کی مختلف فہرستوں میں ان تصانیف پر جو تبصرہ نظر سے گزرا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان تمام تصنیفات کا موضوع معرفت، سلوک و طریقت ہے۔ نزہتہ الارواح کے متعلق لطائف الاشرفی میں ہے۔

"لمعات حضرت فخر الدینؒ عراقی و نزہتہ الارواح حضرت امیر حسینیؒ بشرف منظر شیخ (یعنی حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی) در آوردند۔ فرمودند کہ لمعات بہ نسبت خاص واقع شدہ و نزہتہ الارواح ہم خاص و ہم عام بر حسب حیثیت خود بہرہ بُرد اما لمعات لمعۂ دیگر دارد۔"

زاد المسافرین کے متعلق ہم جو کچھ معلومات فراہم کر سکے ہیں ان کو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:۔

مثنوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ شانہٗ سے ہوتا ہے۔ پروردگارِ عالم کی نعمتوں اور رحمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے دنیا داروں کو اس طرح خطاب کیا جاتا ہے:۔

بشنو پسرا بیان حالت | علم وحد لست قیل وقالت
علمے کہ خدائے دان شوی تو | اینست کجا ہمی دوی تو
آن علم طلب کہ با تو ماند | وآن دم کہ ترا ز تو رہاند
آن علم فریضہ تا بخوانی | تحقیق صفاتِ حق نہ دانی
اے طبع وہوا معلّم تو | تا کجا لبد ولا تسلّم تو
خود را بگذرت کردہٗ گرم | آخر ز خدا نبایدت شرم
از خود بخدا مرو بتاویل | تشبیہ مکن بوجہ تمثیل
زنہار بحجت قیاسی | عزہ مشوی بحق شناسی

اس کے بعد مقالات شروع ہو جاتے ہیں، جن میں جا بجا متعدد حکایات بھی ہیں۔ پہلا مقالہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس اور سالک کو ریاضت ومجاہدہ کی تلقین وتشویق میں ہے اس میں بھی خطیبانہ رنگ اور واعظانہ اندازِ بیان قائم ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ہندو کہ ہمیشہ بت پرستد | ہر صبح دمات می فرستد
جز ذکر تو نیست در زبانش | زنار وفاست در میانش
این جملہ ز دین وملتِ خویش | جز نیز غمت ندیدہ در کیش

دوسرے مقالہ میں فضیلت اشرف انسانی پر بحث ہے۔ اس میں فارسی زبان کی سلاست ولطافت کے ساتھ ساتھ بعض غیر معمولی عربی الفاظ یا نامانوس کلمے بھی کہیں کہیں آ گئے ہیں اس کی پہلی حکایت ملاحظہ ہو۔

موسیٰ ز مئی فراق مخمور | مستانہ دوید بر سرِ طور
گفت اے ز تو بود ہر چہ بودہ | ما را بتو ہم تو رہ نمودہ

گر نزد منی کجات جویم — تا با تو حدیثِ خویش گویم
در دورِ تری بر آرم آواز — باشد کہ بخود درم کنی باز
بشنوز ز ہا تفے جوابے — کے از تو بہ پیش تو نقابے
این جانے حوالہ غیست بگذار — من با توام از خودم طلب دار
افتادن مہرہ ہا ششش ور — این جا بود اے حریف بنگر
شاہانِ جہان وزین خیالات — بر نطع غمند جملگے مات
از غایت قرب دور دور است — ہر مرغ بہ دانہ صبور است
این آتش ما چگو نہ میرد — کین درد دوا نمی پذیرد
یاد آر ز خود کہ غیبت باوت — بے شرم کسے کہ شرم بادت

تیسرا مقالہ طریقت اور سلوک کی کیفیت میں ہے۔ چوتھا ارشاد و معاملت پر ہے۔ اس میں کئی حکایتیں ہیں۔ پانچویں مقالہ میں عشق اور اس کے مرتبہ کا بیان ہے۔ چھٹا مقالہ معرفت نفس انسانی اور اس کی صفت میں ہے۔ ساتویں میں معرفت کا بیان اور اس کی تحقیق ہے۔ آٹھویں مقالہ کا عنوان ہے "در بیان حال شرف باد شرف می رسد" یہ مقالہ دیگر مقالوں سے کچھ زیادہ طویل اور تمثیلات سے معمور ہے، اور اسی پر چند در چند مواعظ و نصائح و مخاطبات کے ساتھ مثنوی ختم ہو جاتی ہے۔ اس مثنوی میں ۱۴۵۶ اشعار ہیں۔ اس کی مقبولیت اور اہمیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کا ایک بڑا حصہ "تذکرہ دولت شاہ" اور "آتش کدہ" میں بھی ہے۔

کنز الرموز میں امیر حسینی نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ اور ان کے فرزند ارجمند شیخ صدر الدین کی مدح میں بھی اشعار لکھے ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

ولادت
ابتدائی تعلیم
مرشد کی دُعا
خلوت در انجمن
امراء کی آمد و رفت
امیر خسرو سے والہانہ لگاؤ
دربار شاہی سے بے نیازی
نگاہِ کیمیا اثر کا فیضِ عام
دربار شاہی کی اصلاح
مسئلہ سماع میں مناظرہ
مجاہدہ و ریاضت
جود و سخا
مخالفین سے حسن سلوک
ملفوظات
خلفاء

(اسم گرامی محمد، القاب محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سُلطان الاولیاء، سُلطان السلاطین اور نظام الدین اولیاء تھے۔)

ان کے والد بزرگوار سید احمد بن دانیال بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آئے پھر وہاں سے بدایون آکر سکونت پذیر ہوئے۔ اور اسی شہر میں (ماہ صفر ۶۳۴ھ) میں خواجہ نظام الدین اولیاء کی ولادت باسعادت ہوئی۔

پانچ سال کے تھے تو والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اپنی والدہ ماجدہ کے زیر تربیت پرورش پائی، جو بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ (ابتدائی تعلیم بدایون کے مکتب میں ہوئی)۔ مزید تعلیم کے لئے اپنی والدہ کے ساتھ دہلی آگئے، جو اس وقت علماء و فضلاء کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ ان میں فضل و کمال کے اعتبار سے مولانا شمس الدین دامغانی بہت ممتاز تھے۔ بلبن ان کا بے حد قدردان تھا۔ چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں اُس نے ان کو "شمس الملک" کا خطاب دیا اور "مستوفی ممالک" کے عہدہ پر مامور کیا۔

اس عہدہ سے پہلے درس و تدریس کے لئے مشہور تھے۔ اس لئے خواجہ نظام الدین رح نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ مولانا شمس الدین دامغانی نے بھی اُن کی طرف غیر معمولی توجہ کی۔ وہ عزیز شاگردوں کو اپنے حجرہ میں بلا کر درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ شرف اُن کے تین شاگردوں قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبدالباقی اور خواجہ نظام الدین رح کو حاصل

تھا۔ مولانا شمس الدین کا کوئی شاگرد جب درس سے غائب ہوتا، تو جب وہ آتا تو اُس سے مذاق سے پوچھتے کہ میں نے تمہاری کیا خطا کی تھی جو تم درس میں حاضر نہ ہوئے۔ بتا دو تاکہ میں پھر وہی قصور کروں اور تم آئندہ بھی حاضر نہ ہو سکو۔ لیکن جب خواجہ نظام الدینؒ کا درس ناغہ ہو جاتا اور وہ استاد کی خدمت میں پہنچتے تو اُن کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتے ؎

بارے کم از آنکہ گاہ گاہے　　آئی و بما کنی نگاہے

(ترجمہ: تم بہت ہی کم یا پھر کبھی کبھی آکر مجھ پر نظر ڈالتے ہو۔)

(خواجہ نظام الدینؒ نے مولانا کمال الدین زاہد سے "مشارق الانوار" کا درس لیا۔ مولانا کمال الدین اپنے عہد کے جید عالم، بڑے متقی اور متدین بزرگ تھے۔ سلطان بلبن نے ان کے تقویٰ، دیانت اور کمال علم کی شہرت سن کر اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول کریں تو کیا عجب کہ اس امامت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری نمازیں قبول ہوں۔ لیکن مولانا کمال الدین نے بڑی بے نیازی سے سلطان کو جواب دیا، کہ میرے پاس نماز کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ آپ اس کو بھی مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ سلطان نے یہ جواب سن کر معذرت کر کے مولانا کو واپس بھیج دیا۔ (خواجہ نظام الدینؒ نے انہی سے حدیث پڑھی اور اس علم میں بڑا پایہ حاصل کیا۔ اپنے مرشد بابا گنج شکرؒ سے عوارف المعارف اور تمہید ابوشکور سالمی پڑھی تھا۔

خواجہ نظام الدینؒ دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں رہتے تھے۔ اس کے قریب ہی خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کا مکان تھا جو ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور تھے۔ ان کی صحبت میں خواجہ نظام الدینؒ کے دل میں بابا فرید گنج شکرؒ کی ملاقات اور دیدار کا شوق پیدا ہوا۔ ایک رات شہر کی جامع مسجد میں مقیم تھے۔ صبح کے وقت مؤذن نے منارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی:-

الم یان للذین آمنوا ان تخشع	کیا اس کا وقت نہیں آیا ہے کہ جو لوگ
قلوبھم لذکر اللہ۔ (حدید-۲)	ایمان لائے ہیں اُن کے دل اللہ کے
	ذکر سے اُس کی خشیت سے جھک جائیں۔

اس کو سن کر اُن پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور بابا فرید گنج شکرؒ کی زیارت کو اٹھ کھڑے ہوئے اور جب اجودھن پہنچے تو بابا صاحب نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ　　　سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(ترجمہ: تیرے فراق کی آگ نے دلوں کو کباب بنا دیا ہے۔ تیرے اشتیاق کے سیلاب نے رُوح کو خراب کر دیا ہے۔)

اور اسی وقت کلاہ چہار ترکی سر سے اتار کر اپنے مرید کے سر پر رکھ دی۔

خواجہ صاحب اپنے پیر دستگیر کی صحبت میں ۱۵ رجب ۶۵۵ھ سے ۳ ربیع الاوّل ۶۵۶ھ تک تعلیم و تربیت پاتے رہے۔ بابا شکر گنجؒ کی خانقاہ میں تمام درویشوں کی زندگی بڑی عسرت، تنگی اور فاقہ میں گزرتی تھی۔ مولانا بدر الدین اسحاق لنگر خانہ کے لئے ایندھن کی لکڑیاں لاتے۔ شیخ جمال الدینؒ ہانسوی جنگل جا کر ویلہ لایا کرتے۔ یہ ایک قسم کا پھل تھا، جس کا عام طور سے نمک اور سرکہ ملا کر اچار بناتے تھے۔ حسام الدین کابلیؒ پانی بھر کے لاتے اور باورچی خانہ کے برتن دھویا کرتے۔ خواجہ نظام الدینؒ ویلوں کے پکانے کی خدمت اپنے ذمہ لیتے۔ ویلے میں ڈالنے کے لئے نمک کبھی میسّر ہوتا اور کبھی نہیں۔ جب کہیں سے کوئی غیبی مدد مل جاتی تو پڑوس کے بقّال کے یہاں سے مسالہ خرید لیا جاتا۔ ایک روز نمک نہ تھا، خواجہ نظام الدینؒ نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقّال سے ادھار لے لیا اور ویلہ پکا کر مرشد اور درویشوں کے سامنے لے گئے۔ مولانا بدر الدینؒ اسحاق، شیخ جمال الدینؒ ہانسوی اور خواجہ نظام الدینؒ ایک ہی پیالہ میں ساتھ کھاتے تھے۔ جب بابا فرید گنج شکرؒ نے لقمہ اٹھانے کے لئے پیالہ میں ہاتھ ڈالا، تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی اور لقمہ اٹھا نہ سکے۔ فرمایا کہ

"ازیں بوئے اسراف می آید" (اس سے اسراف کی بو آتی ہے۔)

اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لا کر ڈالا گیا ہے۔ خواجہ نظام الدینؒ نے لرزہ براندام ہو کر عرض کی، قرض کا ہے۔ بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آ جائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذتِ نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں۔ قرض اور توکل میں بُعد المشرقین ہے۔ اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آ جائے، تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی

رہے گی۔ یہ کہہ کر پیالوں کو غربا میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا۔ خواجہ نظام الدینؒ کا خود بیان ہے کہ اسی وقت انہوں نے دل میں قرض لینے سے توبہ و استغفار کی۔ مرید کی اس توجہ کا کشف مرشد کو ہوا تو جس بکلی پردہ بیٹھے تھے، اس کو عطا کر کے ارشاد فرمایا کہ انشاءاللہ آئندہ تم کو قرض کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔ جب خواجہ صاحبؒ دہلی واپس ہونے لگے، تو مرشد نے ان کو دو باتیں کی نصیحت فرمائی۔ ایک یہ کہ اگر کسی سے قرض لینا تو اس کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرنا۔ دوسرے اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی سعی کرنا۔ چنانچہ جب خواجہ صاحبؒ دہلی واپس آئے تو ایک عزیز کے پاس پہنچے جس سے انہوں نے ایک کتاب مستعار لی تھی اور وہ گم ہو گئی تھی۔ اُن سے فرمایا کہ میری نیت صادق ہے۔ کاغذ مہیا کر کے آپ کی کتاب لکھ کر آپ کے حوالہ کروں گا۔ وہ عزیز یہ سن کر ایسے متاثر ہوئے کہ کتاب مذکور خواجہ صاحبؒ کو بخش دی۔ وہاں سے خواجہ صاحبؒ ایک بزاز کے پاس آئے، جس سے کسی وقت بیس ٹنکے کا کپڑا ادھار لیا تھا۔ دس ٹنکے دے کر بقیہ رقم بعد میں دینے کو کہا۔ بزاز نے دس ٹنکے تو لے لئے اور بقیہ دس خواجہ صاحبؒ کے مرشد کی صحبت کی عمدہ تاثیر کے صلے میں معاف کر دیئے۔

دہلی سے کئی بار مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے خواجہ نظام الدینؒ اجودھن تشریف لے گئے۔ ایک بار مرشد نے اپنے محبوب مرید کے لئے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کی کہ "الٰہی نظام الدینؒ جو تجھ سے مانگا کرے اسے عطا فرمایا کر"۔ یہ دُعا قبول ہوئی۔ اسی لئے خواجہ صاحب محبوب الٰہی کہلائے۔ آخری بار جب اجودھن مرشد سے ملنے گئے تو واپسی کے وقت مرشد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت بنائے۔ تم ایسے درخت ہو گے جس کے سایہ میں مخلوق آرام پائے گی اور نصیحت کی کہ حصولِ استعداد کے لئے برابر مجاہدہ کرتے رہنا۔

باباشکر گنجؒ کا جب وصال ہوا، تو محبوب الٰہیؒ اجودھن میں نہ تھے لیکن مرشد نے عصا اور خرقہ جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ان کو ملا تھا۔ مولانا بدرالدین اسحاقؒ کی معرفت اپنے مرید کے پاس دہلی بھیجا۔ باباشکر گنجؒ کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت خلفاء میں تاج الاولیاء علاءالدین صابرؒ بھی تھے۔ باباشکر گنجؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

"میرے سینہ کا علم شیخ نظام الدینؒ بداؤنی کو ملا اور میرے دل کا علم شیخ علی احمد صابرؒ

کو تفویض ہوا۔"

پہلی دفعہ جب اجودھن سے خواجہ نظام الدینؒ اولیاء دہلی تشریف لائے تو شہر میں آبادی کی کثرت کی وجہ سے ان کو عبادت و ریاضت کے لئے کوئی پرسکون جگہ نہ ملی۔ ان دنوں مرشد کی ہدایت کے بموجب کلام پاک حفظ کر رہے تھے۔ اس لئے جب شہر میں یکسوئی نہ ملتی تو جنگل جاکر حفظ کرتے۔ ایک روز قتلغ خاں کے حوض کے پاس ایک درویش سے ملاقات ہوئی۔ اس کی باتوں سے معلوم ہوا کہ شہر اس وقت فسق و فجور کا منبع ہو رہا ہے۔ اس لئے یہاں کے قیام سے ایمان میں سلامتی اور عبادت میں استقامت پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔ اس گفتگو کے بعد خواجہ صاحبؒ دہلی سے متصل ایک جگہ غیاث پور میں آکر مقیم ہوئے۔ شروع میں یہاں کے قیام کے زمانہ میں بڑی عسرت اور تنگی رہی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایک من خربوزے دو جیتل کو ملتے تھے۔ ساری فصل گزر گئی مگر میں ایک پھل بھی نہ چکھ سکا۔ اتفاقاً ایک روز ایک شخص کئی خربوزے اور کچھ روٹیاں میرے پاس لایا، جس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نعمت سمجھ کر لے لیا۔ اس زمانہ میں شیخ برہان الدین غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب جو آگے چل کر خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کے خلیفہ ہوئے، ان کی خدمت میں رہتے تھے۔ ایک بار چار روز کا مسلسل فاقہ ہو گیا۔ پڑوس کی ایک نیک بی بی نے جو خواجہ نظام الدینؒ سے بیعت بھی تھیں کچھ آٹا بھیجا۔ شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کے ایک برتن (دیگ سفالین) میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا۔ اسی وقت ایک دلق پوش درویش آ پہنچا اور کچھ کھانے کو مانگا۔ خواجہ صاحب نے دیگ کو خود اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دیا۔ انہی نے دیگ سے کچھ گرم گرم لقمے منہ میں ڈالے۔ پھر دیگ کو اٹھا کر زمین پر ٹپک دیا اور یہ کہتا ہوا غائب ہو گیا:۔

"شیخ فریدالدینؒ گنج شکر نے شیخ نظام الدینؒ اولیاء کو باطنی نعمتوں سے مالا مال کیا اور میں نے ان کے فقر ظاہری کی دیگ توڑ ڈالی۔ اب وہ سلطان ظاہر و باطن کے ہو گئے ہیں۔"

اس کے بعد خواجہ صاحبؒ کی عسرت اور تنگی جاتی رہی۔

اسی زمانہ میں سُلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پور کے پاس کیلو کھڑی میں ایک محل بنوایا اور ایک شہر آباد کیا جس میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی۔ اس لیئے لوگوں کے ہجوم سے خواجہ صاحب کی طبیعت گھبرانے لگی اور کہیں دوسری طرف چلے جانے کا ارادہ کیا لیکن ایک روز ایک خوش رو نوجوان ان کے پاس آیا اور یہ دو شعر پڑھے۔

روزے کہ تو مرشدی نمی دانستی   کانگشت نمائے عالمے خواہی بود

امروز کہ زُلفت دل خلقے بربود   درگوشہ نشست نمی دارد سُود

(ترجمہ: کیا تم نہیں جانتے کہ جس دن تم چاند بن جاؤگے اُس دن تمام عالم کی انگلیاں تمہاری طرف اٹھیں گی۔ آج تمہاری زلفیں لوگوں کے دلوں کو کھینچ رہی ہیں اور تم خود ایک گوشے میں ہر طرح کے نفع سے بے پروا بیٹھے ہو۔)

اور کہا:-

"اوّل تو کسی کو مشہور نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ شخص مشہور ہو گیا ہے۔ اب اُسے اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ قیامت کے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمسار نہ ہو۔ لوگوں سے کنارہ کشی کر کے حق کے ساتھ لو لگانی بڑی آسان ہے لیکن مردوں کا کام یہ ہے کہ انجمن میں خلوت اختیار کرے اور انبوہ خلق کی موجودگی میں بھی تعلق باللہ میں خلل نہ آنے دے۔" (سیرالعارفین)

یہ سُن کر وہ غیاث پور ہی میں آخر وقت تک مقیم رہے۔ دربار کی قربت کی وجہ سے امراء کی آمد و رفت بھی اُن کے یہاں شروع ہوئی اور وہ تربیت پاکر مستفیض ہوتے رہے۔

سیرالعارفین کے مصنف کا بیان ہے کہ "اکثر وہ متمول رؤسا، جو مائل فسق و فجور تھے، شیخ کی خدمت میں افعالِ زشت سے تائب ہو کر وہیں رہنے لگے۔"

امیر خسرو کے نانا عماد الملک اور والد بزرگوار امیر سیف الدین لاچین بھی خواجہ نظام الدینؒ کے سلسلۂ ارادت میں آکر داخل ہوئے۔ دونوں کا پورا خاندان شرف بیعت سے مشرف ہوا۔ امیر خسرو کی عمر اس وقت جب انہوں نے اپنے محبوب مرشد کے دامن میں پناہ لی، کل آٹھ سال تھی۔ رفتہ رفتہ مرشد کو اس مرید سے اتنا گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا کہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ:

"اے ترک! میں اپنے آپ سے تو ناراض ہو جاتا ہوں لیکن تم سے ناراض نہیں ہوتا!"

امیر خسرو پر بھی مرشد کی تربیت کا اتنا اثر ہوا کہ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ چالیس سال تک صائم الدہر رہے اور عشق الٰہی کی ایسی سوزش ان میں پیدا ہو گئی کہ جب لباس زیب تن کرتے، تو بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ سینہ کے پاس کا کپڑا جل جاتا۔ چنانچہ محبوب الٰہی خود فرماتے ہیں کہ:۔

"قیامت کے روز ہر شخص سے سوال ہوگا کہ اپنے ساتھ کیا لائے ہو؟ جب مجھ سے بھی سوال کیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ میں اس ترک کے سینہ کا سوز (لایا ہوں)"

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی آج تک ضرب المثل ہے۔ امیر خسرو نہ صرف ایک بے بدل شاعر اور ادیب تھے بلکہ شاہی دربار سے تعلقات کی بنا پر امیر کبیر بھی تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ کبھی خلوت میں مرشد کے ادنیٰ خادم بن کر رہتے، کبھی جلوت میں خوش الحان قوال کے لباس میں مرشد کو اپنی غزلیں سناتے اور جو شعر مرشد کو پسند آ جاتا، اس کو بے خود ہو کر بار بار گاتے۔ وہ اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے:۔

"نظم و نثر لکھنے میں خسرو جیسا شخص کم ہی پیدا ہوا ہے (حق بات یہ ہے) کہ ملک سخن کی حکمرانی خسرو پر ہی راس آتی ہے۔ یہ ہمارا خسرو ہے، نام خسرو نہیں۔ کیوں کہ ہمارے خسرو کا ناصر خدا ہے۔"

مرشد سے امیر خسرو کا عشق اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک بار ایک درویش نے محبوب الٰہی کے پاس آکر سوال کیا۔ اتفاق سے اس روز لنگر خانہ میں کوئی چیز نہ تھی۔ محبوب الٰہی نے فرمایا، آج جو کچھ بھی فتوح میں آئے گا تم کو دے دیا جائے گا۔ مگر اتفاق سے اس روز کوئی چیز کہیں سے نہیں آئی۔ فرمایا کہ کل کی فتوح تمہاری نذر کی جائے گی۔ دوسرے دن بھی کوئی چیز نہیں آئی۔ بالآخر محبوب الٰہیؒ نے اپنے پاؤں کی جوتیاں دے کر درویش کو رخصت کیا۔ وہ شہر سے باہر نکلا، تو امیر خسرو جو بادشاہ وقت کے ساتھ کہیں گئے تھے، راستہ میں ملے۔ درویش سے شیخ کی خیریت پوچھی۔ جب درویش باتیں کرنے لگا، تو امیر خسرو نے بے اختیار ہو

کر کہا:

"مجھے تم سے اپنے پیر روشن ضمیر کی خوشبو آرہی ہے شاید تم شیخ بزرگوار کی کوئی نشانی اپنے پاس رکھتے ہو۔"

درویش نے وہ نشانی دکھائی۔ امیر خسروؒ بے تاب ہو گئے اور درویش سے پوچھا کہ اس کو فروخت کرتے ہو۔ وہ راضی ہو گیا۔ امیر خسروؒ کے پاس اس وقت پانچ لاکھ نقرئی ٹنکے تھے، جو بادشاہ نے ان کو ایک قصیدہ کے صلہ میں عطا کئے تھے۔ یہ پوری رقم درویش کو دے کر شیخ کے نعلین خرید لئے اور اُن کو اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:۔

"اس درویش نے بس اسی پر اکتفا کیا ورنہ اگر وہ ان جوتوں کے بدلے میری جان اور تمام مال بھی مانگ لیتا تو میں پیش کر دیتا۔" (خزینۃ الاصفیاء)

محبوب الٰہیؒ کو بھی اپنے مرید سے ایسی شیفتگی تھی کہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شریعت میں اجازت ہوتی تو میں وصیت کرتا کہ:

"اُسے میری قبر میں ہی دفن کریں تاکہ دونوں ایک جگہ ہی رہیں۔"

لیکن پھر یہ وصیت فرما گئے کہ

"امیر خسرو میرے بعد زندہ نہیں رہے گا۔ جب وہ انتقال کرے تو اُسے میرے پہلو میں دفن کریں۔ وہ میرا رازدان ہے۔ میں اُس کے بغیر جنت میں قدم نہیں رکھوں گا۔" (فرشتہ جلد دوم)

امیر خسرو شیخ کی رحلت کے وقت دہلی سے دور سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ کی مہم پر تھے۔ محبوب الٰہیؒ کا وصال ہوا تو یکایک امیر خسرو کے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ وہ بادشاہ سے اجازت لے کر چل کھڑے ہوئے۔ دہلی پہنچ کر معلوم ہوا کہ سلطان المشائخ اپنے محبوب سے جا ملے۔ یہ سُن کر بے تاب ہو گئے۔ اپنی ساری ملکیت شیخ کے ایصال ثواب کے لئے فقرا و مساکین میں لٹا دی اور ماتمی لباس پہن کر مزار پُر انوار پر پہنچ گئے۔ اس سے سر کو ٹکرا کر ایک چیخ ماری کہ:

"سبحان اللہ! آفتاب زمین کے نیچے آگیا ہے اور خسرو زندہ ہے۔"

یہ کہہ کر بے ہوش ہو گئے۔ اسی اندوہ و غم میں چھ مہینے کے بعد عالمِ بقا کو سدھارے، لیکن وفات کے بعد شیخ کے پہلو میں دفن نہ کیے جا سکے۔ فرشتہ کا بیان ہے:

"جب امیر خسرو کا انتقال ہوا تو لوگوں نے چاہا کہ شیخ کی وصیت کے مطابق انہیں شیخ کے پہلو میں گنبد کے نیچے دفن کریں۔ اس وقت ایک خواجہ سرا جو وزارت کے منصب پر فائز اور شیخ کا مرید تھا، مانع ہوا۔ اُس نے کہا کہ اس طرح اکثر مریدوں کو شیخ بزرگوار اور امیر خسرو کے مزارات میں شبہ پڑ جائے گا۔ چنانچہ اُسے شیخ کے قدموں میں "چبوترۂ یاراں" پر دفن کیا گیا۔" (فرشتہ جلد دوم)

حضرت محبوب الٰہیؒ نے بادشاہوں کی صحبت سے ہمیشہ کنارہ کشی اختیار کی اور ان سے کسی حال میں بھی ملنا پسند نہیں فرمایا۔ سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت محبوب الٰہی سے شرف ملاقات کی بڑی تمنا تھی لیکن یہ تمنا کسی طور پوری نہ ہوتی تھی۔ امیر خسرو اس کے دربار سے متعلق تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ حضرت کی اجازت کے بغیر وہ سلطان کو اُن کی خدمت میں لے جائے گا۔ سلطان خوش تھا کہ اسی طرح نیاز حاصل ہو جائے گا۔ امیر خسرو نے اپنے ولی نعمت سے وعدہ تو کر لیا لیکن دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں مرشد کو یہ ناگوار نہ گزرے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مرشد کی خدمت میں عرض کر دیا کہ سلطان آنا چاہتے ہیں۔ محبوب الٰہیؒ اسی وقت شہر چھوڑ کر اپنے مرشد سے ملنے اجودھن روانہ ہو گئے۔ سلطان کو خبر ملی تو امیر خسرو سے باز پُرس کی کہ یہ راز کیوں فاش ہوا۔ امیر خسرو نے عرض کیا کہ اگر آپ رنجیدہ ہوئے تو زیادہ سے زیادہ میری جان کا خطرہ ہے، لیکن مرشد آزردہ ہوتے تو میرے ایمان کا خطرہ تھا۔ سلطان جلال الدین خلجی کو یہ جواب بہت پسند آیا۔

خلجی دربار کے امراء میں محمد کاشف صاحب اور ملک قرا بیگ ترک بھی سلطان المشائخ کے معتقدین میں تھے۔ ایک بار محمد کاشف علاؤالدین خلجی کی جانب سے پچاس ہزار نقرئی ٹنکے لایا۔ یہ رقم وہ اسی وقت لے کر پہنچا، جب محبوب الٰہی رشد و ہدایت کے سلسلہ میں کسی عقدہ کے حل کے وعدہ کا ایفا کرنے والے تھے۔ تحفہ دیکھ کر فرمایا، بادشاہ کے انعام کی طرف توجہ کر دوں یا۔

عہد پورا کروں۔ مریدوں نے عرض کی :۔

"ایفائے عہد آٹھوں جنتوں سے بہتر ہے۔ یہاں پچاس ہزار روپوں کی کیا حیثیت ہے؟" (فرشتہ جلد دوم وسیر العارفین)

سُلطان علاؤالدین خلجی نے جب ملک کافور کو ورنگل کی فتح کے لئے بھیجا تو کچھ دنوں تک سُلطان کو اس مہم کے متعلق کسی کی کوئی خبر نہ ملی۔ حالتِ اضطراب میں قاضی مغیث الدین بیانوی اور ملک قرابیگ کو بھیج کر محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں یہ پیام کہلایا :۔

"آپ کو اسلام کا غم مجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے اگر آپ کو اپنے نورِ باطن سے لشکر کی کیفیت معلوم ہو جائے تو مجھے مطلع کریں کیونکہ لشکر کی طرف سے خبر نہ ملنے کی وجہ سے مجھے کافی پریشانی ہے۔"

محبوب الٰہیؒ نے بشارت دی :۔

"اس فتح کے علاوہ اور بھی کئی فتوحات متوقع ہیں۔"

چنانچہ اسی روز ورنگل کی فتح کی خبر ملی۔ سُلطان علاؤالدین نے خوشی میں سُلطان الاولیاء کی خانقاہ کے لئے پانچ سو اشرفیاں بھیجیں۔ ملک قرابیگ اشرفیاں لے کر پہنچا تو اُس کو دیکھ کر ایک خراسانی قلندر نے محبوب الٰہیؒ سے کہا کہ اَلھَدایا مُشتَرکٌ (یعنی ہدیہ مشترک ہوتا ہے) محبوب الٰہیؒ نے جواب دیا "تنہا خوشترک۔" (یعنی اگر تنہا لیا جائے تو اس سے بہتر ہے) یہ کہہ کر تمام اشرفیاں قلندر کے حوالے کر دیں۔

ملک قرابیگ کو علاؤالدین نے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ محبوب الٰہیؒ کو محفل سماع میں جس شعر پر وجد آئے، اس کو وہ لکھ لیا کرے اور آ کر سنایا کرے۔ مراۃ الاسرار کے مصنف کا بیان ہے کہ ان اشعار کو سن کر علاؤالدین کو قلبی راحت محسوس ہوتی تھی۔ ایک بار محبوب الٰہیؒ کو حکیم سنائی کے ان دو شعروں پر وجد طاری ہوا ؎

بیش منما جمالِ جان افروز | در نمودی بر آذ سپند بسوز
آن جمالِ تو چیست ہستیٔ تو | وان سپند تو چیست ہستیٔ تو

قرابیگ اس کو لکھ کر سُلطان علاؤالدین خلجی کے پاس پہنچا۔ سُلطان ان اشعار کو بار بار

پڑھتا، آنکھوں سے لگاتا اور تعریف کرتا تھا۔ قرابیگ نے سلطان کی یہ عقیدت دیکھ کر کہا اُس حسن اعتقاد کے باوجود آپ نے شیخ سے اب تک ملاقات نہیں کی ہے، جو تعجب کا باعث ہے۔" سلطان نے جواب دیا "اے قرابیگ! ہم بادشاہ ہیں اور سر سے پاؤں تک دنیا میں آلودہ ہیں۔ ہمیں شرم آتی ہے کہ اس طرح کی آلودگی کے ساتھ ان جیسے پاک شخص سے ملیں۔"

لیکن اسی وقت اپنے جگر گوشوں خضر خاں اور شادی خاں کو محبوب الٰہی کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہونے کے لیئے دو لاکھ ٹنکے کے ساتھ بھیجا۔ دونوں مرید ہو کر محبوب الٰہی کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ خضر خاں ہی نے خانقاہ اور مقبرہ کی عمارت بنوائی ہے۔

خضر خاں محبوب الٰہی کے حلقۂ ارادت میں آچکا، تو مولانا عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں کہ ایک بار سلطان علاؤالدین خلجی نے شیخ کے امتحان کی غرض سے ان کی خدمت میں امورِ سلطنت کی اصلاح کے متعلق چند فصلیں لکھیں جن میں ایک فصل کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ حضرت شیخ تمام دنیا کے مخدوم ہیں اور دین و دنیا میں جس شخص کو کوئی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی خدمت سے پوری ہوتی ہے۔ اور خداوند تعالیٰ نے دنیا کی سلطنت کی باگ ہمارے ہاتھ میں دی ہے۔ تو ہم کو چاہیئے کہ جو کام اور جو مصلحت سلطنت میں پیش آئے، حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کریں تاکہ جس چیز میں ملک کی بھلائی اور ہماری بہتری ہو اس سے وہ مطلع فرمائیں۔ اس لئے چند فصلیں اس باب میں شیخ کی خدمت میں بھیجی جاتی ہیں۔ ان میں جو اچھی باتیں ہوں تو ہر بات کے نیچے لکھ دیں تاکہ ہم اس پر عمل کریں۔ اس کاغذ کو خضر خاں کے ذریعہ جو اس کے تمام لڑکوں میں زیادہ محبوب اور شیخ کا مرید تھا، شیخ کی خدمت میں بھیجا۔ جب خضر خاں نے اس کاغذ کو شیخ کے ہاتھ میں دیا، تو انہوں نے اس کو نہیں پڑھا اور حاضرینِ مجلس سے کہا کہ ہم فاتحہ پڑھتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ فقیروں کو بادشاہ کے کام سے کیا مطلب۔ میں ایک فقیر ہوں اور شہر سے الگ ایک گوشہ میں رہتا ہوں۔ بادشاہوں اور مسلمانوں کی دعا گوئی میں مشغول ہوں۔ اس لئے بادشاہ اس کے بعد مجھ سے کہے گا تو میں اس جگہ سے بھی چلا جاؤں گا۔ خدا کی زمین کشادہ ہے۔ جب یہ خبر سلطان علاؤالدین کو پہنچی، تو خوش ہو کر معتقد ہو گیا اور کہلا بھیجا کہ اگر قبول

فرمائیں تو میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ شیخ نے فرمایا کہ آنے کی ضرورت نہیں۔ میں غائبانہ دعا میں مشغول ہوں اور غائبانہ دعا اثر رکھتی ہے۔ سلطان علاؤالدین نے ملاقات کے لیئے پھر اصرار کیا، تو شیخ نے کہلا بھیجا کہ اس ضعیف کے گھر میں دو دروازے ہیں۔ اگر بادشاہ ایک دروازہ سے تشریف لادیں گے، تو میں دوسرے دروازے سے باہر نکل جاؤں گا"

علاؤالدین خلجی کے عہد میں محبوب الہیؒ کے فیوض و برکات سے ملک میں جو عام انقلاب پیدا ہوا اس کی تصویر ضیاءالدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں کھینچی ہے۔ اس میں پہلے تو بعض اور مشائخ کرام کے اثرات کا ذکر ہے پھر محبوب الہیؒ کی نگاہِ کیمیا اثر اور صحبت روح پرور سے خواص و عوام میں جو غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہوئیں اُن کی تفصیل ہے:۔

"سلطان علاؤالدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدینؒ، شیخ الاسلام علاؤالدینؒ اور شیخ الاسلام رکن الدینؒ سے آراستہ تھا۔ ایک دنیا ان کے انفاس متبرکہ سے روشن ہو گئی اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا اور ان کی مدد سے گناہ گاروں نے توبہ کی۔ اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھا لیا اور ہمیشہ کے لیئے پابندِ نماز ہو گئے۔ باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی۔ اور توبہ صحیح ہو گئی اور عباداتِ لازمہ و متعدیہ کا معمول ہو گیا۔ دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کے فوائد اور فرمانبرداری کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاقِ حمیدہ اور ترک و تجرید کے معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہو گئی۔ سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصافِ عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی اور ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہو گئی۔ اور ان پیروں کے مکارم اخلاق، مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے خدا والوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی۔ آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہو گئے اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و وبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے۔ ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گزاری کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا، ایسا رخصت ہوا اور یہ تمام ملاعین اس قدر آوارہ اور تباہ

ہوئے کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے
ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعائر اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں اور احکام شریعت
وطریقت سے جو رونق ورواج حاصل ہوا، اس کا کیا کہنا۔ کتنا عجیب زمانہ وہ تھا، جو سلطان
علاؤالدین کے آخری دسویں سال میں نظر آیا۔ ایک طرف سلطان علاؤالدین نے ملک کی بہتری
کے لئے تمام منشی اور ممنوع چیزوں کو اور فسق وفجور کے اسباب کو قہر وغلبہ، تعزیر وتشدد،
قید وبند سے روک دیا۔ مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کے لئے گناہوں کا
آلہ اور حریصوں، بخیلوں اور تاجروں کے لئے سود، ذخیرہ اندوزی کا سامان اور فتنہ پردازوں
کے لئے بغاوت کی استعداد اور نیکوں کے لئے کبر، مفاخرت، غفلت اور کسل مندی پیدا کرنے
والا ہے۔ اور عبادت گزاروں کے لئے نسیان وفراموشی کا باعث ہے، سلطان علاؤالدین
ہر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا مالداروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا اور بازار والوں کو کہ دنیا
کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی
قوم ہے، سچائی اختیار کرنے، سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچ کہنے کے لئے خون خرابہ میں
رکھتا تھا۔ دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدینؒ نے بیعتِ عام کا دروازہ کھول
رکھا تھا اور گناہ گاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے تھے۔ اپنی مریدی میں قبول
کرتے تھے اور خاص وعام، غریب ودولت مند، بادشاہ وفقیر، عالم وجاہل، شریف ورذیل،
شہری اور دیہاتی، غازی ومجاہد، آزاد وغلام سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے۔
اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہوں سے باز آگئے تھے اور
اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی تو پھر از سرِ نو بیعت کر لیتے اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے
تھے۔ اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری وباطنی برائیوں سے روک دیتی
تھی۔ عام طور پر لوگ تقلید واعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے۔ مرد،
عورت، بوڑھے، جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے۔
اور زیادہ تر مرید چاشت واشراق کے پابند ہو گئے تھے۔ آزاد اور نیک کام کرنے والوں
نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیئے تھے، چھپر ڈال دیئے تھے

کنویں کھدوا دیئے تھے۔ پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے۔ چٹائیاں بچھوا دی تھیں۔ ہر چبوترہ اور ہر چھپر میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا، تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانہ تک آتے جاتے میں نماز کے ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لئے کوئی تردد نہ ہو۔ ہر چبوترہ اور ہر چھپر میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا۔ ارتکاب گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا۔ اور اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعات نماز کی تحقیقات زیادہ تھیں کہ ان نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں۔ ہر رکعت میں کلام پاک کی کون سی سورۃ اور کون سی آیت پڑھتے ہیں اور اوقات پنجگانہ نمازمیں اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آتی ہیں۔ اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے غیاث پور کی آمد و رفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار درود شریف بھیجتے ہیں۔ اور شیخ فریدؒ اور شیخ بختیارؒ رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے۔ اور کتنی بار سورہ قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے۔ نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے۔ روزے، نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے۔ اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ نئے مرید شیخ کے پرانے مریدوں کی صحبت میں رہتے تھے۔ پرانے مریدوں کو طاعت عبادت، ترک تعلق، تصوف کی کتابوں کے پڑھنے، مشائخ کے اوصاف حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ دنیا اور دنیاداروں کا ذکر ان کی زبان پر نہیں آتا تھا۔ کسی دنیادار کے گھر کی طرف اپنا رخ نہیں کرتے تھے۔ دنیا اور اہل دنیا کے میل جول کی حکایت نہیں سنتے تھے اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے۔ کثرت نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں بہت سے امراء، سلاحدار، لشکری، شاہی نوکر شیخ کے مرید ہوتے تھے اور وہ چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے۔ ایام بیض اور عشرہ ذوالحجہ کے روزے رکھتے تھے۔ کوئی محلہ ایسا نہیں تھا جس میں ایک مہینہ بیس دن کے بعد صلحا کا اجتماع نہ ہوتا تھا اور صوفیوں کی محفل سماع نہ قائم ہوتی اور باہم گریہ وزاری نہ کرتے تھے۔ شیخ کے چند مرید تراویح کی نمازیں مسجدوں اور گھروں میں ختم قرآن کرتے۔ یہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے رمضان، جمعہ اور تہواروں کی راتوں میں قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے۔ بلکہ کو

پلک سے نہیں لگنے دیتے۔ شیخ کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز میں گزارتے۔ بعض عبادت گزار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے۔ شیخ کے مریدوں میں سے چند آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحب کشف و کرامات ہو گئے تھے۔ شیخ کے مبارک وجود، اُن کے انفاس پاک کی برکت اور ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوّف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ سلطان علاؤالدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا۔ خواص و عوام کے دل نے نیکی اختیار کر لی تھی۔ عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر کبھی نہیں آنے پایا۔ بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خوری و ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہو سکتے تھے۔ بازار والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے وغیرہ کا رواج اٹھ گیا تھا۔ اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت، جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوّف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی۔ قوۃ القلوب، احیاء العلوم، ترجمہ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامح قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد امیر حسن سجزی کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی۔ صوفیوں کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹا اور چرمی طشت گراں ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنیدؒ اور شیخ بایزیدؒ کے مثل پیدا کیا تھا۔"

سلطان علاؤالدین خلجی کی وفات کے بعد قطب الدین مبارک شاہ ملک کافور کی مدد سے خضر خاں اور شادی خاں کو قتل کر کے تخت نشین ہوا۔ خضر خاں اور شادی خاں محبوب الٰہیؒ کے خاص اور عزیز مریدوں میں تھے۔ اس لئے سلطان قطب الدین ان سے بدگمان ہو گیا اور پھر اُس کی یہ بدگمانی عداوت میں تبدیل ہو گئی۔ اور مصلحتاً وہ پہلے سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ

ضیاءالدین رومیؒ کا مرید ہو گیا۔ سلطان الاولیاءؒ کی دشمنی کا کھلم کھلا اظہار کرنے لگا۔ اس وقت سلطان الاولیاءؒ کے لنگر خانہ کا خرچ روزانہ دو ہزار ٹنکہ تھا۔ درویشوں اور مسکینوں کو داد و دہش اس خرچ کے علاوہ تھی۔ سلطان قطب الدین کے بعض مفسد امراء نے اس کے کان بھرے کہ یہ تمام اخراجات ان امراء کے نذرانے کی رقم سے پورے ہوتے ہیں۔ جو خانقاہ آیا جایا کرتے ہیں۔ اس لئے قطب الدین نے امراء کی آمد و رفت سختی سے روک دی۔ مگر اس سے لنگر خانہ کے اخراجات پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑا۔ سارے اخراجات غیبی امداد سے پورے ہوتے رہے۔ جس سے قطب الدین کی پرخاش اور بھی بڑھ گئی اور اس نے محبوب الٰہیؒ کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ مگر محبوب الٰہیؒ نے اس حکم کا یہ جواب دیا:۔

"میں ایک گوشہ نشین شخص ہوں۔ اس لئے اپنی جگہ سے نہیں ہلوں گا۔ اس کے علاوہ ہر سلسلہ (کے بزرگوں) کا طریقہ اور عادت ہوتی ہے۔ ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ نہیں کہ درباروں میں جائیں اور بادشاہوں کے مصاحب بنیں۔ اس لئے مجھے معذور سمجھتے ہوئے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"

لیکن مغرور بادشاہ نے اس عذر کو قبول نہ کیا اور حکم دیا کہ وہ ہفتہ میں دو بار دربار آیا کریں۔ محبوب الٰہیؒ نے بادشاہ کے پیر شیخ ضیاءالدین رومیؒ کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائیں کہ درویشوں کو رنج پہنچانا کسی مذہب میں روا نہیں۔ مگر اس پیام کے پہنچنے سے پہلے شیخ ضیاءالدینؒ رومی کا انتقال ہو گیا۔ ان کی فاتحہ خوانی کے لئے ان کے مقبرہ میں بادشاہ اور اس کے اکابر امراء شریک ہوئے۔ محبوب الٰہیؒ نے بھی اس مجلس میں شرکت کی۔ جس وقت وہ تشریف لائے، تمام حاضرین تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ محبوب الٰہیؒ نے بادشاہ کو سلام کیا۔ اس نے جواب نہیں دیا لیکن اس نے دیکھا کہ تمام حاضرین محبوب الٰہیؒ کو سر آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں۔ اس سے اس کا عناد اور بھی بڑھا اور مجلس کے ختم ہونے کے بعد ایک محضر کے ذریعہ ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو محبوب الٰہیؒ کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم جاری کیا۔ شیخ عمادالدین طوسی، شیخ وحیدالدین قندزی، مولانا برہان الدین اور دوسرے اکابر یہ محضر لے کر محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ بادشاہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ

اس کی نا عاقبت اندیشی ہے۔ پھر بھی وہ (یعنی محبوب الٰہیؒ) دربار میں تشریف لاکر ایک فتنہ کو روک دیں۔ محبوب الٰہیؒ نے یہ کہہ کر اُن کو رخصت کیا کہ:

"بہ بینیم چہ بظہور پیوندد" (ترجمہ: دیکھتے رہیئے کیا ظہور میں آتا ہے۔)

انہوں نے واپس جاکر سُلطان کو اطمینان دلایا کہ محبوب الٰہیؒ دربار میں آنے کے لیے راضی ہو گئے ہیں۔ وہ خوش تھا کہ شیخ نے اُس کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ مگر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے کچھ روز پہلے محبوب الٰہیؒ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ میں اپنے مرشدوں کے خلافِ دستور کوئی کام نہ کروں گا۔ اس سے مریدوں میں بڑی سراسیمگی اور پریشانی پیدا ہو گئی کہ سلطان الاولیاء اور سلطان دہلی کے تصادم سے ایک بڑی مصیبت بپا ہو جائے گی۔ مگر محبوب الٰہیؒ کو کشف ہو چکا تھا کہ وہ نہ دربار جائیں گے اور نہ کوئی تصادم ہوگا۔ چنانچہ سُلطان قطب الدین جس روز دربار میں محبوب الٰہیؒ کی آمد کا منتظر تھا اُسی روز محل کے اندر شورش ہوئی اور خسرو خاں کے ہاتھوں وہ قتل ہوا۔

خسرو خاں تخت نشین ہوا تو اُس نے اپنی سیہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ملک میں روپے تقسیم کیئے۔ مشائخ کرام کے پاس بھی روپے بھجوائے۔ محبوب الٰہیؒ کے پاس بھی پانچ لاکھ ٹنکے پہنچے۔ انہوں نے اسی وقت ساری رقم فقراء میں تقسیم کر دی۔ چار مہینے کے بعد غیاث الدین تغلق نے خسرو خاں کی سرکوبی کی اور خود تخت پر بیٹھا۔ جن لوگوں کو خسرو نے روپے دیئے تھے، ان سے غیاث الدین تغلق نے واپس مانگے۔ اس حکم پر دوسرے مشائخ کرام نے روپے واپس کر دیئے لیکن محبوب الٰہیؒ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

سُلطان غیاث الدین تغلق طبعاً دین دار، دین پرور، حق گزار اور حق شناس واقع ہوا تھا چنانچہ مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ:-

"اُس نے احکامِ شریعت کے نفاذ کے لیئے قاضی، مفتی، داد بیگ اور محتسب مقرر کیئے۔ اس کے عہد میں ان (عہدہ داروں) کی بڑی عزت اور منزلت تھی۔"

سُلطان کی اس دینداری اور شریعت کی پابندی سے فائدہ اٹھا کر علمائے ظاہر نے اُس سے سماع کی ممانعت میں ایک عام شاہی حکم جاری کرادیا۔ لیکن محبوب الٰہیؒ کے یہاں محفلِ سماع

بدستور جاری رہا۔ بجاہ طلب علماء نے ان کے خلاف شورش کی تو سلطان غیاث الدین تغلق نے ایک محضر طلب کیا، جس میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لئے تمام مشائخ عظام و علمائے کبار جمع کئے گئے۔ محبوب الٰہی بھی اس مجلس میں شریک ہوئے۔ بحث شروع ہوئی، تو دونوں طرف سے سماع کی اباحت اور حرمت کے دلائل پیش کئے گئے۔ چاشت کے وقت سے زوالِ آفتاب تک مناظرہ قائم رہا۔ مباحثہ میں بڑی گرما گرمی رہی۔ محبوب الٰہیؒ نے نفس غنا کے جواز میں جب حدیثیں پیش کیں تو علمائے احناف نے کہا کہ تم مقلد ہو تم کو حدیث سے کیا مطلب۔ اگر فقہ حنفی کی روایت ہو تو پیش کرو۔ یہ سن کر محبوب الٰہی نے فرمایا کہ وہ ملک کیونکر آباد رہے گا، جس میں لوگوں کی رائے کو احادیث نبوی پر ترجیح دی جاتی ہو۔ بالآخر شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ ملتانی کے نواسے مولانا علم الدین نے جو اپنے زمانے کے جید عالم تھے اور جن کا سلطان غیاث الدین تغلق بھی معتقد تھا، محبوب الٰہیؒ کی موافقت یعنی سماع کی اباحت میں فیصلہ دیا۔ جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے محبوب الٰہی کو اعزاز و اکرام کے ساتھ مجلس سے رخصت کیا۔ محبوب الٰہیؒ خانقاہ واپس تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مولانا ضیاء الدین برنی، مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"دہلی کے فقہا میری عداوت اور حسد سے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے وسیع میدان پایا اور عداوت سے بھری ہوئی بہت سی باتیں کہیں۔ اور آج ایک تعجب انگیز بات یہ دیکھی گئی کہ استدلال کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثیں نہیں سنتے تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہی روایت پر عمل کرنا حدیث سے مقدم سمجھا جاتا ہے۔ اور اس قسم کی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتقاد نہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح بیان کی گئی، تو برہم ہوئے اور منع کیا اور کہا کہ اس حدیث سے امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں۔ ہم نہیں سنتے اور نہیں جانتے کہ وہ عقیدہ رکھتے ہیں یا نہیں۔ میں نے کوئی عالم ایسا نہ دیکھا نہ سنا کہ اس کے سامنے حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کی حدیثیں بیان کی جائیں اور وہ کہے کہ ہم نہیں سنتے اور نہیں جانتے۔ یہ کیسا زمانہ ہے؟ یہ شہر جس کے اندر ایسی مغرورانہ بحث ہو کیسے آباد رہ سکتا ہے۔ ڈرتا ہوں کہ شہر کے علماء کی اس بداعتقادی کی وجہ سے کہیں شہر پر قحط و وبا نہ آجائے۔"

بعض تذکرہ نگاروں اور مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق ۷۲۵ھ میں بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آ رہا تھا تو اس نے محبوب الٰہی کے پاس یہ پیام لکھ بھیجا:

"ہمارے دہلی آنے سے پیشتر تم غیاث پور سے چلے جاؤ کیونکہ تمہاری وجہ سے وہاں لوگوں کی ایک بھیڑ لگی رہتی ہے اور بادشاہ کے متوسلین کے رہنے کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔"

اس پیام کو پڑھ کر محبوب الٰہیؒ کی زبان سے صرف یہ نکلا:-

"ہنوز دہلی دُور است۔" (ترجمہ: ابھی دہلی بہت دُور ہے)

چنانچہ غیاث الدین تغلق شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک مقام افغان پور میں ایک نئی عمارت میں مقیم تھا کہ اچانک یہ عمارت رات کو گر گئی، جس کے نیچے دب کر وہ جاں بحق ہو گیا۔ مگر تاریخ فرشتہ، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مشہور روایت محض عوام کی ہے، جس کا شاید حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ مولانا ضیاء الدین برنی جو محبوب الٰہیؒ کے خلفاء میں تھے، اپنے مرشد کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کی اس ایذارسانی اور تعدی کا ذکر اپنی تاریخ فیروز شاہی میں مطلق نہیں کرتے بلکہ سلطان کی دین پروری، دین پناہی، حق گزاری، حق شناسی، عبادت گزاری، نیک نفسی، انصاف پرستی اور شریعت پسندی کا بار بار ذکر بہت ہی والہانہ انداز میں کرتے ہیں۔

غیاث الدین تغلق کا جانشین سلطان محمد تغلق محبوب الٰہیؒ کا معتقد رہا لیکن اس کی حکومت کے پہلے ہی سال ۷۲۵ھ میں ان کا وصال ہو گیا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرشد بابا گنج شکرؒ نے ان کو ایک موقع پر نصیحت فرمائی تھی کہ ہمیشہ مجاہدہ میں مشغول رہنا، بیکار رہنا مناسب نہیں۔ اس راہ میں روزہ رکھنا نصف راہ

ہے۔ نماز اور حج سے نصف راہ طے ہوتی ہے۔ جب خلافت عطا کی تو چند تحریری ہدایتیں کیں جن کا خلاصہ یہ ہے:۔

"شاگردوں کو تعلیم دیں۔ خطا و تصحیف سے بچتے رہیں۔ لغزشوں کی اصلاح اور تحقیق و تنقیح میں پوری کوشش کریں۔ جو کچھ مجھ سے سنا اور یاد رکھا ہے اُس کی روایت کریں۔ ایسی مسجد میں خلوت نشین ہوں جس کے اندر جماعت ہوتی ہو۔ خلوت میں اپنے نفس کو کمزور، شکستہ اور خلق کو معدوم سمجھیں۔ دنیا کی تمام خواہشات کو ترک کر دیں۔ خلوت طرح طرح کی عبادات سے معمور ہو۔ اس خلوت میں جب نفس بڑے بڑے مجاہدات سے تھک جائے تو چھوٹے چھوٹے مجاہدات اختیار کئے جائیں۔ نفس غلبہ کرے تو تھوڑی سی نیند سے اس کو راضی کر لیں اور خلوت سے اپنا پورا حصّہ لے لیں۔ حکمت کا چشمہ جاری کریں اور جو شخص ان کے پاس پہنچے اُس کو نعمت سے سرفراز کریں۔" (سیر الاولیاء)

حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنے مرشد کی ان ہدایات پر برابر عمل کیا۔ سیر الاولیاء کے مؤلف کا بیان ہے کہ جوانی میں تیس سال تک بڑے سخت مجاہدے کئے۔ پھر جوانی کے بعد بقیہ زندگی اس سے زیادہ سخت مجاہدے میں گزاری۔ تمام عمر صائم الدہر رہے۔ دن رات میں چار پانچ سو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے۔ خانقاہ میں کوٹھے پر ان کا قیام رہتا تھا مگر اسی سال کی عمر میں بھی کوٹھے سے اتر کر نماز با جماعت ادا کرتے۔ روزانہ کا معمول تھا کہ فجر، اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد جماعت خانہ میں مسندِ رشد و ہدایت پر جلوہ فرماتے۔ اس وقت تمام علماء و صلحاء اور صوفیاء کا اجتماع ہوتا اور سلوک و معرفت کے دقائق بیان فرماتے۔ اس اثناء میں شہر سے غرباء و مساکین آتے رہتے۔ ان کو پیسے، غلّہ اور تحفے دیئے جاتے۔ حکم تھا کہ خانقاہ کی ساری چیزیں غرباء میں روز تقسیم کر دی جائیں۔ کوئی چیز باقی نہ رہنے پائے۔ ظہر کی نماز سے پہلے کچھ قیلولہ فرماتے۔ ایک روز قیلولہ فرما رہے تھے کہ ایک درویش آیا۔ خانقاہ میں کوئی چیز نہ تھی۔ خدام نے اُس کو واپس کر دیا۔ اسی وقت حضرت محبوب الٰہیؒ کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کہ مرشد تشریف لائے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایک درویش آیا اور خستہ دل واپس گیا۔ اگر کچھ دینے کو نہ تھا تو کم از کم حسنِ رعایت تو تھا۔ آنکھ کھلی تو خدام سے مرشد

کی تنبیہ کا ذکر کیا اور حکم دیا کہ آئندہ اگر کوئی درویش آئے تو قیلولہ کے وقت بھی ان کو خبر کر دی جائے۔

ظہر کی نماز کے بعد پھر مجلس ہوتی اور اس مجلس میں حضرت محبوب الٰہیؒ زیادہ تر علمی نکات بڑی گہرائی سے بیان فرماتے۔ حدیث کشاف اور دوسری مشہور کتابوں کا درس بھی ہوتا۔ حاضرین سر جھکائے سنتے رہتے اور سنتے وقت محسوس کرتے کہ وہ الہامی باتیں سن رہے ہیں۔ عصر کے بعد حضرت کوٹھے پر تشریف لے جاتے اور مغرب کے وقت پھر نیچے آجاتے۔ روزہ افطار فرماتے مغرب کی نماز ادا کر کے کوٹھے پر واپس تشریف لے جاتے۔ اس وقت بھی ایک مجلس ہوتی جس میں حاضرین کو خشک و تر میوے اور لطیف و لذیذ مشروبات پیش کیے جاتے۔ اس وقت امیر خسروؒ آتے اور کچھ حکایتیں سناتے جن کو حضرت محبوب الٰہیؒ لطف و لذت سے سنتے۔ کبھی کبھی اعزہ و اقارب کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آجاتے۔ جب امیر خسرو رخصت ہوتے تو خادم وضو کا پانی لا کر رکھتا اور حضرت محبوب الٰہی خود اٹھ کر دروازہ بند کر دیتے۔ پھر حجرہ کی تنہائی میں کیا ہوتا، یہ کسی کو خبر نہ ہوتی۔ صرف اتنا پتہ چلتا کہ آپ عبادت و ریاضت میں مشغول ہیں۔

عبادت و ریاضت کی کثرت کی وجہ سے محبوب الٰہی، نہنگ دریائے وحدت، پلنگ بیدائے محبت و معرفت، مسند نشین سپہر صدق و صفا، ملک الاتقیاء، نقاوۂ مشائخ عظام اور عارف معارف ربّانی کہلاتے تھے۔ خود فرماتے تھے کہ ہر وجود دو عدم کے بیچ میں ہے یعنی وہ نہ پہلے تھا اور نہ بعد میں ہوگا۔ ایسا وجود گویا عدم کے برابر ہے۔ انسان کا وجود بھی بین البعد میں ہونے کے سبب عدم کے برابر ہے۔ پھر انسان ایسی زندگی پر اعتماد کر کے تعطل اور غفلت میں کیوں گزارے۔ عمر کا بہترین مصرف یہ ہے کہ ہر وقت خدا کی یاد میں مستغرق رہے۔

مگر خالق کے ساتھ اس استغراق کے باوجود اس کی مخلوق کو کسی حال میں نہیں بھولتے۔ ایک بار بابا گنج شکرؒ کے نبیرہ شیخ شرف الدین، شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر شیخ بدالدین سمرقندی کے عرس میں شریک تھے۔ مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ شیخ نظام الدینؒ رات دن بے شمار دولت مخلوق خدا میں تقسیم تو ضرور کرتے ہیں لیکن اہل و عیال کے جھگڑے سے پاک ہیں۔ اس لئے دنیا کا کوئی غم و الم ان کو لاحق نہیں ہوتا ہوگا۔ یہ سن کر شیخ شرف الدین حضرت

نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کو نقل کرنا ہی چاہتے تھے کہ محبوب الٰہیؒ نے خود ہی فرمایا:

"بابا شرف الدین جو رنج و غم میرے دل پر وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو۔ جو شخص اپنا غم و الم مجھ سے بیان کرتا ہے اُسے سُن کر اس سے دو چند زیادہ رنج و غم مجھ کو ہوتا ہے، جس کی شرح میں نہیں کرسکتا۔ معلوم نہیں وہ لوگ کیسے سنگ دل ہیں، جو اپنے دینی بھائیوں کا غم و الم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور آہ نہ کریں۔ ان پر بڑا تعجب ہے۔" (سیر العارفین)

چنانچہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ اس تعلق خاطر کی بنا پر ان کی ذات سے جو فیض پہنچا اس کا اندازہ ضیاء الدین برنی کے گزشتہ اقتباسات سے ہوا ہوگا۔ ادنیٰ مثال یہ ہے کہ صوم دہر کے باوجود افطار میں کوئی چیز صرف چکھ لیتے۔ اس کے بعد سحری میں کچھ کھاتے اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ اس وقت کچھ نہ کھاتے۔ خادم عرض کرتا کہ اگر آپ اس وقت بھی کچھ نہ "تناول فرمائیں گے، تو کمزوری آجائے گی، قوت برقرار نہ رہے گی۔ یہ سُن کر روتے اور فرماتے کہ:

"کتنے مسکین اور درویش مسجدوں کے گوشوں اور دکانوں (کے تھڑوں پر) بھوکے اور فاقہ مست پڑے ہیں۔ پھر یہ کھانا میرے حلق سے کیونکر نیچے اتر سکتا ہے"

اس کے بعد خادم سامنے سے کھانا اٹھا لیتا۔

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ جب اپنے مرشد کی خدمت میں تھے تو ایک موقع پر اپنی دستار رہن رکھ کر مرشد کے لئے لوبیا خریدی اور اُسے جوش دے کر اُن کی خدمت میں پیش کی۔ اس میں نمک ایسے مناسب انداز سے ڈالا گیا تھا کہ مرشد کو بہت پسند آیا۔ انہوں نے اپنے محبوب مرید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے لوبیا بہت اچھی پکائی، نمک بھی خوب ڈالا۔ خدا کرے تمہارے باورچی خانہ میں ستر من نمک خرچ ہوا کرے۔ مرشد کی دُعا سے حضرت محبوب الٰہیؒ کا مطبخ ہمیشہ گرم رہا۔ کئی ہزار فقراء اور مساکین روزانہ مطبخ میں کھانا کھاتے تھے۔

ہر جمعہ کے دن تجرید فرماتے۔ تمام حجروں اور انبار خانوں کو یہاں تک خالی کراتے

کر جھاڑ و دے دی جاتی۔ اس کے بعد جامع مسجد تشریف لے جاتے اور اطمینان سے نماز ادا فرماتے۔ اس کے باوجود خانقاہ میں غریب الوطن، مسافر یا شہر کا باشندہ جو بھی آتا محروم واپس نہ جاتا۔ کپڑا، نقدی اور تحفے تحائف جو کچھ بھی خانقاہ میں موجود ہوتا آنے جانے والوں کو دے دیا جاتا۔

جوامع الکلم میں ہے کہ ہر عرس کے موقع پر تمام شہر میں کھانا تقسیم کیا جاتا اور کچھ نقد رقم بھی بھیجی جاتی۔ ایک روز غیاث پور میں گرمی کے موسم میں آگ لگی۔ مکانات جلتے دیکھ کر حضرت محبوب الٰہیؒ رونے لگے۔ جب آگ بجھی تو خادم خاص کو بلا کر فرمایا، جاؤ ان سب گھروں کو جو جل گئے ہیں، ہر گھر میں دو خوان کھانا، دو سبو پانی اور دو ٹنکہ زر دے آؤ اور گھر والوں کو دلاسا دو۔ نفحات الانس میں ہے کہ ایک سوداگر ملتان کے پاس لٹ گیا۔ وہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے صاحبزادے حضرت شیخ صدرالدینؒ کی سفارش لے کر حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے خادم خاص کو حکم دیا کہ صبح سے چاشت تک جو فتوح پہنچے اس سوداگر کے حوالہ کر دو۔ چاشت تک بارہ ہزار ٹنکے آئے۔ یہ ساری رقم سوداگر کو دے دی گئی۔

اس جود و سخا کے باوجود استغناء کا یہ عالم تھا کہ اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی تحفہ یا ہدیہ پیش کرتا تو ایک سرد آہ کھینچتے کہ یہ لوگ درویش کو غارت کرتے ہیں۔ ایک بار ایک عقیدت مند ملک نے وہ باغ، کچھ زمین اور دوسرے قسم کا سامان باضابطہ لکھ کر نذر کرنا چاہا لیکن حضرت محبوب الٰہیؒ نے قبول نہیں کیا۔ اور مسکرا کر فرمایا کہ اگر میں ان چیزوں کو قبول کر لوں تو لوگ مجھ کو یہی کہیں گے کہ شیخ اب باغ میں جاتا ہے اور اپنی زمین و باغ کا تماشہ دیکھتا ہے۔ یہ میرے لئے بالکل مناسب نہیں۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کے ابتدائی زمانہ کی عسرت و تنگی کی خبر سلطان جلال الدین خلجی کو ہوئی تو اُن کی خدمت میں کچھ تحائف بھیجے اور کہلایا کہ اگر حکم ہو تو ایک گاؤں خدمت گاروں کے لئے مقرر کر دوں تاکہ وہ فارغ البالی سے آپ کی خدمت میں مصروف رہیں۔ لیکن حضرت نے کہلا بھیجا کہ اس گاؤں کی ضرورت نہیں، میرا اور میرے خدمت گاروں کا کارساز خداوند تعالیٰ

ہے۔ جب بعض خدمت گاروں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ تو اپنی فلاح اسی میں سمجھتے ہیں کہ پانی تک نہ پیئیں۔ لیکن ہم لوگوں کا حال فقر و فاقہ سے نازک ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس شکایت کی طرف التفات نہیں کیا اور طے کر لیا کہ اگر سب کے سب اسی وقت مجھ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو مجھے کچھ افسوس اور غم نہ ہو گا۔ پھر اپنے اور دوسرے یارانِ طریقت کو بلایا اور سلطان جلال الدین خلجی سے گاؤں قبول کرنے کے بارہ میں مشورہ کیا تو انہوں نے متفقہ طور پر گزارش کی کہ مولانا نظام الدینؒ! ہم جو آپ کے یہاں وقت بے وقت روٹی کھا لیتے ہیں تو یہی بہت غنیمت ہے لیکن آپ نے اگر گاؤں قبول کر لیا تو اس کے بعد ہم پانی بھی نہیں پیئیں گے۔ اس جواب کو سن کر حضرت محبوب الٰہیؒ خوش ہوئے اور فرمایا، الحمد للہ دین کے کاموں میں تم ہی میرے مددگار ہو۔ دوستوں کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

خدا کی کسی مخلوق سے عناد رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے۔ غیاث پور کے قریب کا رہنے والا ایک شخص چھجو نامی بلا وجہ حضرت محبوب الٰہی کا دشمن ہو گیا تھا اور ایذا رسانی پر کمربستہ رہتا تھا لیکن جب اس کی وفات کی خبر حضرت کو ملی تو اس کے جنازہ میں شریک ہوئے اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر دوگانہ نماز ادا کی۔ اس سے جو تکلیفیں پہنچی تھیں ان کو معاف کر کے الرحم الرحمین سے مغفرت کے لئے دعائیں کیں۔

مولانا ضیاء الدین سنامی اپنے وقت کے متشرع متقی اور دیانت دار عالم تھے احتساب پر ایک کتاب "نصاب الاحتساب" بھی لکھی تھی۔ اسی بنا پر حضرت محبوب الٰہیؒ سے سماع پر احتساب کرتے رہے اور شد و مد سے ان کی مخالفت کی لیکن جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت محبوب الٰہیؒ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ مولانا ضیاء الدین سنامی نے اپنی دستار حضرت محبوب الٰہیؒ کے قدموں میں بچھا دی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس کو اٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔ مولانا سنامی اس قدر شرمندہ تھے کہ آنکھیں چار نہ کر سکے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ اٹھ کر باہر چلے آئے۔ اسی وقت اندر سے خبر ملی کہ مولانا کی روح پرواز کر گئی ہے۔ محبوب الٰہی رونے لگے اور فرمایا کہ ایک حامی شریعت تھا وہ بھی نہ رہا۔

وصال کے روز لنگر خانہ اور اُن کی ملکیت میں جتنی اشیا تھیں، غربا و مساکین میں تقسیم کر

دیں تاکہ خداوند تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کا مواخذہ نہ ہو۔ خادم خاص نے کچھ غلہ درویشوں کے لئے رکھ لیا تھا۔ اس کی خبر ہوئی تو ناخوش ہو کر فرمایا کہ اس کو بھی لٹا دو اور بر توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو۔ وفات سے کچھ پہلے بقیۂ خاص سے مختلف چیزیں مختلف خلفاء کو عطا کیں اور ان کو خاص مقامات پر جانے کا حکم دیا۔ حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ کو بابا فرید گنج شکرؒ کا عنایت کیا ہوا مصلیٰ، خرقہ، تسبیح اور کاسہ چوبیں دے کر فرمایا!

"تمہیں دہلی میں رہنا ہوگا اور لوگوں کی سختیاں جھیلنا ہوں گی۔"

اس کے بعد صبح کی نماز ادا کی اور جب آفتاب طلوع ہو رہا تھا تو یہ آفتاب دین ابد کے پردہ میں مستور ہو گیا۔ تاریخ وفات روز چہار شنبہ ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ ہے۔ مزار پر انوار دہلی میں ہے، جہاں آج بھی خواص و عوام کا ہجوم رہتا ہے۔ روضۂ مبارک کی عمارت سلطان محمد بن تغلق کی بنوائی ہوئی ہے۔

محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات

محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات جن کی حیثیت گویا ان کی تصانیف کی ہے، حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ فوائد الفواد ۲۔ افضل الفواد ۳۔ راحت المحبین ۴۔ سیرالاولیاء

اوّل الذکر کو خواجہ حسن سجزی نے مرتب کیا ہے۔ جو محبوب الٰہیؒ کے محبوب خلفا میں تھے۔ سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت شیخ نظام الدینؒ حضرت شیخ بختیار کاکی قدس سرہٗ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے حوض شمسی کے پاس بعض بزرگان دین کی فاتحہ خوانی کے لئے پہنچے تو دیکھا کہ خواجہ حسن سجزی اپنے دوستوں کے ساتھ رندی اور شراب نوشی میں مشغول ہیں۔ خواجہ حسن بچپن میں خواجہ نظام الدین اولیاء کے ساتھ بدایوں میں رہ چکے تھے۔ بچپن کی صحبت یاد آ گئی۔ چنانچہ محبوب الٰہیؒ کو دیکھ کر مستانہ وار یہ دو بیت زبان پر لائے ؎

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتیم ‌ ‌ ‌ گر ز صحبتہا اثر باشد کجاست
زہد تان این فسق ما را کم نکرد ‌ ‌ ‌ فسق ما محکم تر از زہد شماست

(ترجمہ:۔ ہم سالہا سال سے اکٹھے رہ رہے ہیں۔ اگر ایک دوسرے پر صحبت

کا اثر ہوتا ہے، تو وہ کہاں ہے؟ آپ کے زہد نے ہمارے فسق کو کم نہیں کیا ہمارا فسق آپ کے زہد و تقویٰ سے زیادہ پختہ ہے۔"

محبوب الٰہیؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ اثر صحبت بھی اپنا محل و موقع چاہتا ہے۔ تاثیر صحبت کی صورتیں مختلف ہیں۔ خواجہ حسن پر ان الفاظ نے سحر کا کام کیا۔ اسی وقت ان کا دل جاری ہو گیا۔ قدموں پر گر پڑے اور تمام افعالِ قبیحہ سے تائب ہو کر محبوب الٰہیؒ کے مرید ہو گئے۔ اس وقت اُن کی عمر تہتر سال کی تھی۔ مرشد کی صحبت میں برابر رہنے لگے۔ اور ۷۰۷ھ سے ۷۱۹ھ تک جو کچھ مرشد کی زبان مبارک سے سنتے ان کو قلمبند کر لیتے۔ چنانچہ ان کے مرتب کردہ ملفوظات۔ فوائد الفواد کو ہر زمانہ میں جو مقبولیت حاصل رہی، وہ چشتیہ سلسلہ کے کسی مشائخ کے ملفوظات کو شاید حاصل نہیں ہوئی۔ امیر خسروؔ کہا کرتے تھے کہ

"اے کاش! میری تمام تصنیفات خواجہ حسن سے نامزد ہو جاتیں اور اُن کے بدلے میں کتاب فوائد الفواد کا حسن قبول میرے لئے نامزد ہو جاتا۔"

ضیاء الدین برنی نے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے کہ "اس زمانہ میں فوائد الفواد سچے ارادت مندوں کا لائحہ حیات بنی ہوئی ہے۔"

عہد ہمایوں کے مصنف صاحب سیر العارفین کا بیان ہے کہ "کتاب فوائد الفواد میں خواجہ حسن نے ایسے اعلیٰ درجہ کے مضامین کی تصنیف کی جو کہ خضر راہ اہل سلوک اور مونس اہل اللہ تصوّر کی جاتی ہے۔"

فرشتہ رقم طراز ہے کہ "کتاب فوائد الفواد قبولیت و ستائش کے شرف سے ممتاز و سرفراز ہوئی۔"

مرأۃ الاسرار کے مؤلف مولانا عبدالرحمن چشتی لکھتے ہیں کہ "آج فوائد الفواد دنیا بھر کے اہل دل حضرات میں مقبول ہے۔ یہ عاشقوں کا دستور بنی ہوئی ہے اور شرق و غرب پر اس کا سکہ جاری ہے۔"

بعد کے تذکرہ نگاروں میں خزینۃ الاصفیا کے مؤلف نے لکھا ہے کہ "کتاب فوائد الفواد حضرت شیخ کے ملفوظات پر مشتمل ہے جسے اس (خواجہ حسن) نے تالیف کیا ہے اور اسے انتہائی

قبولیت حاصل ہوتی ہے۔"

امیر خسرو نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات افضل الفواد کے نام سے مرتب کئے ہیں۔ مگر اس کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات میں محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات میں ایک کتاب راحت المحبین بھی ہے جس میں ان کے ایک نامعلوم مرید نے ۶۸۹ھ سے ۶۹۰ھ تک کے ملفوظات درج کئے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں میری نظر سے نہیں گزری ہیں۔ افضل الفواد کے اقتباسات بعض تذکروں میں پائے جاتے ہیں۔ خواجہ سید مبارک بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرید تھے۔ انہوں نے سیرالاولیاء میں آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔

ان تمام ملفوظات میں ایک سالک کو توبہ، استقامت توبہ، ایمان، استغراق نماز، تلاوت قرآن، اوراد و وظائف، فقر و فاقہ، ترک دنیا، جہد و طاعت، مشغولی حق، مجاہدہ، صبر و رضا، توکل، احترام پیر، حلم و بردباری اور جود و سخا وغیرہ کی وہی تعلیمات دی گئی ہیں، جو چشتیہ سلسلہ کے پیشرو مشائخ نے دی تھیں۔ جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ کچھ مزید مثالیں ملاحظہ ہوں :-

محبوب الٰہیؒ نے راہ سلوک کے رہروؤں کی تین قسمیں بتائی ہیں :- ۱۔ سالک ۲۔ واقف ۳۔ راجع ــــ اس راہ کے مسلسل چلنے والے سالک ہیں اور جن کو طاعت و عبادت میں وقفہ حاصل ہو، وہ واقف ہیں۔ اور جو وقفہ میں پھر راہ سلوک کی طرف رجوع نہ کریں وہ راجع ہیں۔

اس راہ میں مندرجہ ذیل لغزشیں ہیں :- ۱۔ اعراض ۲۔ حجاب ۳۔ تفاصل ۴۔ سلب مزید ۵۔ سلب قدیم ۶۔ تسلی ۷۔ عداوت۔

ان کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ عاشق سے جب کوئی فعل یا حرکت ایسی سرزد ہو جائے، جو معشوق کے لئے پسندیدہ خاطر نہ ہو تو وہ یعنی معشوق منہ پھیر لیتا ہے۔ اس کو اعراض کہتے ہیں۔ عاشق کو چاہیئے کہ وہ استغفار اور معذرت کرے۔ اور جب اس کی معذرت قبول نہیں ہوتی تو دونوں کے درمیان حجاب پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حجاب کو دور کرنے کے لئے عاشق خضوع و خشوع کے ساتھ توبہ کرے۔ اگر توبہ قبول نہیں ہوتی، تو تفاصل یعنی جدائی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد بھی اگر استغفار قبول نہیں ہوتا تو عاشق سے طاعت و عبادت کا ذوق سلب کر

لیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ اپنی قدیم عبادت کا ثواب بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اور معشوق عاشق کے دل میں جدائی کی تمام صورتیں پیدا کر دیتا ہے، جس کو تسلی کہتے ہیں۔ اس سے عاشق اہمال کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس کی محبت عداوت میں منتقل ہو جاتی ہے۔

سالک کو ہر خطرہ کے حال میں خداوند تعالیٰ کی پناہ کا جویاں ہونا چاہیئے۔ اس کا نام عزیمت ہے اور پھر اس عزیمت کو عمل میں منتقل کر دینا چاہیئے۔ جب سالک عبادت و ریاضت کا آغاز کرتا ہے، تو اس کو نفس پر گرانی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ صدقِ دل سے اس کو جاری رکھتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اس کو توفیق عطا ہوتی ہے اور اس کی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ مجاہدہ و ریاضت میں ذوق و شوق محسوس کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ یادِ حق کے سوا ہر چیز اس راہ میں مانع ہو جاتی ہے۔

فراغتِ قلب کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ اس راہ میں عاشق وہی ہے جو حضور اور غیبت کی حالت میں یکساں رہ کر معشوق کی محبت کا دم بھرتا ہو اور اس کے وصال کا ہمیشہ طالب رہتا ہو۔ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محبتِ ذات، دوسری محبتِ صفات۔ اوّل الذکر موہبت الٰہی ہے اور آخر الذکر کسب سے حاصل ہوتی ہے۔ موہبت الٰہی کا تعلق بندہ کے عمل سے نہیں۔ مگر محبت صفات کو کسب سے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ماسوائے اللہ سے قلب کو فارغ کر کے اس کو ذکر دوام میں مصروف رکھنا چاہیئے۔ فراغ قلب کو روکنے والی چار چیزیں ہیں: ۱۔ خلق ۲۔ دنیا ۳۔ نفس ۴۔ شیطان ـــــ مگر دفع خلق کے لیئے عزلت، دفع دنیا کے لیئے قناعت اور دفع نفس و شیطان کے لیئے اللہ جل شانہٗ سے التجا، فریاد اور گریہ وزاری ہو تو فراغتِ قلب حاصل ہو جاتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ درویش اہل عشق ہوتے ہیں اور علما اہل عقل۔ جب تک اللہ جل شانہٗ کی محبت قلب کے غلاف میں ہوتی ہے، گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے۔ لیکن محبت جب قلب کے گرد و نواح میں آ جاتی ہے تو پھر گناہ صادر نہیں ہوتا۔ اہل محبت کے دل میں نماز کے وقت دنیا کا خیال آ جاتا ہے، تو وہ پھر سے نماز پڑھتے ہیں اور اگر عاقبت کا خیال آ جاتا

ہے تو سجدہ سہو بجا لاتے ہیں۔

صبر، رضا اور توکل لازمی چیزیں ہیں۔ بلا اور مصیبت کے وقت شکایت نہ کرنا صبر ہے۔ اور بلا اور مصیبت کے وقت اپنی کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے جو بظاہر ناممکن العمل معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتہً ایسا نہیں۔ مثلاً تیز رو مسافر کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے، تو وہ کانٹے کا خیال کئے بغیر اپنی راہ طے کرتا چلا جاتا ہے یا ایک سپاہی جنگ میں مشغول ہوتا ہے، تو پھر اس کو اپنے زخم کا خیال مطلق نہیں ہوتا۔ توکل کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے حال کا عالم و دانا سمجھ کر اس سے سوال کرے۔ دوسرا توکل بچوں کا ہے کہ وہ ماں سے دودھ نہیں مانگتا ہے لیکن پھر بھی اس کو دودھ مل جاتا ہے۔ تیسرا توکل مردوں کا ہے کہ وہ اپنے غسال کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ جس طرح غسال چاہتے ہیں، ان کو غسل دیتے ہیں۔ محبوب الٰہیؒ کے نزدیک سب سے اعلیٰ توکل یہی ہے۔ فرمایا کہ ایک شخص کا ایمان مکمل اسی وقت ہوتا ہے، جب وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو اونٹ کی مینگنی کے برابر سمجھتا ہو اور خدا کے سوا کسی اور پر اعتماد نہ کرتا ہو۔ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے اور اسی کے ساتھ دنیا کی دوستی بھی رکھتا ہے تو وہ کاذب ہے۔ عارف کے ستر مقامات ہیں۔ ان میں سے ایک اس دنیا کی مرادوں سے محرومی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے کو نیک اور اچھا انسان سمجھنے لگے اور اس میں رعونت پیدا ہو جائے، تو وہ بدترین آدمی ہے۔

ایک سالک کی یادِ حق کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے۔

۱۔ وہ خلوت نشین ہو کہ اس سے اس کا نفس مغلوب ہوگا۔ ۲۔ وہ ہمیشہ باوضو رہتا ہو۔ اگر اس کو نیند آجائے، تو جاگنے کے بعد پھر وضو کرے۔ ۳۔ صوم دوام رکھنے کی کوشش کرتا ہو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو غذا میں تقلیل کرے۔ ۴۔ غیر حق سے ہمیشہ سکوت اختیار کرتا ہو۔ ۵۔ شیخ سے قلبی لگاؤ اور محبت رکھتا ہو۔ ۶۔ حق کی خاطر تمام خواطر کی نفی کر دیتا ہو۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ سالک کے لئے چار چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ ۱۔ دنیا خصوصاً صحبت اغنیا۔ ۲۔ ماسوائے اللہ کا تذکرہ۔ ۳۔ غیر اللہ کی طرف

التفات و توجہ۔ ۲۔ دل کا میل، یعنی دل میں دنیا کی کسی قسم کی محبت نہ ہو۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ سالک جب کسی چیز سے توبہ کرے تو اس کی نیت خالص ہو اور ہر حال میں اس پر ثابت قدم رہے۔ گناہ سے ایک مرتبہ توبہ کی جاتی ہے مگر طاعت سے ہزار مرتبہ یعنی جس طاعت میں ریا کا میل ہو، وہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔

محبوب الٰہیؒ نے سالک کے ظاہری اخلاق پر بھی پورا زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مرد میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے۔ ۱۔ کم کھانا ۲۔ کم بولنا ۳۔ کم سونا ۴۔ لوگوں سے کم میل جول رکھنا۔

مخالطتِ خلق سے پرہیز کی تاکید جا بجا ہے، مگر اسی کے ساتھ خلق اللہ کے حقوق کی بھی تعلیم ہے۔ فرمایا کہ مومن کے دل کو ستانا اللہ تبارک و تعالیٰ کو تکلیف پہنچانا ہے۔ مومن وہ شخص ہے کہ اگر وہ مشرق میں ہے اور مغرب میں ایک مومن کے پاؤں میں کانٹا چبھے، تو اس کو یہاں درد محسوس ہو۔

درویش کو جب کسی سے تکلیف پہنچے، تو اس کے دل سے کسی حال میں بھی بددعا نہ نکلے درویش کو پردہ پوش ہونا چاہیئے۔ پردہ پوشی تمام عبادتوں میں افضل ہے۔

ہمسایہ کے حقوق کے سلسلہ میں فرمایا، وہ قرض مانگے تو اس کو قرض دو۔ اس کی کوئی ضرورت ہو تو پوری کرو۔ بیماری میں اس کی عیادت کرو۔ مصیبت میں غم خواری کرو۔ اس کا انتقال ہو جائے، تو اس کی میت کے ساتھ جاؤ اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھو۔

شریعت کی پابندی ہر حال میں ضروری بتائی ہے۔ خصوصاً نماز با جماعت کی بڑی تاکید کی ہے۔ فرمایا کہ:۔

"اگر دو شخص بھی ہوں تو بھی جماعت کی صورت میں نماز ادا کرنی ضروری ہے۔ دو شخصوں سے جماعت تو نہ ہو گی لیکن جماعت کا ثواب ضرور ہو گا۔ ان دو شخصوں کو چاہیئے کہ شانہ بہ شانہ کھڑے ہوں۔"

خود بھی جماعت کا بڑا اہتمام رکھتے تھے۔ ضعیفی اور کبر سنی کے باوجود آخر وقت تک نماز با جماعت کے لئے خانقاہ کے کوٹھے پر سے نیچے تشریف لاتے۔ جمعہ کی نماز کے

متعلق ارشاد ہے کہ مسافر اور مریض کے علاوہ اگر کوئی شخص ایک جمعہ کی نماز میں شرکت نہیں کرتا تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر دو جمعہ ناغہ کرتا ہے تو دو سیاہ نقطے پیدا ہو جاتے ہیں اور تین جمعہ کی عدم شرکت سے اس کا تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔

کرامت کے اظہار کی ممانعت سختی سے کی ہے۔ فرمایا کہ:۔

"کرامت ظاہر کرنا کوئی بڑا کام نہیں۔ مسلمان کو چاہئے کہ وہ راستی پر قائم رہ کر عاجزی اختیار کرے۔"

اسی کے ساتھ یہ حکایت بیان کی کہ ایک بار خواجہ ابوالحسن نوائیؒ دجلہ کے کنارے پہنچے، تو دیکھا کہ ایک ماہی گیر دریا میں جال ڈال رہا ہے۔ خواجہ ابوالحسن نوائیؒ نے ماہی گیر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اگر میں صاحبِ ولایت و کرامت ہوں گا، تو تمہارے جال میں میرے کہنے سے ڈھائی من وزن کی ایک مچھلی پھنسے گی اور یہ مچھلی ٹھیک اسی وزن کی ہوگی۔ نہ کم ہوگی نہ زیادہ۔ ان کے ارشاد کے مطابق واقعی اس وزن کی مچھلی پھنس گئی۔ اس کی خبر حضرت شیخ جنید قدس سرہٗ کو ملی تو انہوں نے فرمایا کہ کاش اس جال میں ایک مارِ سیاہ پھنستا اور ابوالحسن کو کاٹ لیتا کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں؟ جواب دیا کہ اگر سانپ ان کو کاٹ لیتا، تو وہ شہید ہو جاتے۔ لیکن اپنی کرامت کے بعد زندہ رہے، تو ان کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ ان کا خاتمہ کس طرح ہوا۔

سلسلہ چشتیہ میں سماع جائز ہے۔ فوائد الفواد میں کثرت سے اس کا ذکر آیا ہے۔ محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ سماع ایک صوتِ موزوں ہے، اس لئے حرام نہیں۔ اس سے تحریکِ قلب ہوتی ہے۔ اگر یہ تحریک یادِ حق کے لئے ہے تو مستحب ہے لیکن فساد کی طرف مائل ہے تو حرام ہے۔

سماع سے تین سعادتیں حاصل ہوتی ہیں۔

۱۔ انوار　　۲۔ احوال　　۳۔ آثار

اور یہ تین عالم سے نازل ہوتی ہیں۔

۱۔ ملک　　۲۔ جبروت　　۳۔ ملکوت

اور تین چیزوں پر نازل ہوتی ہیں۔

۱۔ ارواح ۲۔ قلوب ۳۔ جوارح

انوار عالم ملکوت سے ارواح پر، احوال عالم جبروت سے قلوب پر، اور آثار عالم ملک سے جوارح پر نازل ہوتے ہیں۔ انوار پھر احوال اور آخر میں آثار ظاہر ہوتے۔ آثار کے نزول سے جسم میں حرکت اور جنبش پیدا ہوتی ہے۔ دفعتہً جنبش اور ہیجان پیدا کرنے والی سماع کو ہاجم کہتے ہیں۔ لیکن سماع کے اثر کرنے کے بعد کسی شعر کو خدا یا اپنے پیر یا کسی ایسی چیز کی طرف منسوب کرے جو اس کے دل میں پیدا ہو تو وہ غیر ہاجم ہے۔

سماع کے لیئے حسب ذیل شرطیں لازمی ہیں :۔

۱۔ مسمع یعنی سنانے والا مرد ہو، لڑکا اور عورت نہ ہو۔

۲۔ مسموع یعنی جو چیز سنی جائے، وہ ہزلیات اور فواحش سے پاک ہو۔

۳۔ مستمع یعنی جو سنے وہ صرف خدا کے لیئے سنے۔

۴۔ آلاتِ سماع مثلاً چنگ، رباب اور دوسرے مزامیر نہ ہوں۔ محفل سماع میں عورتیں نہ ہوں۔

ایک مجلس میں مریدوں نے عرض کی کہ آج کل مخدوم کی خدمت کی خاطر ہر دفت سماع سننا جائز کر دیا گیا ہے۔ محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ جو چیز حرام ہے، وہ کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتی اور جو چیز حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہو سکتی۔ مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سماع دف اور چغانہ کے ساتھ جائز ہے۔ لیکن ہمارے علماء احناف اس کے خلاف ہیں۔ لیکن اب اس اختلاف میں حاکم وقت کا جو حکم ہوگا، وہی صحیح ہوگا۔ مریدوں میں سے ایک نے گزارش کی کہ آج کل بعض خانقاہوں میں درویش چنگ و رباب و مزامیر کی محفل سماع میں رقص کرتے ہیں۔ محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ وہ اچھا نہیں کرتے۔ کیونکہ جو فعل نامشروع ہے، وہ ناپسندیدہ ہے۔ ایک مرید نے عرض کی کہ یہ درویش جب محفل سے باہر آتے ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسی محفل میں کیوں شریک ہوئے، جہاں مزامیر تھے اور وہاں کیوں رقص کیا، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم سماع میں اس قدر مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ہم کو

خبر نہیں ہوتی کہ اس جگہ مزامیر بھی ہیں۔ محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ یہ جواب درست نہیں اور یہ تمام باتیں معصیت کی ہیں۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلفا کی فہرست بڑی لمبی ہے۔ ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت شیخ نصیر الدینؒ چراغ دہلی (دہلی) حضرت امیر خسروؒ (دہلی) حضرت شیخ قطب الدینؒ منوّر (ہانسی) حضرت شیخ حسام الدینؒ ملتانی (پاک پٹن) حضرت شیخ برہان الدینؒ غریب (دیوگری) حضرت شیخ حسام الدینؒ سوختہ (سانبھر) شیخ اخی سراج الدینؒ (مالدہ) حضرت خواجہ شمس الدینؒ دھاری (ظفرآباد) حضرت شیخ شرف الدینؒ بوعلی شاہ قلندر (پانی پت) حضرت شیخ منتخب الدینؒ (خلدآباد)

خواجہ حسن نظامی مرحوم (سجادہ نشین درگاہ نظام الدینؒ اولیاء) کا بیان ہے کہ چین میں بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے ایک خلیفہ تھے۔ ان کا اسم گرامی خواجہ سالار حسن ین تھا انہوں نے چین میں سلسلہ نظامیہ قائم کر کے اسلام کی تبلیغ کی۔

حضرت شیخ بو علی قلندرؒ

سلسلۂ نسب
مستی کی حالت
تذکرہ خواجہ شمس الدین ترکؒ
سیدی مولہ کا خون
وصال
تصانیف

نام شیخ شرف الدینؒ اور لقب بو علی قلندر تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی اولاد سے تھے سلسلہ نسب یہ ہے:۔

شیخ شرف الدین بو علی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابو بکر غازی بن فارس بن عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم بن محمد بن وانک بن امام اعظم ابو حنیفہؒ۔

والد ماجد ۶۰۰ھ میں عراق سے ہندوستان آئے۔ وہ بڑے متبحر اور جید عالم تھے۔ ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ ملتانی کی دختر نیک اختر سے ہوئی لیکن وہ لاولد فوت ہو گئیں۔ ان کے بعد مولانا سید نعمت اللہ صاحب ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے عقد ہوا، جو حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر کی ماں تھیں۔

شیخ بو علی قلندرؒ ۶۰۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ کم سنی میں تمام علوم ظاہری حاصل کیئے اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس ان کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا دہلی کے اکابر علماء مولانا قطب الدین، مولانا وجیہ الدین پائلی، قاضی ظہور الدین بجاری، قاضی حمید الدین صدر شریعت، مولانا فخر الدین پائلی وغیرہ ان کے علمی تبحر اور فضیلت کے معترف تھے لیکن جب تصوف کے کوچہ میں قدم رکھا اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوئے تو جذب وسکر کی حالت میں علوم و فنون کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی۔ اور پانی پت کے مضافات با گھونی اور کرنال کے نواح بڈھا کھیڑا میں آخر وقت تک مقیم رہے۔ خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ معارج الولایت کے مؤلف نے شیخ بو علی قلندر کو حضرت خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی

کا خلیفہ لکھا ہے۔ لیکن ان کی ارادت اور خلافت حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کی طرف بھی منسوب ہے۔ اخبار الاخیار میں ہے:۔

"بعض کہتے ہیں کہ آپ خواجہ بختیار کاکیؒ کے حلقۂ ارادت میں تھے اور بعضوں کی رائے ہے کہ آپ شیخ نظام الدین اولیاء سے عقیدت رکھتے تھے اور ان ہر دو روایات کی صحت کا ثبوت نہیں ملتا۔"

سکر اور مستی کی حالت میں ایک بار مونچھیں شرعی حدود سے بہت بڑھ گئی تھیں۔ کسی کو تراشنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ان کے ہم عصر بزرگ مولانا ضیاء الدین سنامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا۔ انہوں نے شیخ کی ریش مبارک کو پکڑ کر مونچھوں کو شرعی حد کے مطابق تراش دیا۔ جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ بوعلی قلندرؒ اپنی داڑھی کو پکڑ کر بار بار فرماتے، یہ ریش کیسی مبارک ریش ہے کہ شرع محمدیؐ کی راہ میں پکڑی گئی۔

شیخ بوعلی قلندرؒ کے قیام پانی پت کے زمانہ میں شمس الاولیاء حضرت خواجہ شمس الدین ترک اپنے خلیفہ تاج الاولیاء حضرت خواجہ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے یہاں آکر قیام پذیر ہوئے۔ حضرت خواجہ شمس الدین ترکستان کے سادات میں اور حضرت خواجہ احمد یسوی کے فرزند تھے۔ جن کا سلسلۂ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ملتا ہے۔ خواجہ شمس الدین علوم نقلی و عقلی کی تعلیم پانے کے بعد علم سلوک کی طرف مائل ہوئے اور ماوراء النہر کے بہت سے بزرگوں کی صحبت میں رہے۔ مگر جب کہیں تشنگی نہ بجھی، تو مرشد کامل کی طلب میں ہندوستان کی طرف چل کھڑے ہوئے ملتان پہنچ کر بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تربیت پانے کے بعد وہاں سے بابا فرید گنج شکرؒ کی ہدایت کے مطابق کلیر شریف پہنچے۔ شیخ علاء الدین صابرؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ "شمس الدین تو میرا بیٹا ہے۔ میں نے خدا سے التجا کی ہے کہ ہمارا یہ سلسلہ تمہارے ذریعے سے جاری ہو اور قیامت تک جاری رہے۔" اور اپنی چہار ترکی کلاہ اُن کے سر پر رکھ دی۔ وہ گیارہ سال تک پیر دستگیر کی خدمت میں رہے۔ مرشد کو اپنے ہاتھوں سے نہلاتے، وضو کراتے۔ ان کے لئے جنگلوں سے لکڑیاں لا کر کھانا پکاتے اور خود فقر و فاقہ سے مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہتے۔ مرشد سے علوم سینہ کی تحصیل کے بعد پانی پت

میں قیام کرنے کا حکم ملا۔ لیکن روحانی طور سے اس مقام کا بار اٹھانے کی صلاحیت نہیں پائی۔ اس لیئے مرشد کی اجازت سے مزدوری کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا دور حکومت تھا۔ دہلی آکر اس کی فوج میں سواروں کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔ کچھ دنوں میں ان کے پاس کافی دولت ہو گئی لیکن امارت کی کسی چیز سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ شب و روز ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔

سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے:۔ "ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا۔ ایک زمانہ اسی حالت میں گزر گیا اور قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ اسی دوران میں ایک رات ایسی سخت آندھی آئی اور بارش ہوئی کہ سپاہیوں اور امرائے اسلام کے خیمے گر پڑے بارش تیزی سے جاری رہی۔ سخت سردی پڑنے لگی اور کسی جگہ آگ باقی نہیں رہی۔ شاہی سقہ بادشاہ کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لیئے آگ کی تلاش میں نکلا۔ دفعتہً دور سے دیکھا کہ ایک خیمہ میں چراغ جل رہا ہے اور وہ خیمہ حضرت (یعنی خواجہ شمس الدینؒ ترک) کا تھا۔ سقہ دوڑا ہوا خیمہ کے پاس گیا۔ دیکھا کہ ایک فقیر کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہے۔ حضرت کے خوف سے وہ آگ مانگ نہ سکا۔ حضرت نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ اے بھائی! آؤ اور جتنی آگ چاہتے ہو لے جاؤ۔ وہ سامنے آیا اور ایک لکڑی آگ سے جلائی اور لوٹا لے کر لوٹ گیا۔ اس واقعہ سے سقہ کو بے قراری تھی۔ صبح کے وقت مشک لے کر اس خیمہ کی طرف چلا اور جب اس کے پاس پہنچا، تو حضرت کو اس میں نہ پا کر حیران ہوا۔ وہاں سے واپس آ کر ایک تالاب پر جو لشکرگاہ کے پاس تھا گیا، دیکھا کہ ایک نیک بزرگ وضو کر رہے ہیں۔ غور کیا تو وہی پاک صورت نظر آئی جن کے چراغ سے رات کو آگ جلا کر لے گیا تھا۔ یہ دیکھ کر ایک گوشہ میں کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بزرگ وضو کے بعد نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے گئے۔ سقہ نے اسی جگہ سے مشک میں پانی بھر لیا۔ باوجودیکہ جاڑے کا زمانہ تھا اور ہر جگہ پانی جم گیا تھا لیکن جس جگہ حضرت نے وضو کیا تھا، وہاں کا پانی اس قدر گرم تھا، گویا کسی نے اس کو ابھی گرم کیا ہے۔ اس کو لے کر اپنے کارخانہ میں گیا اور اپنی عقل سے معلوم کیا کہ یہ سب کچھ اسی مردِ خدا کی عظمت و برکت کے سبب ہوا ہے لیکن اس راز کو کسی سے ظاہر نہیں کیا۔ دوسرے دن حضرت کے پہنچنے سے پہلے جب

دو چار گھڑی رات رہ گئی تھی ، تالاب پر پہنچا اور پانی کو دیکھا کر جما ہوا ہے ۔ قریب ہی ایک درخت تھا ، اُس کے پیچھے چھُپ کر بیٹھ گیا ۔ یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے ۔ ان کے پہنچنے کے ساتھ ہی تالاب کے پانی نے جوش مارا ۔ حضرت نے وضو کیا اور نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گئے ۔ سقہ نے گرم پانی کو مشک میں بھرا اور سُلطان غیاث الدین بلبن کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس وقت جب سُلطان دربار عام میں بیٹھا تھا ، سقہ نے فریاد کی ۔ سُلطان نے اس کو بلا کر استفسار کیا ۔ اُس نے عرض کی اگر جہاں پناہ میرے راز کو خلوت میں سُنیں ، تو گزارش کروں ۔ سُلطان نے اس کا موقع دیا اور سقہ نے حضرت کا تمام حال بیان کیا ۔ سُلطان سُن کر متحیر ہوا اور اپنی خواب گاہ میں اس کو ٹھہرنے کا حکم دیا ۔ جب رات ہوئی تو سلطان خیمہ کے اندر چلا گیا اور دروازہ کی کنجی سقہ کے حوالے کر دی ۔ جب تین چار گھڑی رات باقی رہ گئی ، تو سقہ نے دروازہ کھول کر سلطان کو جگا دیا ۔ سُلطان مسلح ہو کر باہر نکلا اور سقہ کے ساتھ پا پیادہ تالاب پر پہنچا ۔ پانی کو دیکھا تو بالکل سرد تھا ۔ وہ چھپ کر وہیں بیٹھ گیا ۔ یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے ۔ ان کے پہنچتے ہی حسب معمول پانی میں جوش آ گیا ۔ جس کو سُلطان نے خود دیکھا ۔ حضرت نے وضو کر کے نماز ادا کی ۔ اور اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے چلے ۔ سُلطان نے پانی کو دیکھا تو گرم تھا ۔ وہ متحیر ہوا اور حضرت کے پیچھے پیچھے چلا ۔ حضرت خیمہ میں پہنچ کر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے ۔ سُلطان دست بستہ وہیں کھڑا رہا ۔ جب وہ تلاوت سے فارغ ہو چکے ، تو بادشاہ کو دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور سلام کیا ۔ سُلطان نے اظہار ادب کر کے عرض کیا کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہیں ہو سکا ۔ حضرت نے ہر چند اپنے کو چھپانے کی کوشش کی لیکن بے سود تھا ۔ مجبوراً دُعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فاتحہ پڑھ کر فرمایا کہ اسی وقت حملہ کیا جائے ۔ انشاء اللہ فتح ہو گی ۔ سلطان خوش خوش رخصت ہوا اور لشکر میں پہنچ کر اسی وقت حملہ کیا ۔ قلعہ فتح ہو گیا ۔ سُلطان جب مسرت سے معمور اپنے فتح مند لشکر میں پہنچا تو دوسرے دن برہنہ پا حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا ۔ حضرت نے اپنے نورِ باطن سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا ۔ حضرت نے اپنا تمام اسباب مال و متاع

فقراء کو دے دیا اور کملی اوڑھ کر لشکر سے چل کھڑے ہوئے۔ اپنے پیر دستگیر کی خدمت میں پہنچے۔ کچھ دنوں وہاں رہ چکے تو پانی پت میں مامور کئے گئے۔"

گو ہم اپنے موضوع سے کچھ الگ ضرور ہو رہے ہیں لیکن یہ اس لئے کہ ناظرین کو اندازہ ہو جائے کہ سلطان بلبن کو اولیاء اللہ سے کیسی عقیدت تھی۔ تاریخوں میں اس کی دین داری، خدا ترسی اور عبادت گزاری کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ مولانا ضیاء الدین برنی رقم طراز ہیں :-

"وہ (یعنی سلطان بلبن) عبادت، ریاضت، روزے، نوافل اور شب بیداری میں غیر معمولی اہتمام کرتا۔ جمعہ کی نماز، نماز باجماعت، اشراق و چاشت، اوابین اور تہجد کی پابندی کرتا خواہ کوئی موسم ہو رات کو جاگتا۔ سفر و حضر میں اوراد و وظائف کو نہ چھوڑتا۔ کبھی بے وضو نہ رہتا۔ علماء کے بغیر کھانا نہ کھاتا۔ کھانے کے وقت علماء سے دینی مسائل پوچھتا اور اس وقت بحث و مباحثہ بھی ہوتا۔ علماء و مشائخ کی بے حد تعظیم کرتا اور بزرگانِ دین کی ملاقات کے لئے ان کے آستانوں پر حاضری دیتا۔ شہر کے سادات، مشائخ و علماء میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا تو خود ان کے جنازہ میں شریک ہوتا۔ سوئم میں حاضر ہو کر ان کے ورثاء کو خلعت دیتا۔ جاگیر اور وظیفہ مقرر کرتا۔ وہ اپنے لشکر کے قاضیوں کی بھی بڑی عزت کرتا جو اپنے تقویٰ اور دینداری کے لئے ممتاز ہوتے اور وہ سلطان سے جس بات کی سفارش کرتے اس کو وہ ضرور قبول کرتا۔"

لیکن اس زہد و عبادت اور سلامت روی کے باوجود وہ ایک مسلمان حکمران کے فرائض سے غافل نہیں رہنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اپنے لڑکوں اور خاص خاص لوگوں سے سید نورالدین کے اس وعظ کا ذکر بار بار کرتا جو انہوں نے سلطان شمس الدین التمش کے سامنے کہا تھا۔ یہ وعظ طویل ہے لیکن اس کا ایک حصہ یہ ہے کہ اگر ایک بادشاہ روزانہ ہزار رکعتیں نماز پڑھتا رہے، تمام عمر روزے رکھتا رہے، گناہوں سے بچتا رہے لیکن وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسولؐ کے دشمنوں کے قلع قمع کرنے میں صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کراتا ہو، اپنے ملک میں امر معروف کو جاری کرانے اور نہی عن المنکر کو مٹانے میں کوشاں نہ رہتا ہو اور عدل و انصاف سے کام نہ لیتا ہو تو اس کی جگہ دوزخ کے سوا اور کوئی نہ ہوگی۔ مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن جب وعظ کے اس حصے کو بیان کرتا تو

زار زار رونے لگتا۔

جب حضرت شمس الدین ترکؒ پانی پتی کا نزولِ اجلال پانی پت میں ہوا، تو دودھ سے ایک بھرا ہوا پیالہ اپنے خادم کے ہاتھ شیخ بو علی قلندرؒ کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ بو علی قلندرؒ خادم کو دیکھ کر مسکرائے۔ گلاب کے چند پھول ان کے سامنے پڑے تھے، ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اُسے حضرت شمس الدین ترکؒ کے پاس واپس کر دیا۔ وہ پیالے میں گلاب کی پتیاں دیکھ کر متبسم ہوئے۔ حاضرینِ مجلس نے تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا کہ شیخ بو علی قلندرؒ کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھ کو عطا کیا ہے، جو مجھ سے پُر ہو گیا ہے۔ شیخ بو علی قلندرؒ نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ واپس کر دیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور یہاں اسی طرح رہیں گے جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں۔ شیخ بو علی قلندر سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا۔ چنانچہ دونوں میں آخر وقت تک اخلاص اور محبت قائم رہی۔

کبیر الاولیاء حضرت شیخ جلال الدینؒ محمود پانی پتی شیخ بو علی قلندرؒ ہی کے فیضِ نظر سے راہِ طریقت پر گامزن ہوئے۔ ایک دن شیخ بو علی قلندرؒ سرِ راہ بیٹھے ہوئے تھے کہ کم سنی کے زمانہ میں شیخ جلال الدین گھوڑے پر سوار اُدھر سے گزرے۔ ان کو دیکھ کر شیخ بو علی قلندرؒ نے فرمایا "زہے اسپ وزہے سوار"۔ کانوں میں یہ آواز پڑتے ہی شیخ جلال الدین بے خود ہو گئے۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور اسی وقت گریبان چاک کر کے جنگل کی راہ لی۔ چالیس سال تک جنگل میں پھرتے رہے۔ اس درمیان میں مختلف درویشوں اور فقیروں کی صحبت اختیار کی پھر جب وطن واپس آئے، تو شیخ بو علی قلندر سے بیعت کے لئے مصر ہوئے۔ شیخ نے فرمایا:

"اے فرزند عزیز! کشائش تو موقوف بر مرد دیگر است" (ترجمہ: اے فرزند عزیز! تمہاری مشکل ایک دوسرے مرد کی وساطت سے حل ہو گی۔)

چنانچہ جب حضرت شمس الدین ترکؒ پانی پتی کا ورود مسعود پانی پت میں ہوا تو شیخ بو علی قلندرؒ نے شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے پاس ارادت کے لئے بھیجا، جو آگے چل کر اُن کے خلیفہ ہوئے۔

سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت خواجہ بو علی قلندر سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ اُن کے حلقۂ ارادت میں بھی شامل ہو گیا تھا اور بزرگانِ دین ہی کی صحبت کا شاید یہ اثر تھا کہ اس میں حلم، نرمی اور خدا ترسی کے اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے۔ مگر ان خوبیوں کے باوجود حضرت سیدی مولہ کا خون اس کے سر پر ہے۔ گو اس واقعہ کی تفصیل ہمارے موضوع سے متعلق نہیں لیکن ناظرین کو اس سے دلچسپی ہوگی، اس لئے اس کو مجملاً مولانا ضیاء الدین برنی کی زبانی بیان کرتے ہیں:-

"سیدی مولہ ایک درویش تھے، جو سلطان بلبن کے عہد میں ولایت ملک بالا سے شہر (یعنی دہلی) میں آئے۔ وہ عجیب طریقے رکھتے تھے۔ خرچ کرنے اور کھانا کھلانے میں بے نظیر تھے۔ لیکن جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتے تھے۔ گو وہ نماز کے پابند تھے، مگر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے تھے، جس کی پابندی تمام بزرگانِ دین نے کی ہے۔ وہ مجاہدہ و ریاضت بہت کرتے تھے۔ جامہ اور چادر پہنتے۔ چاول کی روٹی معمولی سالن سے کھاتے تھے۔ ان کے پاس کوئی عورت، کنیز اور خدمت گار نہ تھا اور نہ وہ کسی نفسانی خواہش میں مبتلا تھے۔ کوئی کچھ دیتا تو اس کو قبول نہ کرتے۔ لیکن ان کے اخراجات اتنے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ عام خیال تھا کہ وہ علمِ کیمیا جانتے ہیں۔ اپنے دروازہ کے سامنے میدان میں انہوں نے ایک خانقاہ بنوائی تھی۔ اس کی تعمیر میں ہزاروں روپے خرچ کئے تھے۔ اس خانقاہ میں بڑی مقدار میں کھانا پکتا تھا۔ بڑی دیجری سفر کرنے والے مسافر یہاں آکر مقیم ہوتے تھے۔ اور ان کو دو وقت کھانا ملتا تھا۔ کھانا ایسا ہوتا تھا کہ اس زمانہ کے خوانین و ملوک کو میسر نہ تھا۔ خانقاہ میں ہزاروں من میدہ خرچ ہوتا تھا۔ پانچ سو جانور ذبح کئے جاتے تھے۔ دو تین سو من شکر اور سو دو سو من نبات خریدی جاتی تھی۔ خانقاہ کے سامنے آدمیوں کا ایک ہجوم رہتا تھا۔ ان کے پاس (یعنی حضرت سیدی مولہ) نہ کوئی گاؤں تھا اور نہ ان کو شاہی وظیفہ ملتا تھا اور نہ وہ کسی سے فتوح قبول کرتے تھے۔ جب کسی سے کوئی چیز خریدتے یا کسی کو کچھ رقم دینا چاہتے تو کہتے کہ جاؤ، فلاں پتھر یا اینٹ کے نیچے جا کر اتنے نقرئی ٹنکے لے لو۔ وہ جاتا تو واقعی اینٹ یا پتھر کے نیچے یا طاق میں طلائی اور نقرئی سکے مل جاتے۔ یہ سکے ایسے ہوتے جیسے دار الضرب سے بالکل نئے نکلے ہوں۔"

آگے چل کر مولانا ضیاءالدین برنی لکھتے ہیں :-

"حضرت سیدی مولہ کی خانقاہ کے اخراجات سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں اور بھی زیادہ بڑھ گئے تھے۔ سلطان جلال الدین کا بڑا لڑکا خانخاناں ان کا معتقد ہو گیا تھا۔ وہ اپنے کو حضرت سیدی مولہ کا بیٹا کہتا تھا۔ امراء اور حکام کی آمدورفت ان کے پاس بڑھ گئی تھی قاضی جلال کاشانی نے جو اس زمانہ کا بڑا قاضی تھا لیکن فتنہ انگیز تھا، سیدی سے تعلقات پیدا کئے۔ دو دو تین تین راتیں خانقاہ میں بسر کرتا اور وہاں کے لوگوں سے گفتگو کرتا۔ بلبن کے عہد کے مولازادے جو امراء اور ملوک کی اولاد سے تھے، اس گفتگو میں شریک رہتے۔ یہ سب عہد جلالی میں بالکل بے سروسامان، بے اقطاع اور بے حشم ہو گئے تھے۔ برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال جو آزادوں اور پہلوانوں کے گروہ میں تھے اور بلبنی عہد میں ایک لاکھ جیتل وظیفہ پاتے تھے، بے وظیفہ ہو گئے تھے۔ بعض دوسرے اکابر جو عہدوں سے معزول کر دیئے گئے تھے۔ سیدی کی خانقاہ میں آ کر رات کو سوتے اور ان سے کچھ چیزیں پاتے۔ لوگ سمجھتے کہ ان اکابر کی آمدورفت محض حصول برکت کے لئے ہوتی ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ قاضی جلال کاشانی، خان زادے، ملک زادے، برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال رات کو سیدی کے پاس بیٹھ کر فتنہ انگیزی کا مشورہ کرتے ہیں۔ چنانچہ برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال نے ارادہ کیا کہ جمعہ کے روز جب نماز کے لئے سلطان جلال الدین کی سواری نکلے تو اس پر حملہ کر دیا جائے اور سیدی کو خلیفہ بنا کر ان کا نکاح سلطان ناصر الدین کی لڑکی سے کر دیا جائے اور قاضی جلال کو قاضی خان کا عہدہ اور ملتان کا اقطاع دار مقرر کیا جائے۔ اسی طرح اور اقطاعات ملک زادوں اور خان زادوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ ان بے کار لوگوں میں سے ایک شخص نے جو مشورے میں شریک تھا، ان سے منحرف ہو کر یہ تمام خبریں سلطان جلال الدین تک پہنچا دیں۔ سیدی اور ان کے تمام ساتھی متہم کر کے سلطان کے سامنے لائے گئے۔ سلطان نے تفتیش کرنی چاہی تو سب نے انکار کر دیا۔ اس زمانہ میں یہ رواج نہ تھا کہ انکار کرنے والوں سے لات اور ڈنڈے کے ذریعہ اقرار کیا جاتا۔ چنانچہ "دب" کے لئے حکم جاری کیا گیا۔ سلطان اور دوسرے لوگوں کو سازش کا پورا یقین تھا لیکن سازش کرنے والے منکر تھے۔ دوسرا کوئی ثبوت نہ تھا اور ان پر

کوئی حکم نافذ نہ کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے بہار پور کے میدان میں آگ روشن کی گئی۔ سلطان ملوک اور خوانین کے ساتھ وہاں پہنچا۔ ایک کوشک خاص نصب کیا گیا۔ سلطان نے شہر کے تمام اکابر علماء و مشائخ کا محضر طلب کیا۔ اس میدان میں شہر کے خواص و عوام بھی جمع ہوئے۔ سلطان نے حکم دیا کہ سازش کرنے والوں کو آگ میں ڈال دیا جائے تاکہ جھوٹ اور سچ روشن ہو جائے۔ لیکن اس کے بارے میں جب علماء سے استفسار کیا گیا تو متدین علماء نے کہا کہ دب نامشروع ہے اور آگ کے ذریعہ سے جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں کی جا سکتی ہے۔ سازش کی خبر صرف ایک شخص نے دی ہے اور ایسے جرم میں ایک شخص کی شہادت قابل سماعت نہیں۔ اس لئے سلطان نے "دب" کا ارادہ ترک کر دیا اور قاضی جلال کو جو فتنہ کا سرغنہ تھا، بدایون کا قاضی بنا کر وہاں بھیج دیا۔ خان زادوں اور ملک زادوں کو جلاوطن کر دیا اور ان کی املاک ضبط کر لی۔ برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال کو سزا دی۔ اس کے بعد سیدی مولہ کو باندھ کر سلطان کے کوشک کے پاس لایا گیا۔ سلطان نے ان سے خود مباحثہ کیا۔ اس مجمع میں شیخ ابوبکر طوسی حیدری بھی اپنی حیدری جماعت کے ساتھ موجود تھے۔ سلطان نے اُن سے خطاب کر کے کہا "اے درویشان! انصافِ من ازیں مولہ بستانید۔" (ترجمہ: اے درویشو! مجھے اس مولہ سے انصاف دلاؤ) بحری نامی ایک حیدری نے بڑھ کر سیدی کو استرے سے زخمی کر دیا۔ ارکلی خان نے کوشک کے اُوپر سے فیلبانوں کو اشارہ کیا۔ ایک ہاتھی سیدی کی طرف دوڑا اور ان کو پاؤں تلے مسل ڈالا۔"

اس کے بعد مولانا ضیاء الدین برنی اپنے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایسا حلیم و بردبار بادشاہ اس معاملہ میں مشوروں کو سننے کی طاقت نہ پیدا کر سکا اور ایسا حکم صادر کر دیا، جس سے درویشی کی عزت جاتی رہی۔ مجھ کو یاد ہے کہ جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا، ایک سیاہ طوفان آیا اور تاریکی چھا گئی۔ سیدی مولہ کے قتل کے بعد ملک میں طرح طرح کے فتور پیدا ہو گئے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ کسی درویش کو قتل کرنا نحس ہے اور کسی بادشاہ کو راس نہیں آتا۔ سیدی مولہ کے قتل کے بعد اس سال بارش نہیں ہوئی۔ دہلی میں قحط پڑ گیا اور غلہ ایک جیتل میں ایک سیر ملنے لگا۔ سوالک کے علاقہ میں ایک قطرہ بھی بارش نہیں ہوئی۔ اس سرزمین

کے ہندو، عورتوں اور بچوں کے ساتھ دہلی چلے آئے۔ بیس بیس اور تیس تیس آدمی ایک جگہ رہتے اور بھوک سے بیتاب ہو کر اپنے کو جمنا میں غرق کر دیتے تھے۔ ادنیٰ لوگ سلطان اور امراء کے صدقات پر زندگی بسر کرتے تھے۔"

اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے کہ "جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا بے انداز باد و غبار فضا میں اٹھا۔ دنیا تاریک ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آگئی ہے۔ سلطان جلال الدین نے یہ حال دیکھا تو سیدی مولہ سے اس کو اعتقاد پیدا ہو گیا، جو پہلے نہ تھا۔"

۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ میں شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ تاریخ وفات "یا شرف الدین ابدال" سے نکلتی ہے۔ کرنال میں مدفون ہوئے لیکن کہا جاتا ہے کہ اعزا و اقربا نے ایک رات پوشیدہ طور پر نعش مبارک کو پانی پت میں لے جا کر دفن کر دیا۔ چنانچہ کرنال، پانی پت، بڑھا کھیڑا اور باگھوتی میں آج بھی ان کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے۔

حضرت شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے حسب ذیل تصانیف منسوب ہیں:۔

۱۔ مکتوبات بنام اختیار الدین ۲۔ حکم نامہ شرف الدین ۳۔ مثنوی کنز الاسرار
۴۔ رسالہ عشقیہ

مکتوبات کے بارے میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

"او را مکتوب است بزبان عشق و محبت مشتمل بر معارف و حقائق توحید و ترک دنیا وطلب آخرت و محبت مولے جملہ آں بنام اختیار الدین می گوید۔"

(ترجمہ: اس کا ایک مکتوب عشق و محبت کے پیرائے میں اختیار الدین کے نام ہے جو توحید، ترک دنیا، طلب آخرت اور اللہ کی محبت کے متعلق حقائق و معارف سے لبریز ہے۔)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

"مکتوبات دی کہ بنام اختیار الدین مرید خود تحریر کردہ است۔ کتابے است جامع علوم توحید۔" (ترجمہ: آپ نے جو مکتوبات اپنے مرید اختیار الدین کے نام تحریر کیے، وہ ایک کتاب کی صورت میں ہیں اور علوم توحید کے جامع ہیں۔)

سلطان شمس الدین التمش کے شاہی حاجب کا نام بھی اختیار الدین تھا۔ شاید یہ مکتوبات اسی کے نام ہوں۔ بعض مکتوبات کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

"اے برادر! جب تم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عنایت شروع ہو جائے۔ تم میں جذبہ پیدا ہونے لگے اور تم کو تم سے دور کیا جائے، تو گویا تم میں عشق کا آغاز اور تم پر حسن کا جلوہ ظاہر ہو گیا۔ اور جب تم کو حسن کا مشاہدہ ہو جائے تو معشوق کو پہچانو اور عاشق بن کر معشوق ہو جاؤ۔ اور جب عاشق بن کر معشوق ہو گئے تو اسی طرح کام کرو۔ معشوق کی سنت اور عاشق کے فریضہ کو قائم رکھو۔ اس وقت معشوق کو عاشق کے ذریعہ سے پہچان لوگے۔

اے برادر! معشوق کو تمہاری ہی صورت میں پیدا کر کے تمہارے درمیان بھیجا گیا ہے۔ تاکہ براہ راست وہ تم کو وہ دعوت دے۔ اے برادر! خدائے عزوجل نے بہشت و دوزخ پیدا کیا اور اس کا حکم ہے کہ دونوں پُر کئے جائیں گے۔ معشوق کو عاشقوں کے ساتھ بہشت میں جگہ دی جائے گی اور شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوزخ کو پُر کرے گا۔ بہشت و دوزخ میں عاشقوں کے سوا کوئی نہیں ہو گا۔ دونوں عاشق ہی کے حسن سے پیدا ہوئے ہیں اور دونوں مقام غیر نہ ہوں گے۔ بہشت دوستوں سے وصال کا مقام ہے۔ دوزخ دشمنوں کے لئے جائے فراق ہے۔ یہ فراق کافروں اور منافقوں کو حاصل ہو گا۔ اور وصال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں اور دوستوں کو نصیب ہو گا۔

اے برادر! چشم دل کو کھولو اور اچھی طرح سے دیکھو۔ اور یہ جانو کہ عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے لئے کیا کیا چیزیں اور کیا کیا تماشے پیدا کئے ہیں۔ اپنا حسن ایک درخت میں منتقل کر دیا ہے۔ اور گوناگوں میوے پیدا کئے۔ ہر میوہ میں علیحدہ مزہ رکھا اور اس درخت کو نہ اپنی ذات کی خبر اور نہ اپنے پھول کی خبر اور نہ اپنے میوہ کی خبر ہے۔ گنا تمہارے لئے پیدا کیا اور اس کو شکر کی خبر نہیں۔ مشک کو ہرن کی ناف میں رکھا، جو تمہارے لئے ہے۔ اور ہرن کو مشک کی کوئی خبر نہیں۔ گائے سے عنبر کو تمہارے لئے پیدا کیا اور گائے کو عنبر کی خبر نہیں۔ زباد کو بلی سے تمہارے لئے پیدا کیا اور بلی کو زباد کی خبر نہیں۔ کافور کو تمہارے لئے درخت سے پیدا کیا اور درخت کو کافور کی خبر نہیں۔ صندل کو تمہارے لئے پیدا کیا اور

صندل کو اپنی خبر نہیں۔ اے برادر! عاشق ہو جاؤ اور دونوں عالم کو معشوق کا حسن جانو اور اپنے آپ کو معشوق کا حسن کہو۔ عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے وجود کا ملک بنایا تاکہ اپنے حسن و جمال کو تمہارے آئینہ میں دیکھے اور تم کو محرم اسرار جانے اور الانسان سری و انا سرہ (انسان میرا بھید ہے) تمہاری شان میں آیا ہے۔ عاشق ہو جاؤ تاکہ حسن کو ہمیشہ دیکھو اور دنیا و عقبیٰ کو پہچانو عقبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک ہے اور دنیا شیطان کی ملکیت ہے۔ دونوں میں معلوم کرو کہ تمہارے لئے کس کو پیدا کیا ہے۔ اے برادر! نفس کو اچھی طرح پہچانو۔ جب تم نفس کو پہچان لوگے تو دنیا کو بھی پہچان سکو گے۔ اور اگر روح کو پہچان لو گے، تو عقبیٰ کو پہچان لوگے۔ اے برادر دنیا! کفر میں جو حسن رکھا گیا ہے، عاشق جانتے ہیں کہ اُس نے (یعنی حسن نے) کفر کو اپنے عاشقوں کے سامنے کس قدر آراستہ کر دیا ہے۔ جو دنیا کا عاشق ہے، اس کا معشوق کفر کا حسن ہے اے برادر! تم جانتے ہو کہ حسن کا جو غمزہ کفر میں رکھا گیا ہے۔ اُس نے کس قدر پُر لطف تیر دنیا والوں پر مارا ہے اور ان کو اپنا عاشق بنا لیا ہے۔

اے برادر! اپنی جستجو میں رہو اور اپنے کو پہچانو۔ جب تم اپنے نفس کو پہچان لوگے، تو عشق کو بھی جان سکو گے اور جب عشق کو اپنے حسن پر دیکھو گے تو کل اطلسان کی کیفیت اپنے میں پاؤ گے۔ عاشق ہو جاؤ اور معشوق کو اپنی گود میں دیکھو اور حسن کو اپنے دل کے آئینہ میں معائینہ کرو۔

آں شاہدِ معنی کہ ہمہ طالب اویند ہم اوست کہ از چادر تو ساختہ سرپوش
در بادیۂ ہجر چرا بند بمانیم در عین وصالیم نگار است در آغوش

(ترجمہ:- وہ حقیقی محبوب کہ تمام لوگ اس کے طالب ہیں، وہی ہے جس نے تمہارے وجود کی چادر سے اپنے آپ کو ڈھانپ رکھا ہے۔ ہم ہجر کے صحرا میں کیوں بند رہیں۔ ہم عین وصال کی حالت میں ہیں اور محبوب بغل میں ہے۔)

اے برادر! قند کا ایک گولہ لاؤ اور اس سے سو گولے بنا لو۔ ہر گولہ سے ایک صورت بناؤ اور ہر صورت کا ایک نام رکھو۔ بعض کو گھوڑا اور بعض کو ہاتھی کہو تو قند کا نام جاتا رہے گا اور صرف وہ صورت باقی رہے گی۔ جب کل صورتوں کو توڑ کر قند کا گولہ بنا لو تو قند کا نام پھر ظاہر

ہو جائے گا۔"

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :-

"اے برادر! یہ نہیں معلوم کہ ہم لوگوں کو کس لیئے پیدا کیا گیا۔ اور ہم لوگوں کے ساتھ کیا ہوگا۔ لیکن خیال ہمیشہ فکر کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔ کبھی فکر بیمار سے دل کے آئینہ کو آراستہ کر دیتی ہے اور عاشق کے سامنے معشوق کو ظاہر کرتی ہے۔ اور عاشق کا وہ حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے۔ عاشق کے فرض اور معشوق کی سنت کے مطالعہ میں بجا لاتی ہے۔ عاشق کے عشق اور معشوق کے حسن سے باطن کو معمور رکھتی ہے اور حسن کے تماشہ سے عاشق اپنے ظاہر کو بھلا دیتا ہے اور اپنے باطن کے تماشہ میں مصروف ہو جاتا ہے تاکہ عاشق کا حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے، نافذ ہو جائے۔ اے برادر! کبھی خیال نفس کا دوست ہو جاتا ہے اور حال خیال کے ساتھ متحد ہو کر دنیا کی روزی کی طرف لے آتا ہے۔ خیال دنیا کی آرائش نفس کو دکھلاتا ہے اور اس کے شوق میں اس کو پریشان کرتا ہے اور اس کو یعنی نفس کو معشوق کے دروازے پر پھراتا ہے ہر دروازہ پر ذلیل کرتا ہے اور (نفس) شوق اور آرائش کی آسائش کی وجہ سے اس ذلت سے واقف نہیں ہوتا اور یاد نہیں آتا اور یہ نہیں سوچتا کہ دنیا نے کسی کے ساتھ بھی وفا کی ہے اور نہ وفا کرے گی۔ نہ اس کو (نفس کو) موت کی فکر ہوتی ہے کہ وہ دفعتہً آکر اس کو فنا کر دے گی۔ دنیا کی آرائش کا حسن دنیا کے عاشقوں کو اپنے عشق میں ایسا بے خبر کر دیتا ہے کہ نہ اس کو اس دنیا کی خبر ہوتی ہے جس کو انہوں نے معشوق بنایا ہے۔ اس کی بھی ان کو خبر نہیں ہوتی کہ اگر دنیا ختم ہو جائے گی، تو کیا واقعات ظہور پذیر ہوں گے۔ اور نہ عقبیٰ کی خبر ان کو ہوتی ہے کہ ان کے سامنے کیا مہم درپیش ہے۔ اے برادر! سوچو کہ تمہارے سامنے ایک مہم درپیش ہے اور تم نے خیال اور فکر کو اپنا مونس بنایا ہے۔ خیال کی نسبت ہوش رکھو کہ وہ نفس کا دوست ہو گیا ہے۔ اے برادر! کچھ معلوم نہیں کہ خیال اور فکر کیا حال پیدا کریں۔ جب وہ (حال) تم کو نظر آئے گا، اس وقت تم کو معلوم ہوگا کہ یہ قسمت میں لکھا تھا کہ تمہارے سامنے آیا۔ اے برادر! میں نہیں جانتا ہوں کہ میں کیا کروں اور مجھ سے کون سا کام بن پڑے گا اور کیا میری زبان سے نکلے گا۔ زبان خدا کی قدرت میں ہے۔ اگر تم

پر خدا کا فضل ہوا تو تمہاری زبان سے وہ بات نکلے گی، جو دونوں جہان کو پسند ہوگی۔ اے برادر! اس قدر معلوم ہوا کہ خدا نے اپنی مشیت سے تم کو پیدا کیا اور اپنی مشیت سے باقی رکھتا ہے۔ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید (یعنی جو کچھ اس نے چاہا، اُس کو کیا اور جو کچھ چاہتا ہے، کرتا ہے۔ کسی کو اس کی مشیت میں دخل نہیں"۔

حکم نامہ شرف الدین کے بارے میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں:۔

"در رسالہ دیگر در عوام الناس شہرت دارد کہ اورا حکم نامہ شیخ شرف الدین می گویند۔ ظاہر آنست کہ آں از مخترعات عوام است"۔ (ترجمہ: ایک اور رسالہ عوام الناس میں مشہور ہے۔ اسے حکم نامہ شیخ شرف الدین کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات عوام الناس کی خود ساختہ ہے۔)

اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے۔ (دیکھو کٹیلاگ فارسی مخطوطات ص ۵۷۰ نمبر ۱۱۹۶)

حضرت شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے دو مثنویاں منسوب ہیں۔ مثنوی کنزالاسرار اور رسالہ عشقیہ۔ خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف نے صرف اتنا لکھا ہے:۔

"وسوائے ازیں مثنوی است۔ مختصر کہ مخزن رموزِ توحید و معارف است"۔ (ترجمہ: اور اس مثنوی کے علاوہ ہے۔ مختصر یہ کہ توحید و معارف کے اسرار کا خزانہ ہے۔)

۱۸۹۱ء مطابق ۱۳۰۹ھ میں مطبع نامی لکھنؤ سے ایک منظوم رسالہ مثنوی شاہ بوعلی قلندرؒ کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اگر یہ رسالہ واقعی حضرت شاہ بوعلی قلندرؒ کا ہے، تو ہم اس کو رسالہ عشقیہ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں عشق پر بہت سے اشعار ہیں۔ مثلاً:۔

عشق کو بے بال و پر طیران کند — عشق کو در لامکاں جولاں کند
عشق کو تا تاجِ سلطانی نہد — عشق کو ملکِ سلیمانی دہد
عشق کو تا چشمِ دل بینا کند — عشق کو تا سینہ پُر سودا کند
عشق کو تا عقل را زائل کند — عشق کو تا عقل را حاصل کند

عشق کو تا جامِ مدہوشی دہد — عشق باید تا فراموشی دہد
عشق دہ تا بے خبر سازد مرا — بادہ گو بے پا و سر سازد مرا
عشق باید تا دہد جامِ شراب — عشق سازد ساغرِ آفتاب

اس میں قریب ۲۶۲ اشعار ہیں۔ مثنوی کا آغاز ان اشعار سے کیا گیا ہے ۔

مرحبا اے بلبلِ باغِ کہن — از گلِ رعنا بگو با ما سخن
مرحبا اے قاصدِ طیارِ ما — می دہی ہر دم خبر از یارِ ما
مرحبا اے ہدہدِ فرخندہ فال — مرحبا اے طوطیِ شکر مقال
در زمان ہفت آسمان را طے کنی — مرکبِ حرص و ہوا را پے کنی
دمبدم روشن کنی در دل چراغ — ہر نفس از عشق سازی سینہ داغ
از تو روشن گشت فانوسِ تنم — از تو حاصل شد مرا وصلِ صنم
مرحبا اے رہنمائے راہِ دین — از تو روشن شد مرا چشمِ یقین
یافت قالب طینتِ پاکی ز تو — شد پریشان آدمِ خاکی ز تو

مرحبا اے فیض بخشِ کائنات
یافت ترکیب از وجودِ تو حیات

مثنوی کا خاتمہ حسبِ ذیل طریقہ پر ہوتا ہے:۔

یا الٰہی چشمِ بینائی بدہ — در سرم از عشق سودائی بدہ
آتش افگن در دلم مانندِ طور — شعلہ برخیزد و گردد زنگ دور
سالہا شد از تو می خواہم ترا — حاجتم را چون نمی سازی روا
از لسان الغیب این گردد نوید — از درِ تو کس نہ گشتہ ناامید
ہر کہ بر درگاہِ تو رو آورد — ناامید از درگہِ تو چون رود
ہر کہ آید بر درت امیدوار — شاہدِ مقصود یابد در کنار
اے خدائے من بحقِ مصطفٰے — از طفیلِ حرمتِ آلِ عبا
روزِ محشر دار با آلِ رسول — از طفیلِ مقبلان گردد قبول

حضرت
شیخ ابوالفتح رکن الدینؒ

خاندان
تعلیم
سلاطین و مشائخ سے تعلقات
حضرت محبوب الٰہی سے محبت
خدمت خلق اللہ
حضرت محبوب الٰہی سے آخری ملاقات
وصال
نور باطن
تواضع
تعلیمات

حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین، حضرت شیخ صدرالدین کے لڑکے اور حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے۔ والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا، جو اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے رابعۂ عصر کہلاتی تھیں۔ انہوں نے اپنے خسر شیخ بہاءالدین زکریاؒ کے زیر سایہ باطنی وروحانی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ان کو کلام مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا۔ روزانہ ایک بار کلام مجید ختم کرتی تھیں۔ شیخ رکن الدین کی ولادت سے پہلے حضرت بہاءالدین زکریاؒ نے بشارت دی تھی کہ ان کی وجہ سے خاندان کا چراغ روشن ہوگا۔ ایک روز جب کہ شیخ رکن الدین چار سال کے تھے، شیخ بہاءالدین زکریاؒ چارپائی پر بیٹھے تھے اور دستار مبارک سر سے اتار کر چارپائی کے پایہ پر رکھ دی تھی۔ شیخ صدرالدین بھی پاس ہی مؤدب بیٹھے تھے کہ شیخ رکن الدین کھیلتے ہوئے آئے اور دادا کی دستار مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ والد ماجد نے ڈانٹا کہ یہ بے ادبی ہے۔ مگر دادا نے فرمایا کہ صدرالدین پگڑی پہننے سے اس کو نہ روکو۔ وہ اس کا مستحق ہے اور میں یہ پگڑی اس کو عطا کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ پگڑی محفوظ کر دی گئی اور جب حضرت شیخ رکن الدین اپنے والد بزرگوار کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو وہ ان کے سر پر رکھی گئی۔

ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور روحانی تربیت میں جد امجد سے فیض یاب ہوئے۔ دونوں ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ شیخ رکن الدین دونوں بزرگوں کا اتنا احترام کرتے تھے کہ کبھی ان سے آنکھیں چار نہ کرتے اور نہ ان کے سامنے

بلند آواز سے بولتے۔ اس خورد سالی میں ان کے اس ادب سے متاثر ہو کر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی نے ان کو "رکن الدین عالم" کا لقب عطا فرمایا اور وہ "رکن عالم" کے نام سے مشہور ہوئے۔ انہی دونوں بزرگوں کی صحبت میں انہوں نے صوری و معنوی کمالات حاصل کئے۔ علم، تواضع، شفقت، حلم، موافقت، بشاشت، مروت، عفو، حیا، وفا، حسن ظن اور تصغیر نفس جملہ صفات ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں اور انہوں نے مکاشفہ و محاسبہ سے اتنے مدارج طے کر لئے تھے کہ ان کو "مخزن مشہود الٰہی"، "منبع جود نامتناہی"، "ادریس خلوت وحدت"، "برجیس برج معرفت"، "گوہر معدن"، "زبدۃ المشائخ"، "مفتاح فضل حق الیقین" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

شیخ رکن الدین کے خلیفہ حضرت جہانیاں جہاں گشت اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ جب شیخ رکن الدین قدس سرہٗ کا کام اپنے کمال کو پہنچ گیا تھا تو بھی وہ تہجد کے وقت سے دوپہر تک ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے۔

چھتیس سال کی عمر میں جب اپنے والد بزرگوار کی مسند خلافت پر بیٹھے تو ہر گوشہ سے لوگ خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے۔ جو بھی اہل حاجت حاضر ہوتا اس کی حاجت روائی ضرور فرماتے۔ اس نسبت سے قبلۂ حاجات بھی کہلاتے تھے۔ مجلس میں جس کے دل میں کوئی بات آتی تو اُس کا ان کو کشف حاصل ہو جاتا اور اُس کی دلجوئی کرتے۔

سلاطین و مشائخ دونوں سے ملتے۔ لیکن ان کے مراتب کے حدود کو ملحوظ رکھ کر تعلقات قائم کرتے۔ سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانہ میں ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے، تو سلطان نے شاہی کر و فر کے ساتھ دہلی سے باہر آ کر استقبال کیا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو دہلی لایا۔ دو لاکھ تنکے نذر پیش کئے۔ پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ نذر کئے۔ حضرت شیخ رکن الدینؒ نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم فقراء و مساکین میں تقسیم کردی اور اپنے ساتھ ایک حبہ بھی نہ لے گئے۔ سلطان وقت کی طرف سے اس اعزاز و اکرام کے باوجود فرماتے تھے کہ میں ملتان سے دہلی صرف حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی محبت اور شوقِ ملاقات میں آتا ہوں۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو بھی ان سے قلبی لگاؤ

تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب وہ سلطان علاؤالدین کی دعوت پر دہلی آئے تو اگر ایک طرف ان کے استقبال کے لئے سلطانِ وقت اپنے حزم حشم کے ساتھ تھا تو دوسری طرف حوض علائی کے پاس سلطان الاولیاء بھی اپنی جلالت و عظمت کے ساتھ ان کے لئے چشم براہ تھے۔

شیخ رکن الدین گو دہلی میں شاہی مہمان ہوتے تھے مگر زیادہ وقت حضرت نظام الدین اولیاء ہی کی صحبت میں بسر کرتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کا غیر معمولی احترام کرتے۔ ایک مرتبہ شیخ رکن الدین دہلی آئے تو جمعہ کی نماز ادا کرنے جامع مسجد تشریف لائے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ پہلے سے موجود تھے۔ جمعہ کی نماز ہو چکی تو حضرت محبوب الٰہیؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور وسیع صحن طے کرکے شیخ رکن الدینؒ کے پاس آئے جو ابھی نماز سے فارغ نہ ہوئے تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ ان کی پیٹھ کی جانب پیچھے کو بیٹھ گئے۔ شیخ نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے معانقہ کیا اور پھر شیخ رکن الدین حضرت محبوب الٰہیؒ کا دست مبارک پکڑے ہوئے اس جگہ پر آئے جہاں وہ (یعنی حضرت محبوب الٰہیؒ) پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ جب دونوں مسجد سے روانہ ہو کر اپنے اپنے ڈولے کے پاس پہنچے، تو دونوں ایک دوسرے سے اصرار کرنے لگے کہ پہلے وہ اپنے ڈولے پر جلوہ فرما ہوں بالآخر حضرت محبوب الٰہیؒ کا اصرار غالب رہا اور شیخ رکن الدینؒ پہلے اپنے ڈولے میں سوار ہوئے۔

اسی قیام کے زمانہ میں شیخ رکن الدین حضرت محبوب الٰہیؒ کی زیارت کے لئے ان کی خانقاہ میں تشریف لائے۔ ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی۔ ڈولے سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو حضرت محبوب الٰہیؒ نے بضد ہو کر روک دیا اور خود اور درویشوں کے ساتھ ڈولے ہی کے پاس بیٹھے رہے۔ اس قران السعدین کے وقت شیخ رکن الدینؒ کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیلؒ کے دل میں بعض علمی نکات حل کرنے کا خیال پیدا ہوا اور دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کیا کہ ہجرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کیا مصلحت تھی؟ شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت ہی پر موقوف و منحصر تھی۔ اس لئے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب جلوہ فرما

ہوئے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے محبوبؐ کو مدینہ طیبہ اس لئے بھیجا کہ وہ اصحاب مدینہ جو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے مکہ معظمہ حاضر ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مستفیض و مستفید ہو کر ظاہری و باطنی کمالات میں مکمل ہو جائیں۔ اس گفتگو کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ نے ڈولے ہی کے پاس کھانا منگوایا اور کھانے کے بعد اعلیٰ درجہ کا کپڑا اور سواشرفیاں شیخ رکن الدین کی خدمت میں بطور نذر پیش کیں اشرفیوں کو دیکھ کر شیخ رکن الدینؒ نے حضرت محبوب الٰہی کو مخاطب کر کے فرمایا استر ذَهَبَكَ (یعنی آپ اپنا سونا چھپائیے) حضرت محبوب الٰہی نے برجستہ جواب دیا: استر ذَهَبَكَ وَذِهَابَكَ وَمَذْهَبَكَ (یعنی اپنے سونے کو، جانے کو (مراد راہ سلوک) اور جانے کی جگہ کو چھپائیے۔ اس میں تجنیس لفظی بھی قابل غور ہے) شیخ رکن الدین نے ان نذرانوں کو قبول کرنے میں تامل کیا تو حضرت محبوب الٰہی نے ان کے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیل کے حوالے کر دیا۔ (سیر الاولیاء ص ۱۳۹ - ۱۴۰)

شیخ رکن الدینؒ کو دہلی کے پہلے ہی قیام کے زمانہ میں حضرت بابا گنج شکرؒ کے عرس کا زمانہ آگیا۔ چنانچہ پاک پٹن کی طرح دہلی میں بھی تقریب منائی گئی۔ عرس کی تقریب میں شیخ رکن الدین بھی شریک ہوئے۔ مجلس سماع میں حضرت محبوب الٰہیؒ پر وجد طاری ہو گیا اور غایت اضطراب میں کھڑا ہو جانا چاہا لیکن شیخ رکن الدینؒ نے ان کا دامن پکڑ کر بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر وجد کی کیفیت شروع ہوئی تو پھر کھڑے ہو گئے۔ اس مرتبہ شیخ رکن الدینؒ نے ان کو بٹھانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اور مشائخ کی طرح خود دست بستہ مؤدب کھڑے ہو گئے۔ مجلس ختم ہوئی تو مولانا علم الدین نے شیخ رکن الدین سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب تھا کہ پہلی بار تو آپ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو کھڑے ہونے نہ دیا لیکن دوسری بار نہیں روکا۔ حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ پہلی بار حضرت محبوب الٰہیؒ کی رسائی عالم ملکوت تک ہوئی تھی۔ وہاں تک میری گزر ممکن تھی اس لئے میرا ہاتھ پہنچ گیا اور ان کو بٹھا دیا۔ دوسری بار ان کی رسائی عالم جبروت میں ہوئی وہاں تک میں نہیں پہنچ سکتا تھا اس لئے مزاحم نہ ہوا۔ (سیر العارفین)

سیر الاولیا (ص ۱۴۰) میں ہے کہ ایک اور موقع پر حضرت رکن الدینؒ ملتان سے دہلی تشریف لائے تو حضرت محبوب الٰہیؒ سے بھی ملنے آئے ۔ یہ زمانہ عشرہ ذی الحجہ کا تھا ۔ اس لئے جب حضرت رکن الدینؒ حضرت محبوب الٰہیؒ سے ملے تو فرمایا کہ یہ زمانہ حج کا ہے ۔ میں حج کی سعادت تو حاصل نہ کر سکا لیکن آپ کی زیارت سے مجھے حج کا ثواب ضرور مل جائے گا یہ سن کر حضرت محبوب الٰہیؒ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور اظہار شرمندگی کیا ۔

دونوں بزرگ غائبانہ طور پر بھی ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ ایک خراسانی عالم نے حضرت محبوب الٰہیؒ سے کہا کہ میں آپ کے پاس آتا ہوں تو ہر بار مجھ کو کچھ نہ کچھ کھلاتے ہیں لیکن شیخ رکن الدینؒ کے پاس کئی بار گیا ۔ انہوں نے مجھ کو کوئی چیز نہیں کھلائی ۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے جواب دیا کہ میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں ۔ من زار حیا ولم یذق منہ شیئا فکانما زار میتا ۔ یعنی جو شخص زندہ کی زیارت کرے اور اس کے یہاں کچھ نہ چکھے تو گویا اس نے مردے کی زیارت کی ۔ خراسانی عالم نے پوچھا ، کیا شیخ رکن الدینؒ تک یہ حدیث نہیں پہنچی ۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا ، شیخ رکن الدین عمل معنوی کرتے ہیں اور وہ ذوق روحانی چکھاتے ہیں ۔ خراسانی عالم نے کسی موقع پر شیخ رکن الدینؒ سے یہ عرض کیا کہ حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ رکن الدینؒ ذوق روحانی دیتے ہیں اور میں ذوق جسمانی دیتا ہوں ۔ شیخ نے فرمایا ، برادرم نظام نے تواضع کی ہے ۔ ان میں دونوں وصف ہیں ۔ وہ ذوق روحانی بھی عطا کرتے ہیں اور ذوق جسمانی بھی ۔ (ملفوظات حضرت جہانیاں)

حضرت محبوب الٰہیؒ سے شیخ رکن الدینؒ کی محبت و عقیدت کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے محبوب خلیفہ شیخ وجیہہ الدین عثمان سیاح سنامی کو محبوب الٰہی کی قربت کی خاطر دہلی میں قیام کرنے کا حکم دیا ۔ شیخ عثمان جن کا مزار دہلی میں ہے ، جب سنام سے سیر و سیاحت کرتے ہوئے دہلی پہنچے تو ایک دن کیلو گیری میں نہر کے پاس شیخ رکن الدینؒ کو نماز پڑھتے دیکھا ۔ چہرہ اقدس پر نظر پڑی تو دل انوار روحانی سے منور ہو گیا اور وہیں باضابطہ ارادت حاصل کر لی ۔ شیخ ان کو اپنے ہمراہ ملتان لے گئے اور دو سال تک اپنی معیت میں رکھا اسی مدت میں کلام پاک حفظ کیا اور مرشد سے شیخ شہاب الدینؒ کی تصنیف عوارف پڑھتے

رہے۔ خود شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جس دن سے شیخ عثمان مرید ہوئے ترک دنیا اور تجرد کلی اختیار کر لیا۔ ایک تہ بند کے علاوہ ان کے پاس کوئی چیز نہیں رہتی تھی۔ اسی بے سروسامانی میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں ایک سال رہ کر دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ طواف کے دوران چشم بینا سے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر بے چین ہو گئے اور اسی وقت دوسرے ممالک کی سیاحت کو روانہ ہو گئے۔ سات برس بعد ملتان لوٹے تو مرشد نے گلے لگایا اور سر کو بوسہ دے کر فرمایا تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ جس روز اپنے سر پر حضرت خضر علیہ السلام کا سایہ دیکھا اسی وقت مسافرت اختیار کر لی ورنہ مخلوق کے فتنہ میں پڑ جاتے۔ یہ کہہ کر اپنا پیراہن محبوب مرید کو پہنایا اور اپنی دستار ان کے سر پر باندھی اور پھر چند روز اپنے ساتھ ٹھہرا کر دہلی روانہ کر دیا۔ رخصت کرتے وقت فرمایا۔ تم وہیں قیام کرنا جہاں حضرت محبوب الٰہیؒ مقیم ہیں۔ وہاں پہنچ کر پہلے حضرت کو میرا سلام پہنچانا اور وہ جہاں رہنے کا حکم دیں وہیں سکونت اختیار کر لینا۔ چنانچہ شیخ عثمان نے دہلی پہنچ کر محبوب الٰہی کی خدمت میں مرشد کا سلام پہنچایا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر علیک وعلیہ السلام فرمایا۔ شیخ عثمان کو محبوب الٰہی کی صحبت میں اُن سے ایسی محبت و شیفتگی پیدا ہو گئی کہ ہر جگہ اس کا چرچا پھیل گیا۔ حضرت شیخ عثمان کو سماع کا ذوق پہلے سے تھا۔ محبوب الٰہیؒ کی مجلسوں میں شرکت سے یہ ذوق اور بھی بڑھ گیا۔ ایک بار اپنی قیام گاہ پر ہم جلیسوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ سامنے امیر حسن قوال اپنے ساتھیوں سمیت گزرا۔ امیر حسن کو حضرت محبوب الٰہیؒ بہت عزیز رکھتے تھے اور اس کے گانے پر بہت فریفتہ تھے۔ امیر حسن بھی حضرت محبوب الٰہی اور شیخ عثمان کے گہرے مراسم سے واقف تھا۔ ان کو دیکھ کر خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ عثمان حضرت محبوب الٰہی کے ہمدم مجلس اور محرم صحبت قوال کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے اور کچھ سنانے کی فرمائش کی۔ اس زمانہ میں سلطان غیاث الدین تغلق کی طرف سے محفل سماع پر قدغن تھی۔ اس لئے امیر حسن کو اس فرمائش کی تعمیل میں تامل ہوا۔ شیخ عثمان کو اڑ میں زنجیر لگا کر گانے کے لئے مصر ہوئے۔ امیر حسن نے سلطانِ وقت کے خوف سے دھیمی آواز میں یہ بیت گانی شروع کی۔

زاہد زدین برآمد وصوفی ز اعتقاد ترسا محمدی شد و عاشق ہماں کہ ہست

امیر حسن نے جب تکرار کے ساتھ اس کو گایا تو شیخ عثمان بے خود اور بے قابو ہو گئے اور امیر حسن سے زور سے گانے کو فرمایا۔ وہ بھی شیخ کے جذب و بے خودی کو دیکھ کر بے اختیار ہو گیا اور دل کھول کر گانے لگا۔ شیخ نے اس بے خودی میں دروازہ کھول دینے کا حکم دیا۔ باہر قوال اور آگئے اور یہ محفل سماع جذب و کیفیت کی ایسی مجلس بن گئی کہ شہر کے بیشتر صوفیا آکر جمع ہو گئے اور ہزاروں تماشائیوں پر وجد طاری ہو گیا۔ شیخ عثمان مذکورہ بالا شعر پڑھتے ہوئے بے خودی کی حالت میں جماعت خانہ سے نکل آئے اور تغلق آباد کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ قوال بھی ساتھ ساتھ گاتے جاتے تھے۔ پیچھے لوگوں کا ہجوم تھا اور سب کے سب شیخ کے جذب و بے خودی کے اثر سے سرشار تھے۔ اسی حال میں شیخ تغلق آباد شاہی محل کے قرب میں پہنچے۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے سمجھا کہ کوئی فتنہ اٹھا ہے۔ ملک شادی خاں کو تحقیقات کے لئے بھیجا۔ اس نے واپس آکر اطلاع دی کہ حضرت شیخ عثمان صوفیوں اور قوالوں کی ایک کھلی محفل سماع منعقد کئے ہوئے ہیں۔ سلطان پر برہمی کے آثار ظاہر ہوئے۔ مگر پھر اس نے اس فہرست کو منگا کر دیکھا جس میں ان درویشوں اور فقراء کے نام درج تھے جنہوں نے اس کے حریف اور شاہی تخت کے دعویدار خسرو خاں سے رشوتیں قبول کی تھیں۔ مگر اس میں شیخ عثمان کا نام نہ تھا۔ اس لئے سلطان کی برہمی میں بدل گئی اور وہ حضرت شیخ عثمان کو مست الست دیکھ کر خود بہت متاثر ہوا اور حکم دیا کہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو محل کے اندر ٹھہرایا جائے اور شاہی باورچی خانہ سے ان کی ضیافت کا سامان کیا جائے۔ چنانچہ پوری جماعت تین روز تک شاہی باورچی خانہ کے الوان نعمت سے متمتع ہوتی رہی۔ جب شیخ عثمان رخصت ہونے لگے تو سلطان نے نذر پیش کی مگر انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا اور غیاث پور کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ یہ واقعہ اس محضر سے پہلے کا ہے جس کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حال میں آچکا ہے۔ (سیر العارفین ج ۲ ص ۹)

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین کے تعلقات سلاطین وقت سے بھی

تھے مگر یہ تعلقات محض خدمت خلق اللہ کی خاطر تھے۔ علاؤالدین خلجی کے بعد جب اس کا لڑکا قطب الدین خلجی تخت نشین ہوا تو اس کو محبوب الٰہیؒ سے ذاتی مخاصمت پیدا ہوگئی اس مخالفت و عناد کے باعث سلطان نے دوسرے مشائخ سے مراسم پیدا کئے۔ اس سلسلہ میں اُس نے شیخ رکن الدینؒ سے بھی اپنی گرویدگی اور شیفتگی کا اظہار کیا اور ان کو ملتان سے دہلی آنے کی دعوت دی۔ جب وہ دہلی تشریف لائے اور سلطان سے ملنے گئے، تو اُس نے پوچھا کہ دہلی میں سب سے پہلے کس شخص نے آپ کا استقبال کیا تھا۔ گو اُن کو حضرت محبوب الٰہیؒ سے سلطان کے عناد کا حال معلوم تھا تاہم انہوں نے جواب دیا کہ اُس نے جو اس شہر کا سب سے اچھا آدمی ہے یعنی حضرت نظام الدینؒ اولیاء نے۔ (سیرالاولیاء ص ۱۳۶)

حضرت شیخ رکن الدین کا معمول تھا کہ جب وہ سلطان قطب الدین کے پاس تشریف لے جاتے تو راستہ میں اپنی سواری تخت رواں کو ٹھہراتے چلتے تاکہ اہل ضرورت اپنی درخواستیں سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ان کی سواری میں ڈال دیں بعض ضرورتمندوں کی معروضات زبانی بھی سنتے تھے۔ شاہی محل کے پاس پہنچ کر دو دروازوں تک تخت وال پر سوار رہتے۔ تیسرے دروازہ کے قریب جہاں سلطان ان کی تعظیم و استقبال کے لئے کھڑا نظر آتا، وہ اتر جاتے۔ سلطان بڑے ادب و تکریم سے دربار میں لے جا کر بٹھاتا اور خود مؤدب و دو زانو ہو کر اُن کے سامنے بیٹھتا۔ اس کے بعد شیخ شہر کے لوگوں کی درخواستیں سلطان کے سامنے پیش کرتے۔ وہ ہر ایک درخواست کو بغور پڑھتا اور اس کی پشت پر اسی وقت حکم صادر کر دیتا۔ شیخ رکن الدینؒ واپسی کے وقت تمام درخواستوں کو ساتھ لے آتے۔ (سیر العارفین۔ ص ۵)

سلطان غیاث الدین تغلق سے بھی شیخ رکن الدینؒ کے مراسم خوشگوار رہے ۷۲۵ھ میں جب وہ بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آرہا تھا تو شیخ رکن الدینؒ دہلی سے افغان پور تک اس کے استقبال کو گئے تھے۔ شب کو سلطان کے ساتھ ماحضر تناول فرمارہے تھے کہ نور باطن سے کشف ہوا کہ جس عمارت میں وہ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں، وہ اچانک گر جائے گی۔ اس لئے کھانا چھوڑ کر باہر چلے آئے اور سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لئے فرمایا

مگر اُس نے نکلنے میں دیر کی۔ اتنے میں عمارت گر پڑی اور سُلطان اس کے نیچے دب کر ختم ہو گیا۔ (فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱)

غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس سے بھی شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے تعلقات قائم رہے اور اس کے یہاں اکثر مہمان ہوتے۔ یہ زمانہ حضرت محبوب الٰہی رحؒ کے مرض الموت کا تھا۔ شیخ رکن الدین عیادت کے لئے آئے تو محبوب الٰہی رحؒ عالم تحیر میں تھے۔ مریدین پریشان ہوئے کہ اس عالم تحیر میں دونوں کی ملاقات کیسے ہوگی۔ لیکن اس اثنا میں محبوب الٰہی کا تحیر جاتا رہا۔ شیخ رکن الدین رحؒ کو دیکھ کر تعظیم کے لئے چارپائی سے نیچے اترنا چاہتے تھے مگر غایت ضعف کی وجہ سے نیچے نہ اتر سکے۔ اس لئے شیخ رکن الدین کو چارپائی ہی پر بیٹھنے کو کہا۔ لیکن شیخ نے تعظیماً چارپائی پر بیٹھنا پسند نہیں فرمایا۔ ایک کرسی لائی گئی تو وہ اس پر بیٹھے۔ شیخ رکن الدین رحؒ نے سلسلۂ کلام شروع کرتے ہوئے فرمایا کہ انبیاء کو موت اور زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے۔ اولیاء انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو بھی موت اور زندگی کا اختیار ملتا ہے۔ آپ کی حیات کچھ دنوں اور ہوتی کہ ناقصوں کو آپ کمال تک پہنچا سکتے۔ محبوب الٰہی رحؒ نے یہ سنا تو اُن کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں کہ نظام! تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ شیخ رکن الدین رحؒ نے یہ سُنا تو ان پر گریہ طاری ہو گیا اور ان کے ساتھ دیگر حاضرین بھی رونے لگے۔ (سیر الاولیاء ص ۱۴۱)

اس ملاقات کے بعد حضرت محبوب الٰہی رحؒ نے رحلت فرمائی۔ جنازہ کی نماز شیخ رکن الدینؒ نے پڑھائی اور اس سعادت پر وہ ہمیشہ فخر کرتے تھے۔

حضرت محبوب الٰہی رحؒ کی وفات کے دس سال بعد حضرت شیخ رکن الدینؒ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ وفات سے تین مہینے پہلے لوگوں سے ملنا جلنا اور بولنا چالنا بالکل ترک کر دیا تھا۔ صرف نماز جماعت کے لئے حجرہ سے باہر آتے اور پھر لوٹ جاتے۔ ۷۳۵ھ کو رجب کی سولہویں تاریخ جمعرات کے دن نماز مغرب کے بعد اوابین پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں سجدہ میں جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ مرقد مبارک ملتان میں ان کے جدِ امجد

اور والد ماجد کے مزار کے پاس ہی ہے۔(سیر العارفین جلد ۲ ص ۱۱)

حضرت شیخ رکن الدینؒ کا ایک بڑا وصف یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کو نور باطن سے اپنے ملنے والوں اور مریدوں کے دلوں کی باتوں کا کشف ہو جاتا تھا۔ اسی لئے ابو الفتح کے لقب سے ملقب ہوئے۔ ان کے ایک مرید نے اس سلسلہ میں اپنی تصنیف مجمع الاخیار (اس تصنیف کا ذکر اخبار الاخیار ص ۶۲ پر ہے) میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا ظہیر الدین بیگ سے پوچھا کہ شیخ رکن الدینؒ کی کوئی کرامت آپ نے دیکھی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب لوگ ان کی قدم بوسی کے لئے جمع ہوتے ہیں نے دل میں خیال کیا کہ شاید شیخ کے پاس تسخیر کا کوئی عمل ہے۔ میں بھی عالم ہوں لیکن میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ میں نے سوچا کہ دوسرے دن شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھوں گا کہ وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں کیا حکمت ہے۔ رات کو جب سویا تو خواب میں دیکھا کہ شیخ مجھ کو حلوا کھلا رہے ہیں، جس کی شیرینی دن تک زبان پر قائم رہی۔ میں نے خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے۔ صبح کو جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا، میں تمہارا ہی منتظر تھا۔ پھر گفتگو شروع کی اور فرمایا۔ جنابت دو قسم کی ہوتی ہے۔ جنابت جسم، جنابت دل۔ جنابت جسم کا سبب تو بالکل ظاہر ہے مگر دل کی جنابت ناہموار آدمیوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے مگر دل کی جنابت آنکھوں کے پانی سے دور ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ پانی میں تین صفتیں ہیں۔ رنگ، مزہ اور بو۔ اسی لئے شریعت نے وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے۔ کلی سے مزہ معلوم ہوتا ہے اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ جس طرح نبیؐ کی صورت میں شیطان ظاہر نہیں ہو سکتا اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں بھی شیطان نمودار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت حاصل ہوتی ہے۔ مولانا ظہیر الدین کا بیان ہے کہ جس وقت شیخ رکن الدینؒ کی زبان مبارک سے یہ باتیں نکل رہی تھیں اس وقت میرے تمام جسم سے پسینہ جاری تھا۔ (اخبار الاخیار ص ۶۲)

وضو فرماتے تو اس کے بعد کی دُعا پڑھتے۔ ایک روز وضو سے فارغ ہوئے، تو دُعا نہیں پڑھی بلکہ صرف الحمدللہ کہا۔ خادم خاص نے ان کے نانا سے جاکر عرض کیا کہ آج حضرت نے صرف الحمدللہ کہا اور کوئی دُعا نہیں پڑھی۔ وہ شیخ کے پاس آئے اور واقعہ دریافت کیا۔ شیخ نے فرمایا، آج وضو میں دنیا اور آخرت کا خیال دل میں نہیں گزرا تو میں سمجھا کہ آج میرا وصال ہے، اسی لئے صرف الحمدللہ کہا۔

ایک بار ایک عرب درویش خانقاہ میں فروکش ہوا۔ شیخ رکن الدینؒ نے خادم خاص سے اس کے پاس کھانا بھجوایا۔ خادم نے درویش سے پوچھا، تم حضرت شیخ کو دیکھو گے درویش نے کہا کہ میری کیا مجال ہے کہ میں شیخ کو دیکھوں۔ خادم نے یہ واقعہ حضرت شیخ سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا میں خود اسؒ کے پاس جاؤں گا۔ جب معلوم ہوا کہ درویش اورادو سے فارغ ہو چکا ہے تو اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو اس کے مقصود تک پہنچا کر سرفراز فرمایا۔ (الدر المنظوم اردو ترجمہ ص ۶۴۴)

ایک بار ایک شخص شیخ رکن الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں آپ کے استاد کے لڑکوں میں سے ایک لڑکا ہوں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے باپ سے سورۂ اخلاص پڑھی تھی۔ فرمایا تم میرے خداوند زادہ ہو۔ مجھ کو اس طرح حکم دو جس طرح ایک آقا اپنے غلام کو دیتا ہے۔ اس نے کہا مجھ کو دنیا کا مال و متاع چاہیئے۔ شیخ نے اسی وقت دس ہزار ٹنکے مرحمت فرمائے۔ (سراج الهدایہ قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رام پور)

حضرت شیخ رکن الدینؒ کی غذا بہت ہی قلیل تھی۔ ایک پیالہ دودھ میں کچھ میوے ڈال دیئے جاتے اور اسی سے چند لقمے تناول فرما لیتے۔ گھر والوں نے ایک طبیب سے قلت غذا کی شکایت کی۔ طبیب نے غذا منگوا کر دیکھی اور اس میں سے چند لقمے خود کھائے۔ کھانے کے بعد اس نے گرانی محسوس کی اور کہا کہ اب سات دن کھانے کی حاجت نہ ہوگی۔ کیونکہ بزرگوں کے کھانے میں کمیت سے زیادہ کیفیت ہوتی ہے۔ (الدر المنظوم ص ۵۱۹)

شیخ رکن الدینؒ کی کسی تصنیف کا کہیں کوئی ذکر موجود نہیں۔ مگر مجمع الاخبار میں ان کے وصایا و ملفوظات درج ہیں، جن کے کچھ اقتباسات اخبار الاخیار میں نقل کئے گئے ہیں۔

موخرالذکر کتاب کی مدد سے شیخ کی صوفیانہ تعلیمات ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں۔ اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ:۔

آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے۔ صورت اور صفت۔ ان میں سے قابلِ اعتماد آدمی کی صفت ہے۔ خدائے عزّوجل صورتوں کو نہیں بلکہ قلوب کو دیکھتا ہے۔ اگر کسی کا قلب اوصافِ ذمیمہ سے پُر ہے تو اس کا شمار بہائم میں ہے۔ اوصافِ ذمیمہ کو دُور کرنے کے لئے تزکیۂ نفس کی ضرورت ہے اور تزکیۂ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک بندہ خدائے عزّوجل سے التجا و استعانت نہ کرے یعنی اس کی بارگاہ میں گڑگڑائے اور اس سے مدد طلب کرے۔ التجا و استعانت سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے فضل اور رحمت حاصل ہوتی ہے۔ فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشمِ بینا میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور عظمتِ الٰہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے۔ دنیا کے بھیدوں میں پھنسے رہنے والوں کی وقعت بالکل اُس کے دل سے جاتی رہتی ہے اور جب اس کے قلب پر یہ کیفیت مستولی ہو جاتی ہے تو اس کے اوصاف فرشتوں کے اوصاف میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور اُس میں ظلم کے بجائے عفو، غضب کے بجائے حلم، کبر کے بجائے تواضع، بخل کے بجائے سخاوت اور حرص کے بجائے ایثار کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ خوبیاں عقبیٰ کے طلب کرنے والوں کے لئے ہیں۔ طالبانِ حق کے اوصاف اور بھی بلند تر ہیں۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے ہر شخص کی عقل کام نہیں دیتی۔ ایک دوسرے موقع پر اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آج تک نہ کسی کے ساتھ نیکی کی اور نہ بدی۔ حاضرین نے استعجاب سے پوچھا، یا امیرالمومنین! بدی تو خیر آپ سے نہیں ہو سکتی۔ مگر نیکی کے متعلق آپ کیا فرما رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ حق جل و جلالہٗ کا قول ہے کہ جس نے اچھے کام کئے اپنے نفس کے لئے کئے اور بُرے کام کئے وہ بھی اپنے نفس کے لئے کئے۔ پس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر ہوئی وہ درحقیقت میرے لئے تھی نہ کہ دوسروں کے لئے۔ اس کے بعد شیخ رکن الدین لکھتے ہیں کہ ایک عاقل کو دنیا

وآخرت کے لیئے اتنی نصیحت کافی ہے۔ بزرگوں نے کہا: سلاح این کس صلاح اولین است
یعنی ایک شخص کا ہتھیار اس کی نیکی ہے۔ فرماتے تھے کہ اعضاء و جوارح کو شرعی ممنوعات
سے قولاً و عملاً باز رکھنا چاہیئے۔ لایعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے۔ اس سے مراد
ایسی مجلس ہے جو حق تعالیٰ سے برگشتہ کر کے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے۔ بطالوں سے
بھی احتراز ضروری ہے۔ بطّال وہ لوگ ہیں جو طالب حق نہیں۔ (اخبار الاخیار ص ۶۱)

حضرت

شیخ برہان الدین غریبؒ

نام و نسب
خاندان
تعلیم
ارادت
عتاب مرشد
خلافت
دکن کو روانگی
تعلیمات
مستفیدین
سلاطین کی عقیدت
ریاضت
علالت
وفات
ملفوظات

اسم گرامی برہان الدین تھا۔ عام طور پر شیخ برہان الدین غریب کہلاتے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :۔

برہان الدین غریب بن شیخ محمد محمود بن ناصر ہانسوی بن سلطان مظفر بن سلطان ابراہیم ابن شیخ ابوبکر بن شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالرشید بن شیخ عبدالصمد بن شیخ عبدالسلام بن امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کوفی۔

خاندان شہر ہانسی میں آباد تھا۔ اسی جگہ ۶۵۴ھ میں شیخ برہان الدین کی ولادت باسعادت ہوئی۔ شیخ برہان الدین غریب کا خاندان مذہبی اور روحانی حیثیت سے ممتاز تھا۔ والد بزرگوار مقبول خاص وعام تھے۔ وہ جس مجلس میں ہوتے لوگوں کی خواہش ہوتی کہ وہ تمام دن باتیں کرتے رہیں۔ شیخ برہان الدین نے اپنے والد ماجد کی اس مقبولیت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ ہر قبرستان پر روزانہ سو بار فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ شیخ کے حقیقی بھائی شیخ منتجب الدین بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ممتاز خلفا میں تھے۔ اہل دکن ان کے فیوض و برکات سے متمتع ہوئے۔ ان کا مزار خلد آباد میں ہے۔ خواجہ فریدالدین گنج شکر کے جلیل القدر خلیفہ خواجہ جمال الدین ہانسوی جن سے جمالیہ سلسلہ جاری ہوا، شیخ برہان الدین غریب کے ماموں تھے اور حضرت محبوب الٰہی کے عظیم المرتبت خلیفہ مولانا قطب الدین منور ماموں زاد بھائی تھے۔

والد بزرگوار کی نگرانی میں اپنے چچا سے قدوری پڑھی۔ روضۃ الاولیاء (تالیف مولانا غلام علی آزاد بلگرامی) میں ہے کہ حضرت شیخ نے فقہ نافع کو حفظ کر لیا تھا۔ فقہ، معانی، تفسیر اور حدیث کی بھی تعلیم پائی۔ اپنے ہم عصروں میں ایک جید عالم کا مرتبہ رکھتے تھے۔ حضرت

محبوبؒ الٰہی جب مخاطب فرماتے تو مولانا برہان الدین کہتے:
ایام طفلی ہی میں عبادت کا ذوق و شوق پیدا ہوا۔ چھ سات سال کی عمر تھی تو تنہائی میں کلمۂ طیبہ کے ذکر پر مواظبت کرتے۔ تیرہ سال کی عمر میں ازدواجی علائق سے آزاد رہنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ تمام زندگی تجرد میں گزاری۔ کچھ دنوں کیمیا بنانے کا شوق رہا لیکن حضرت محبوب الٰہی کی صحبت کیمیا اثر میں یہ شوق زائل ہو گیا۔

اس زمانہ میں حضرت محبوب الٰہی کے فیوض و برکات کے سرچشمہ سے تمام ہندوستان سیراب ہو رہا تھا۔ شیخ برہان الدین کو بھی آپ کی کشش ہانسی سے دہلی کھینچ لائی۔ دہلی آ کر ایک مسجد میں قیام فرمایا۔ وہاں کے لوگوں نے شیخ میں بڑی جاذبیت پائی۔ اور مسجد میں ہجوم رہنے لگا۔ لیکن لوگوں کے اس میلان کے باوجود آپ اس مسجد میں اس طرح رہتے جیسے کوئی اجنبی اور غریب الوطن رہتا ہے۔

ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ ایک خندق میں گر پڑے ہیں اور اس سے باہر نکلنا چاہتے ہیں لیکن نکل نہیں سکتے۔ یکایک حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر باہر نکالا۔ اس خواب کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ خادم خاص اقبال نے اطلاع گزاری کہ برہان الدین غریب آئے ہیں۔ محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، اب تو اُن سے تمام لوگ آشنا ہو گئے ہیں، ابھی تک وہ غریب (اجنبی) ہیں۔ ارادت کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں بڑا تقرب حاصل کیا اور باورچی خانہ کے نگران مقرر ہوئے۔ یہاں تھوڑے ہی عرصہ میں شیخ کو اپنے ہم چشموں میں بڑی مقبولیت حاصل ہو گئی۔ حضرت محبوب الٰہی کے مریدوں میں امیر خسرو، امیر حسن سنجری، مولانا ابراہیم طشت دار، سید خاموش، خواجہ مبشر، سید حسین اور اقبال خادم برابر ان کی صحبت میں رہتے اور ان کی شیریں کلامی و بذلہ سنجی سے بہت لطف و حظ اٹھاتے۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود جب کبھی ادھر سے دہلی تشریف لاتے تو شیخ برہان الدین ہی کے ساتھ قیام فرماتے اور کبھی کبھی درس بھی لیتے۔

ایک موقع پر مرشد کو کچھ باتیں ناگوار گزریں جس کے باعث شیخ کو ابتلا و آزمائش کی کٹھن گھڑیاں گزارنی پڑیں۔ علی زنبیلی اور ملک نصرت نے جو سلطان علاؤالدین خلجی کے رشتہ دار

تھے، حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہو کر اثنائے گفتگو میں یہ بیان کیا کہ مولانا برہان الدین مشائخ کی طرح سجادے پر بیٹھتے ہیں۔ حقیقت میں شیخ برہان الدین جسمانی حیثیت سے نحیف و منحنی تھے۔ کبر سنی کی وجہ سے دونوں زانوؤں میں درد رہا کرتا تھا۔ اس لئے کمبل کو دوتہ کر کے اس پر بیٹھتے تھے۔ اس کی طرف علی زنبلی اور ملک نصرت نے اشارہ کیا۔ لیکن نشست کا یہ طریقہ حضرت محبوب الٰہیؒ کو ناگوار گزرا۔ اس لئے جب شیخ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے مخاطب ہونا پسند نہیں فرمایا اور جب جماعت خانہ میں تشریف لائے تو اپنے خادم اقبال سے ان کو کہلا بھیجا کہ وہ جماعت خانہ میں نہ بیٹھیں۔ شیخ برہان الدین یہ سن کر پریشان و سراسیمہ ہوئے۔ گھر جا کر سوگ میں بیٹھ گئے اور برابر روتے رہتے۔ لوگ ان کی خدمت میں آتے اور ان کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگتے۔ چند روز بعد امیر خسرو اپنی دستار گردن میں لٹکا کر حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے ان کو اس طرح دیکھ کر پوچھا: "ترک! کیا ہے؟" عرض کیا "مولانا برہان الدین کی معافی چاہتا ہوں۔" متبسم ہو کر پوچھا "وہ کہاں ہیں۔؟" اتنے میں شیخ برہان الدین بھی اپنی دستار گردن میں ڈال کر حاضر ہوئے اور صف نعال میں کھڑے ہو گئے۔ حضرت محبوب الٰہی نے تقصیر معاف کی اور تجدید بیعت سے مشرف کیا۔

رفتہ رفتہ شیخ درجۂ کمال کو پہنچے تو مرشد کی طرف سے خلافت ملی۔ خلافت کے بعد مرشد نے کئی بار اپنے بلند مرتبہ مرید کے کمالات کا اظہار کیا۔ ایک موقع پر حضرت محبوب الٰہی کی مجلس میں حضرت بایزید بسطامیؒ کی بزرگی کا ذکر آیا۔ محبوب الٰہی نے فرمایا ہم بھی ایک بایزید رکھتے ہیں۔ کسی نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ فرمایا، جماعت خانہ میں۔ اقبال خادم نے جا کر دیکھا تو وہاں اس وقت شیخ برہان الدین بیٹھے تھے۔ ایک اور موقع پر حضرت محبوب الٰہی نے شیخ کو اپنا فرزند شائستہ بتایا اور فرمایا، جو شخص مولانا برہان الدین کے ساتھ رہے گا وہ بھی صاحب حشمت ہو گا۔ ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا: مولانا برہان الدین اخلاق، نعمتوں اور علوم لدنی کے مجموعہ ہیں۔ (روضۃ الاولیا ص ۱۱)

شیخ برہان الدین کو بھی اپنے مرشد سے بڑی محبت و عقیدت رہی۔ مرشد کی وفات

کے بعد کبھی اپنی پشت غیاث پور کی طرف نہیں کی۔

حضرت شیخ کے بھائی حضرت منتخب الدین کی وفات کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ نے اسلام کی تبلیغ واشاعت اور مسلمانوں کی رشد وہدایت کی غرض سے حضرت شیخ کو دکن جانے کا حکم دیا۔ شیخ کو مرشد کی مفارقت پسند نہ تھی اس لئے یہ حکم سن کر عرض کیا کہ نعلین مبارک سے جدا ہو جاؤں گا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا: نعلین بھی ہمراہ لے جاؤ۔ پھر عرض کیا مجلس سے دُور ہو جاؤں گا۔ مرشد نے فرمایا: اس وقت مجلس میں جتنے لوگ بیٹھے ہیں، ان کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ کہا جاتا ہے کہ مجلس میں سات سو مریدین بیٹھے تھے۔ جن میں امیر حسن سنجری، شیخ کمال خجندی، شیخ جام اور شیخ فخرالدین وغیرہ بھی تھے۔ حضرت شیخ کو مرشد کا حکم بجالانا پڑا اور سات سو ہمراہیوں کے ساتھ دولت آباد روانہ ہو گئے۔ یہ گویا دکن میں روحانی سپاہیوں کی فوج کشی تھی۔ رخصت کرتے وقت مرشد نے کچھ نصیحتیں کیں جن میں دو یہ تھیں کہ جمعہ کی نماز ترک نہ کرنا اور اپنی والدہ کی خوشی ہر کام پر مقدم رکھنے کو رحمتِ حق تصور کرنا۔ دولت آباد پہنچ کر یہاں تقریباً اٹھائیس انتیس سال قیام فرمایا اور یہیں واصل بحق ہوئے۔ اس مدت میں اپنے عادات واطوار، معاملات وعبادات اور کشف وکرامات کی بنا پر عوام وخواص، امراء وسلاطین کے قلوب پر فرماں روائی کرتے رہے۔

حضرت شیخ اور اُن کے ہمراہیوں کی مساعی جمیلہ سے بہت سے غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (سفینۃ الاولیاء) اس کے علاوہ عام مسلمانوں نے بھی ہر طرح کا استفادہ کیا اور جوق در جوق حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ صرف حضرت رکن الدین کاشانی کی وساطت سے ایک ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔ یہاں ہم اجمالی طور سے ان تعلیمات کو پیش کرتے ہیں جن سے حضرت شیخ نے اپنے مریدوں کی اخلاقی اور معاشرتی حالت سنوارنے کی کوشش کی۔

طلب حق ــــ ایک مسافر حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں آپ کے پاس دو چیزوں کے واسطے آیا ہوں۔ ایک تو دین حاصل کرنے کے لئے کیونکہ آپ پیشوائے

دین، سرّ ولایت اور صاحب کشف و کرامت ہیں۔ دوسرے دنیا حاصل کرنے کے لئے کیونکہ سلاطین و امراء آپ کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا: ایک خدا تم کو دونوں چیزیں پہنچا دے گا۔ خدا کو حاصل کر لو ساری چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی

کمال انسان ـــــ مولانا وجیہہ الدین یوسف نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں جس قدر نفس کے عیوب کو دُور کرتا ہوں اسی قدر زیادہ عیوب نظر آتے ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ یہ ایک انسان کا کمال ہے۔ کیونکہ انسان جب کمال کو پہنچتا ہے۔ تو اس کی نظر اپنے عیوب پر زیادہ پڑتی ہے۔

دنیا کی حقیقت ـــــ ایک موقع پر مریدوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ دنیا سایہ کے مانند ہے۔ جب آدمی سایہ کی طرف منہ کرتا ہے تو وہ آگے آگے چلتا ہے اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو پیچھے پیچھے آتا ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ مجھ کو شرق سے غرب تک تمام عالم ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہتھیلی پر مرغی کا انڈا ہو۔

فضیلت محبت ـــــ دل کی ماہیت یہ بتائی کہ یہ ایک ظرف کے مانند ہے۔ جب تک ظرف خالی ہے ہوا سے پُر رہتا ہے اور جب اس میں کوئی چیز رکھ دی جاتی ہے، تو ہوا سے خالی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دل دنیا کی خواہش سے پُر ہوتا ہے لیکن جب اس میں محبت بھر دی جاتی ہے تو خواہش نفسانی دُور ہو جاتی ہے اور پھر اللہ کی محبت بھر جاتی ہے۔

راحت رسانی ـــــ معتقدوں کو تلقین کی کہ لوگوں کی راحت رسانی میں کوشاں رہیں۔ اس سلسلہ میں فرمایا: ایک درخت خود تو دھوپ میں کھڑا رہتا ہے لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے۔ لکڑی خود تو جلتی ہے لیکن اوروں کو آرام پہنچاتی ہے۔ اسی طرح انسان خود تکلیف اٹھائے اور اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے لیکن دوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچائے۔

عیب جوئی ـــــ لوگوں کی عیب جوئی کے سلسلہ میں مریدوں کو بتایا کہ اگر کوئی تمہارا عیب ظاہر کرے تو یہ دیکھو کہ تم میں وہ عیب ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس سے

باز آؤ اور عیب ظاہر کرنے والے سے کہو تم نے مجھ پر کرم کیا کہ میرا عیب مجھ کو بتا دیا۔ اور اگر تم میں یہ عیب نہیں ہے تو دُعا کرو کہ الٰہی اس عیب ظاہر کرنے والے کو عیب جوئی سے بچائے اور مجھ کو بھی بدکلامی سے محفوظ رکھے۔

بخل و سخاوت ـــــ فرمایا ایک سخی ہوتا ہے اور ایک بخیل۔ سخی وہ ہے جو مہمان کو دوست رکھتا ہے اور بخیل وہ ہے جو دولت کو مہمان رکھتا ہے۔ مہمان نوازی کے متعلق یہ تعلیم دی کہ جب کوئی مسافر مقیم کے پاس پہنچے تو مقیم کو مسافر کے سامنے دو قسم کا گرم پانی پیش کرنا چاہیئے۔ ایک گرم پانی ہاتھ اور منہ دھونے کے لئے اور دوسرا گرم شوربا۔

عدل و احسان کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ عدل بھی کرنا چاہیئے اور احسان بھی۔ عدل تو یہ ہے کہ کھانے کے وقت ہم پیالہ کے ساتھ لقمہ کا انصاف کرے یعنی برابر برابر کھائے اور احسان یہ ہے کہ ہم پیالہ کے ساتھ اپنا لقمہ چھوٹا اٹھائے اور جو چیز لذیذ اور اچھی ہو اس سے ایثار کرے۔

طہارت باطن ـــــ ایک موقع پر مریدوں کو بتایا کہ جس گھر میں کتّا یا تصویر ہوتی ہے وہاں فرشتۂ رحمت داخل نہیں ہوتا۔ اسی سلسلہ میں یہ صوفیانہ نکتہ بتایا کہ نفس کتا ہے اور خدا کے علاوہ کسی اور کی محبت گویا تصویر ہے۔ ایسے آدمی کے دل میں خدا کی محبت نہیں ہو سکتی۔ خدا کی محبت کے لئے نفس کو پاک اور دل کو ماسوا اللہ کی محبت سے دُور رکھنا ضروری ہے۔

اہل و عیال کے حقوق ـــــ بیوی اور بچوں کے حقوق بجالانے کی بھی تاکید فرمائی۔ فرمایا بیوی اور بچے باغ اور بوستان ہیں۔ جب خداوند تعالیٰ کی عبادت سے کوئی ملول ہو تو اس کو اپنا دل بیوی بچوں ہی سے بہلانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بھی عبادت ہے۔

حضرت شیخ کی زبان مبارک سے جو کوئی بات نکل جاتی اس کو عام طور سے لوگ بہت ہی حسن عقیدت سے سنتے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک نوجوان سپاہی میدان جنگ میں گیا تو وہ بالکل نڈر ہو کر معرکۂ کارزار میں پیش پیش رہتا۔ لوگوں نے

اس سے احتیاط کرنے کو کہا تو اس نے کہا، میں جوانی میں مر نہیں سکتا کیونکہ حضرت شیخ برہان الدین نے فرمایا ہے کہ جب تک تو بڑھاپہ نہ ہوگا نہ مرے گا۔ (روضۃ الاولیاء)

حضرت شیخ اپنی مجلسوں میں تعلیم و تربیت کے سلسلے میں جو کچھ فرماتے اس میں بڑی شیرینی، فصاحت، بلاغت اور تاثیر ہوتی۔ اس لئے سامعین مجلسوں سے اٹھتے تو اپنے قلب کو پاکیزہ اور ذہن کو مصفا پاتے۔ (سیر الاولیاء ص ۲۷۹)

مستفیدین ـــــ حضرت شیخ کی صحبت کیمیا اثر سے جن لوگوں نے روحانی کمالات حاصل کئے ان میں سے بعض کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت سید زین الدین :۔ نام سید داؤد حسین، لقب سید زین الدین اور وطن شیراز تھا۔ شیراز سے دہلی آئے اور دہلی سے دولت آباد منتقل ہوگئے۔ بڑے جید عالم تھے، اس لئے دولت آباد میں علماء اور طلباء کا ہجوم ان کے گرد رہتا تھا۔ ایک مسجد میں تفسیر اور حدیث کا درس دیتے تھے۔ اپنے علم کے غرور میں صوفیاء اور مشائخ کی صحبت سے احتراز کرتے اور ان کے متعلق طنز و تشنیع کے کلمات فرماتے۔ ایک روز ان کا ایک شاگرد شیخ برہان الدینؒ کے پاس مشکوٰۃ المصابیح پڑھنے گیا۔ درس کے بعد محفل سماع تھی، اس میں بھی شریک ہوگیا۔ مولانا سید زین الدین کو معلوم ہوا تو اس پر برہم ہوئے کہ ناچ گانے کی محفل میں کیوں شرکت کی۔ اسی برہمی میں شاگردؔ سے کہا کہ اگر شیخ برہان الدین صاحب فضیلت اور صاحب علم ہیں تو ان سے میرے چند سوالوں کا حل کرا کے لا۔ اس کے بعد ان سوالوں کو کاغذ پر لکھ کر شاگرد کے حوالہ کیا۔ یہ بعض علمی سوالات تھے جن کا جواب مولانا زین الدینؒ کے اساتذہ بھی نہ دے سکے تھے اور خود بھی غیر معمولی قابلیت کے باوجود حل کرنے سے قاصر رہے تھے۔ اب ارادہ کر رکھا تھا کہ بیت اللہ جا کر حرمین کے علماء سے حل کرائیں گے۔ جب شاگرد یہ سوالات حضرت برہان الدینؒ کے پاس لے کر پہنچا تو شیخ نے ان کے کئی کئی جوابات لکھے اور جب یہ جوابات مولانا زین الدین نے پڑھے تو ان کے علم کا سارا غرور اور پندار جاتا رہا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور حضرت شیخ کی طرف غیر معمولی کشش محسوس کی۔ مولانا رکن الدین کا شانی کو لے کر حضرت شیخ کی قیام گاہ پر پہنچے اور جب سامنا ہوا تو

دوڑ کر پیشانی قدموں پر جھکادی۔ شیخ نے فرمایا، ہاں ہاں! داؤد حسین! یہ رسم شریعت میں جائز نہیں۔ مولانا نے کہا جب تک میں اس رسم کو شریعت کے خلاف جانتا تھا، نعمت باطنی سے محروم تھا اور پھر یہ شعر پڑھا۔

دست از طلب ندارم تا کارِ من بر آید
یا جاں رسد بجاناں یا جان ز تن بر آید

اسی وقت بیعت کی۔ اس کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ ختم کردیا اور مرشد کی صحبت بابرکت میں رہنے لگے۔ ایک روز مرشد نے کہا۔ داؤد صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کوئی کتاب پڑھو۔ عرض کیا جس کتاب کا حکم ہو وہی پڑھوں۔ مرشد نے فرمایا، مرصادالعباد پڑھو۔ مولانا زین الدین مرصادالعباد پڑھ چکے ہوئے تھے اور شاگردوں کو بھی پڑھا چکے تھے لیکن مرشد کے حکم سے اس کو ازسرنو پڑھنا شروع کیا۔ تین بار اس کو ختم کیا اور ہر بار کہتے۔ واللہ! یہ وہ مرصاد نہیں جو میں نے پہلے پڑھی تھی (مولانا زین الدین کے مفصل حالات روضۃ الاولیاء اور روضۃ الاقطاب میں ملیں گے۔) رفتہ رفتہ مولانا زین الدین نے درویشی میں بڑی فضیلت حاصل کی۔ خواص، عوام وسلاطین ان کے بہت معتقد رہے۔ سلطان محمد شاہ بہمنی ان ہی کے ہاتھوں پر اپنے اعمال قبیحہ سے تائب ہوا اور ان ہی کے رشد و ہدایت سے اپنی مملکت میں شریعت کو رواج دیا۔ شراب فروشی کی دکانیں بند کرائیں۔ اور چور دلاد رہزنوں کا استیصال کیا۔ اسی طرح خاندیس کے والی نصیر خاں فاروقی نے بھی سید زین الدین سے فیوض و برکات حاصل کئے اور ان کے نام پر ایک شہر زین آباد آباد کیا۔

ایک بار شیخ زین الدین دہلی تشریف لے گئے تو سلطان فیروز شاہ تغلق نے دہلی میں مستقل اقامت کے لئے اصرار کیا لیکن ارشاد فرمایا کہ میں اپنے شیخ کے آستانہ ہی پر مرنا چاہتا ہوں۔ لقب "زین الدین" حضرت شیخ برہان الدین نے عطا کیا تھا۔

حضرت شیخ برہان الدین کی صحبت میں حضرت فرید الدین ادیب بھی روحانی طور پر درجۂ کمال کو پہنچے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں بیعت کی اور رفتہ رفتہ مرشد کی نظر عنایت سے تمام ظاہری وباطنی نعمتوں سے مالامال ہوگئے۔ مشہور تھا کہ ان کا گھر انوار الٰہی

سے منوّر رہتا ہے۔ جب نماز پڑھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ان کی گردن کی ہر رگ سے اللہ اللہ کی صدا بلند ہو رہی ہے۔ شیخ برہان الدین فرماتے، اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا لائے تو کہوں گا کہ فرید کو لایا ہوں۔ حضرت فرید الدین بھی مرشد کا بڑا ادب کرتے اور اسی ادب کے لئے فرید الدین ادیب مشہور ہوئے۔ وفات سے کچھ دنوں پہلے ایک روز روتے دیکھے گئے۔ رونے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا، شیخ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری وفات کے بعد فرید میری جگہ پر بیٹھے گا۔ لیکن یہ کس کی طاقت ہے کہ شیخ کی جگہ پر بیٹھے۔ اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے کہ شیخ سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھا لے۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ اپنے مرشد سے تیرہ دن پہلے ۲۹ محرم ۷۳۸ھ میں وفات پائی۔ مزار خلد آباد میں ہے۔ (روضۃ الاولیاء ص ۶۱)

حضرت فخر الدین دولت آباد کے جلیل القدر امراء میں تھے۔ شیخ دولت آباد تشریف لائے تو کچھ دنوں ان ہی کے یہاں قیام فرمایا۔ حضرت فخر الدین نے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر امارت میں درویشی کی شان پیدا کی۔ شاہی دربار کی طلب پر دہلی گئے، تو وہاں سے مرشد کے حکم سے حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ واپسی کے بعد حضرت شیخ نے ان کو خرقۂ خلافت اور ارادت کا اجازت نامہ بھیجا لیکن قاصد اس وقت دہلی پہنچا جب حضرت شیخ کا وصال ہو چکا تھا۔ حضرت فخر الدین اجازت نامہ پڑھ کر روتے اور کہتے کہ افسوس میری عمر دنیا داروں میں گزری۔ اب یہ شب ہجر کیسے تمام ہوگی۔ اور صبح مراد کیوں کر حاصل ہوگی۔ اسی وقت تمام املاک چھوڑ کر دولت آباد آئے اور بقیہ عمر شیخ کے طریقہ پر گزاری۔ حضرت فخر الدین پہلے خلیفہ ہیں جن کو حضرت شیخ نے مرید کرنے کی اجازت دی۔ شیخ کے حکم کے بموجب بہت سے سالکان طریقت کو داخل بیعت کیا۔

حضرت کاکا سعد بخت (یا شاد بخت) شیراز کے رہنے والے تھے وطن مالوف سے دہلی اور وہاں سے دولت آباد آئے۔ شیخ برہان الدین جب دولت آباد پہنچے تو انہی کے دولت کدہ پر قیام فرمایا۔ اس کے بعد حضرت فخر الدین کے یہاں منتقل ہو گئے۔ حضرت کاکا نے ارادت کے بعد اپنی تمام زندگی مرشد کی خدمت میں گزاری اور غم خواہی

میں گزار دی۔ حضرت شیخ کے باورچی خانہ کے وہی نگران رہے۔ حضرت شیخ بھی ان سے بہت خوش رہتے اور فرماتے کہ کاکا نیک اور پاک لوگوں میں ہیں۔ اسی لئے وہ منظور الاولیاء اور مقبول الاتقیاء کہلائے۔ مرشد کی وفات کے بعد بھی نو سال تک مزار کی تولیت کی۔ شیخ کے پائیں میں مدفون ہوئے۔ (روضۃ الاولیاء ص ۴۲)

حضرت رکن الدین کاشانی، حضرت حماد الدین کاشانی اور حضرت مجد الدین تینوں بھائی تھے۔ حضرت شیخ کی نظر کیمیا اثر سے سلوک کے اعلیٰ مدارج کو پہنچے اور ممتاز خلیفہ ہوئے۔ قتلغ خان دبیر اور رفیع الدین خان دولت آباد کے یکے بعد دیگرے صوبہ دار ہوئے اور دونوں حضرت شیخ کی صحبت سے فیض یاب ہوا کرتے تھے۔

سلاطین کی عقیدت — نصیر الدین فاروقی نے دریائے تاپتی کے کنارے حضرت شیخ ہی کے اسم مبارک پر ایک شہر برہان پور آباد کیا۔ روضۃ الاولیاء میں ہے کہ ملوک زمانہ میں سے کسی نے حضرت شیخ سے درخواست کی کہ اُن کے لئے دُعا کریں کہ اللہ تعالےٰ اس کو فرزند عطا فرمائے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کو ایک نہیں چار فرزند عطا ہوں گے لیکن وہ چاروں اس کے کام کے نہ ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے چار لڑکے خواجہ نصیر الدین، خواجہ قبول، خواجہ عبدالرحمٰن اور خواجہ جلدک ہوئے اور چاروں نے حضرت شیخ کی خدمت میں زندگی گزاری۔ حضرت شیخ فرماتے یہ میرے غلام بھی ہیں اور فرزند بھی۔

سُلطان محمد تغلق کو بھی حضرت شیخ سے عقیدت تھی۔ ایک روز دولت آباد میں جامع قطبی میں جمعہ کی نماز پڑھ کر ملاقات کے لئے روانہ ہوا۔ حضرت شیخ اپنے مرشد کی طرح بادشاہوں کی ملاقات وصحبت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ جب شاہی سواری کے آنے کی خبر سنی تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے لگے کہ بادشاہ سے ملاقات نہ ہو۔ معلوم نہیں سُلطان کے دل میں کیا بات آئی کہ راستے سے واپس چلا گیا۔ سُلطان نے ایک موقع پر تین ہزار سونے کے ٹنکے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجے۔ ملک نائب باربک یہ رقم لے کر پہنچا حضرت شیخ نے اس رقم کے لینے سے انکار کیا کہ اس کی ضرورت نہیں لیکن سُلطان نے

ملک نائب بار بک کو یہ کہہ کر پھر بھیجا کہ یہ رقم اُن کے لئے نہیں بلکہ اُن کے خدمت گزاروں کے لئے ہے۔ حضرت شیخ نے یہ رقم لے لی اور خادم خاص کو بلایا کہ گھر میں جو کچھ موجود ہو لاؤ۔ خادم نے بیس ٹنکے لاکر پیش کئے۔ فرمایا ان کو سلطان کے تین ہزار ٹنکے میں ملا کر فقراء میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ریاضت ـــــ رشد و ہدایت کی مشغولیت کے باوجود عبادت و مجاہدہ میں کسی قسم کی کمی نہیں کی۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے اور یہ معمول پچیس سال تک رہا۔ تیس سال تک داؤدی روزے رکھے۔ صبح کی نماز کے بعد اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ اشراق کی نماز کے بعد صلوٰۃ التحفہ اور اس کے بعد چاشت کی نماز پڑھتے۔ پھر کلام پاک تین پارے تلاوت فرماتے۔ جس کے بعد قبرستان کی زیارت کو تشریف لے جاتے۔ وہاں کبھی پانچ سو اور کبھی ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھتے اس کے بعد قیلولہ فرماتے۔ اس ریاضت کے باوجود فرمایا کرتے، یہ کیا نماز اور سجدہ ہے جو ہم کرتے ہیں۔ سجدہ وہ ہے جو نباتات کرتے ہیں کہ جب سے اُگتے ہیں ان کا سر سجدہ میں ہوتا ہے یہاں تک کہ خشک ہو جاتے ہیں۔ کبھی فرماتے، اے نفس! میں کہتا تھا کہ تجھ کو خوب پامال کروں گا۔ ایک مدت ہو گئی لیکن کچھ نہ کر سکا۔ (روضۃ الاولیاء)

اُوپر ذکر آیا ہے کہ تیس سال تک داؤدی روزے رکھے۔ افطار کبھی صرف پانی کبھی صرف سرکہ اور کبھی صرف دہی سے فرماتے۔ ہفتہ میں صرف دو دن آدھا پیٹ کھاتے تھے۔ لوبیا اور نانِ جو پسند تھی۔ ایک دفعہ حضرت کاکا صاحب نے مغز بادام اور مصری پیش کی۔ چند دانے کھا کر فرمایا۔ کاکا اس میں کسی قسم کی لذت محسوس نہیں ہوتی حضرت کاکا بولے، ایک وہ وقت تھا کہ شوق سے لوبیا اور جو کی روٹی تناول فرماتے اب مصری کے ساتھ مغز بادام پسند نہیں۔ فرمایا سچ کہتا ہوں جو لذت و حلاوت جو کی روٹی اور لوبیا میں پاتا تھا اب کسی کھانے میں نہیں پاتا۔ وہ مجاہدے کا وقت اور محبوب سے فراق کا دور تھا۔ اب وصالِ الٰہی کا زمانہ ہے۔ اس بادام اور مصری میں کیا لذت مل سکتی ہے۔ (روضۃ الاولیاء ص ۲۵)

علالت ـــــ وفات سے پہلے تین سال تک مسلسل علیل رہے لیکن علالت کے زمانے میں بھی رشد و ہدایت اور عبادت و ریاضت کا سلسلہ جاری رکھا۔ علاج کرانے کے قائل نہ تھے۔ فرماتے طبیبی ذکر حبیبی یعنی میرے دوست کی یاد ہی میرا طبیب ہے۔ کبھی رویا کرتے لیکن مریدوں سے کہتے کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں بیماری کی تکلیف سے روتا ہوں۔ ایک لمحہ بھی خدا کی یاد سے باز رہتا ہوں تو روتا ہوں۔ آخر زمانہ میں مریدوں نے دہلی لے جانا چاہا لیکن جہاں مرقد مبارک ہے، اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا میں اس مقام سے جا نہیں سکتا۔

وفات ـــــ آخر وقت میں ایک روز مریدوں کو بلا کر نصیحتیں کیں اور ان میں سے ہر ایک کو دست مبارک سے کچھ کپڑے عنایت کئے۔ وفات کے روز اپنے مرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی تسبیح منگوائی۔ اس کو سامنے رکھا اور دستار گلے میں ڈال کر کہنے لگے مسلمان ہوں، امت رسول ہوں، شیخ کا مرید ہوں۔ میں نیک نہ تھا، نیک زندگی بھی بسر نہیں کی۔ اپنا انصاف خود کرتا ہوں۔ پھر مرشد کی تسبیح سے تجدید بیعت کی اور زار زار رونے لگے۔ چاشت کے وقت خادم خاص سے کہا کہ باورچی خانہ میں دونوں کو لے جا کر کھانا کھلا دو۔ وہاں کچھ باقی نہ رہے۔ جب یاران طریقت کھانا کھا رہے تھے تو حضرت شیخ نے مرشد کا خرقہ اور تبرکات لانے کو کہا اور اسی وقت روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ نفائس الانفاس میں وفات کی تاریخ صفر ۷۳۸ھ لکھی ہوئی ہے۔ مرقد مبارک خلد آباد میں ہے۔

ملفوظات ـــــ حضرت شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات کے تین مجموعوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔

۱۔ حصول الوصول۔ اس کو شیخ کے مرید خواجہ حماد کاشانی نے جمع کیا۔ ۲۔ ہدایت القلوب اس کو ایک دوسرے مرید شیخ حسین نے قلمبند کیا۔ ۳۔ نفائس الانفاس۔ اس کو ایک تیسرے مرید خواجہ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی نے مرتب کیا۔

ان ملفوظات میں سے صرف نفائس الانفاس کا ایک کرم خوردہ اور بدخط قلمی نسخہ

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ سے دستیاب ہو سکا ہے۔ اس کی ابتدا رمضان المبارک سنہ ۷۳۲ھ سے کی گئی ہے اور صفر سنہ ۷۳۸ھ تک کے ملفوظات درج کر کے ختم کر دیا گیا ہے۔ یہی تاریخ حضرت شیخ کی وفات کی ہے۔ ان ملفوظات کو فوائد الفواد کی طرز پر جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نفائس الانفاس کا پیش نظر قلمی نسخہ ۱۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں تصوف کی تمام تر وہی تعلیمات اسی انداز میں دی گئی ہیں جو گزشتہ صفحات میں بزرگانِ چشت کے ملفوظات میں پیش ہو چکی ہیں لیکن یہاں پر ہم حضرت شیخ کی کچھ روحانی تعلیمات کو ان کے خلفاء کی تصانیف کی مدد سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

شمائل الاتقیاء:۔ نفائس الانفاس کے مرتب خواجہ رکن الدین نے اپنے مرشد کی فرمائش سے شمائل الاتقیاء لکھی، جو اب تک فن تصوف میں ایک اہم تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب چار قسموں میں تقسیم ہے۔ پہلی قسم اصحاب طریقت کے افعال، دوسری قسم ارباب حقیقت کے احوال، تیسری قسم وجود باری تعالیٰ کے اوصاف اور چوتھی بندوں کے فضائل پر ہے۔ کُل ۹۱ بیانات (یعنی ابواب) ہیں۔ اس کتاب کی تالیف میں فاضل مؤلف نے تقریباً دو سو کتابوں سے استفادہ کیا ہے جس سے ان کے علمی تبحر اور وسعتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ تصوف کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اس کتاب میں موجود نہ ہو لیکن مؤلف نے ان مسائل پر کوئی مرتب اور مدلل بحث نہیں کی بلکہ ہر مسئلہ پر شروع میں اپنی رائے کا اظہار کر کے کلام پاک کی آیات، تفاسیر کی تشریحات، احادیث نبوی، صحابہ کرام، تابعین عظام، بزرگانِ علم طریقت و حقیقت کے اقوال نقل کر دیئے ہیں۔ شمائل الاتقیا کے اس طرز تالیف سے رہروانِ سلوک کو تصوف کے تمام مسائل کو مختلف مصنفوں کے خیالات کی روشنی میں علمی نقطہ نظر سے مطالعہ کرنے میں بڑی آسانی اور سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ اہل نظر نے اس کو جامع، مفصل اور دلچسپ تصنیف بتایا ہے۔

خواجہ رکن الدین کی کچھ اور تصانیف رسائل کے نام یہ ہیں:۔ رسالہ عزیب،

رموز الواہین، اذکار المذکور، تفسیر رموز، لیکن یہ سب ناپید ہیں البتہ ان کے اقتباسات کثرت سے شمائل الاتقیا میں ملتے ہیں۔

رسالہ غریب: جیسا کہ نام سے ظاہر ہے حضرت شیخ برہان الدین غریب کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں وہی تعلیمات دی گئی ہیں جو حضرت شیخ نے بزرگان چشت سے پائی تھیں۔ ان تعلیمات کو خاص خاص عنوانات کے تحت ہم قلمبند کرتے ہیں۔

نماز — ظاہری نماز کا تعلق شریعت کے مطابق اعضا سے ہے۔ اور باطن کی نماز طریقت کی رو سے دل کا تفکر ہے۔ قلب و رُوح کی نماز فیض سے حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ حقیقت کی نماز ہے۔ خواص ظاہر میں تو کعبہ کی طرف رُخ کرتے ہیں لیکن ان کی توجہ رب کعبہ کی طرف ہوتی ہے۔ سجدۂ جسم تو خضوع ہے اور سجدۂ دل خشوع۔ سجدہ میں پیشانی اگر زمین پر ہے اور دل ہر طرف دوڑ رہا ہے تو ایسا سجدہ مسجود تک نہیں پہنچتا بلکہ مردود ہو جاتا ہے۔ حضور دل کے ساتھ تھوڑی سی نماز بے حضوری کی بہت سی نمازوں سے افضل ہے۔ نماز پڑھنے والے اگر اپنی نماز کی بربادی سے واقف ہو جاتے ہیں یعنی ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی نماز قبول نہیں ہوتی تو پھر ان کو دعا مانگنے میں شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ (رسالہ غریب در شمائل الاتقیا ص ۷۹ - ۷۶)

تلاوت قرآن پاک — تلاوت قرآن مجید کے وقت اگر عذاب و رحمت کی آیت آئے تو اس وقت تلاوت کرنے والے تامل اور تفکر کریں۔ اگر حق تعالیٰ کی صفات کی آیات آئیں تو وہ تواضع و عزت کریں اور جب حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کی جسارت کا ذکر ہو تو اس کو آہستہ اور شرم کے ساتھ پڑھیں۔ تلاوت کے وقت یہ خیال رہے کہ خود خداوند تعالیٰ ان سے کچھ کہہ رہا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی تجلی کلام پاک کے حروف میں تبدیل کر دی گئی ہے۔ اسی وجہ سے آنکھ اور دل اس تجلی کی تاب لا سکتے ہیں ورنہ زمین اور آسمان بھی اس کی تجلی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

روزہ — حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ روزے سے حیوانی صفات دور ہوتی ہیں اور خداوند تعالیٰ کی صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ہر عبادت و اطاعت کی جزا تو بہشت ہے لیکن

روزے کی جزاء خود حق تعالیٰ ہے۔

زکوٰۃ ـــــ اللہ تعالیٰ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے خاص اور عام بندوں کو سفر میں چار رکعت نماز کے بجائے دو ہی رکعت پڑھنے کو کہتا ہے۔ وہ اپنی غفاری سے بخش دیتا ہے اور اپنی رحمانی سے رحمت نازل کرتا ہے۔ انبیاء کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنی نعمت نبوت کی وجہ سے خلق اللہ کو اوامر و نواہی سے آگاہ کرتے ہیں۔ برگزیدہ اولیاء اللہ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ تصفیۂ دل و تخلیۂ روح کے ذریعہ سے عشق، محبت اور معرفت حاصل کرتے ہیں۔ مشائخ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو علم سلوک کی تلقین کرتے ہیں۔ علماء کی زکوٰۃ یہ ہے کہ کلام پاک، احادیث نبویؐ اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں اور اغنیاء کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو دینار میں پانچ دینار غرباء کو دے دیتے ہیں۔

حج ـــــ عام حاجیوں کا حج دینی و دنیاوی مقاصد کے لئے ہوتا ہے۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف اس لئے کرتے ہیں کہ اُن کے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔ لیکن عاشقانِ خدا کا حج رب کعبہ سے قربت حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ وہ احرام اس لئے باندھتے ہیں کہ اسرار الوہیت معلوم کریں۔ ایک حاجی حج میں اپنی مغفرت کے خیال سے خوش ہوتا ہے لیکن ایک عاشقِ خدا حج میں اپنی جان نذر کرنے میں فرحت و مسرت محسوس کرتا ہے کیونکہ کعبہ ہی میں اس کو مقصود اصلی و مطلوب کلی نظر آتا ہے۔

عبادت ـــــ بلا عذر عبادت کا ترک کرنا فسق ہے اور عبادت سے منہ موڑنا کفر ہے۔

شریعت، طریقت، حقیقت ـــــ اوامر و نواہی کا پابند ہونا شریعت ہے۔ دل کی صفائی کرنا اور برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دینا طریقت ہے اور ماسوا اللہ کی باتوں کو دفع کر کے رُوح میں تجلّی پیدا کرنا حقیقت ہے۔

سلوک ملکوتی ـــــ یہ ہے کہ اخلاق نبویؐ اور افعالِ نبویؐ کی متابعت کی جائے۔ اخلاق و اعمال نبویؐ کے اتباع کے بعد احوال مصطفوی کی متابعت ضروری ہے اور اس سے انوار الٰہی ظاہر ہوتے ہیں، جس کے بعد سالک عالم جبروت میں پہنچ کر صفاتِ خداوندی

سے خط اٹھاتا ہے۔

ذکر ـــــ چار قسم کا ہوتا ہے:۔ لسانی، جس سے دل پر اثر ہوتا ہے۔۲۔قلبی، جس سے تمام اعضاء متاثر ہوتے ہیں۔۳۔طبعی، یعنی اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے میں بھی ہر عضو سے ذکر ہو اور کان میں جو آواز پڑے وہ بھی ذکر ہو۔۴۔مستولی، یعنی ذکر کا ایسا استیلاء ہو کہ نہ ذکر رہے نہ ذاکر بلکہ صرف مذکور رہے۔

جمع و تفرقہ ـــــ تفرقہ فصل پیدا کرتا ہے اور جمع سے وصل ہوتا ہے۔مجنوں کے باطن کی جمعیت لیلیٰ سے تھی۔اس لئے وہ جملہ موجودات کو لیلیٰ کی صورت میں دیکھتا تھا اس طرح جو دل حق تعالیٰ میں جمع ہے، وہ تمام مخلوقات کے اندیشہ سے متفرق یعنی علیحدہ رہتا ہے اور جب وہ تمام تکوینی قوتوں سے رخ پھیر لیتا ہے تو اس کا رُخ حق کی طرف ہو جاتا ہے۔تفرقہ کسب سے حاصل ہوتا ہے اور جمع عطیۂ الٰہی ہے۔اولیاء اللہ اسرار باطن کو جمع رکھتے ہیں اور معاملات ظاہر سے متفرق یعنی علیحدہ رہتے ہیں۔

علم الیقین و عین الیقین ـــــ دنیا میں علم الیقین کی تمیز حضور قلب کی حالت میں ہوتی ہے اور جب ایک سالک حضور سے غیبت میں ہوتا ہے تو حالت تمیز سکر میں بدل جاتی ہے اور عین الیقین ظاہر ہوتا ہے۔ایک سالک کو پہلے علم الیقین حاصل ہوتا ہے۔علم الیقین سے عین الیقین اور عین الیقین سے حق الیقین حاصل ہوتا ہے۔اہل یقین دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتے ہیں اور اسی یقین کی بدولت پانی کو زمین، زمین کو پانی، سرد کو گرم اور گرم کو سرد بنا سکتے ہیں۔

موت ـــــ تین قسم کی ہوتی ہے۔صوری، معنوی، حقیقی۔صوری تو یہ ہے کہ جسم سے رُوح نکل جاتی ہے اور یہ شرعی موت ہے جس کو موت صغریٰ کہتے ہیں۔معنوی یہ کہ ایک مرید کسی غیر شخص سے کچھ التجا کرے۔یہ موت طریقت اور موت کبریٰ ہے۔موت حقیقی یہ ہے کہ کوئی غیر حق سے کچھ التجا کرے اور یہ موت اکبر ہے۔

رضا و صبر ـــــ رضا یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو اس سے کراہت پیدا نہ ہو۔اگر اس سے کراہت پیدا ہو اور اس کا اظہار نہ کرے تو یہ صبر ہے۔یعنی

مصیبت کو شوق سے برداشت کرنا رضا ہے اور کراہت کے ساتھ برداشت کرنا صبر ہے۔

حضور ــــ سے مراد حق تعالیٰ کو دیکھنا ہے نہ کہ اس سے گفتگو کرنا ہے۔ حضور میں گفتگو کرنا بے ادبی ہے۔ اگر گفتگو ہو تو صرف سننے کے لئے ہو اور سننا صرف جاننے کے لئے ہو اور جاننا تمام چیزوں سے فارغ ہونے کے لئے ہو۔ اس کا طالب اگر سو سال تک مشغول رہے اور ایک لحظہ کے لئے بھی غائب ہو جائے تو اس سے جو چیز کھو جاتی ہے، وہ پھر واپس نہیں ہو سکتی۔ حضور دل کے لئے مراقبہ لازمی ہے اور مراقبہ بغیر حضور کے ممکن نہیں۔ اسی طرح مراقبہ کے بغیر مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔

رویت ــــ رویت خدا تین قسم کی ہوتی ہے۔ یقینی، مشاہدہ اور عیانی یقینی تو یہ ہے کہ عوام میں سے ہر مومن یہ یقین رکھتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ایک حقیقت ہے جو نظر آئے گی۔ خواص کا مشاہدہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کو دیکھ لیتے ہیں۔ اور عیانی یہ ہے کہ قیامت کے روز آنکھوں سے دیکھیں گے۔

حضرت خواجہ رکن الدین کی ایک تصنیف رموز الوالہین بھی ہے۔ اس کی تعلیمات یہ ہیں :-

فقر ــــ فقر عشق ہے۔ فقیر راہ طریقت و حقیقت کا عاشق یعنی عاشق لقاء اللہ ہے۔ اس عشق میں اس کو کسی اور چیز کی آرزو نہیں ہوتی اور جب لقاء اللہ میں اس کو استغراق ہو جاتا ہے تو صفت لقاء سے موصوف ہوتا ہے۔ وہ جمال اللہ کے انوار کی تجلی پاتا ہے اور "ہویت" کی صفت سے مخصوص ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فقر کا درجہ ختم ہو جاتا ہے۔

صحو و سکر ــــ ہر صحو میں سکر اور ہر سکر میں صحو ہے۔ جب سالک صحو میں ہوتا ہے تو ایک ایسے مقام میں پہنچتا ہے جہاں وہ حیران رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ سکر میں آجاتا ہے اور جب اس مقام میں اس کی حیرانی دور ہو جاتی ہے تو صحو میں چلا آتا ہے۔ اس کے بعد پھر کسی بلند تر مقام پر اس کی نظر پڑتی ہے تو پھر سکر میں ہو

جاتا ہے۔ اس مقام خاص میں کبھی سکر میں اور کبھی صحو میں ہوتا ہے۔ یہ احوال ذوق سے پیدا ہوتے ہیں۔

تلوین و تمکین ـــــ سالک جب فکر کرتا ہے تو دو مقام آتے ہیں تلوین اور تمکین۔ مقام تلوین میں صفات سلبی اور مقام تمکین میں صفات ثبوتی پیدا ہوتی ہیں۔ جس کے بعد نفسانی خواہشات بالکل نہیں رہتی ہیں۔

جلال و جمال ـــــ حق تعالیٰ جب کسی پر عنایت کرتا ہے تو پہلے اس پر اپنے جلال کا قہر نازل کرتا ہے۔ اگر وہ اس جلال کا متحمل ہوتا ہے اور اس جلال میں لطف محسوس کر کے اس کی زیادتی کے لئے دُعا کرتا ہے تو گویا اس میں اصلی محبت و حقیقی عشق کا جذبہ پیدا ہونے لگتا ہے اور جب جلال میں اس کو لذت محسوس ہوتی رہتی ہے، تو وہ جمال حق تعالیٰ سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ انبیاء جمال سے جلال کی طرف آتے ہیں لیکن اولیاء جلال سے جمال کی طرف جاتے ہیں۔

خواجہ رکن الدین کے دو بھائی خواجہ حماد الدین اور خواجہ مجد الدین بھی صاحب تصنیف تھے۔ اول الذکر کی تصانیف یہ ہیں:۔

۱۔ حصول الوصول ۲۔ اسرار الطریقت

۳۔ احسن الاقوال

مؤخر الذکر کی دو کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔ غرائب الکرامت ـــــ اور بقیۃ الغرائب۔ ان دونوں میں حضرت برہان الدین غریب کے خوارق، عادات و کرامات کا ذکر ہے۔

حضرت مولانا ضیاالدین نخشبیؒ

نام و وطن
ارادت
وفات
تصانیف
سلک السلوک پر ایک نظر

نام ووطن ـــــ اسم گرامی ضیاء الدین اور تخلص نخشبی تھا۔ بدایون کے رہنے والے تھے۔ گو زندگی گوشۂ تنہائی میں گزاری لیکن اپنی استعداد کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی

ارادت ـــــ اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ مولانا ضیاء الدین نخشبی کی ارادت سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری کے پوتے حضرت شیخ فرید سے تھی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ آپ خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ لیکن اخبار الاخیار میں ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے زمانہ میں تین شخص ضیاء نام کے تھے

۱۔ ضیاء سنامی جو منکر شیخ تھے۔ ۲۔ ضیاء برنی جو خواجہ کے معتقد اور مرید تھے۔ ۳۔ ضیا نخشبی جو خواجہ کے نہ منکر تھے نہ معتقد۔ (ص ۹۸)

مولانا ضیاء الدین نخشبی نے لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر زندگی زاویۂ خمول میں گزاری اور اس گوشۂ عافیت میں زیادہ تر تصنیف و تالیف کا مشغلہ رکھا۔ اس لئے ان کے حالات زندگی کی کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔

سال وفات ـــــ اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں سال وفات ۷۵۱ھ درج ہے۔

تصانیف ـــــ آپ نے متعدد تصانیف چھوڑیں۔ خزینۃ الاصفیاء میں ان کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ سلک السلوک ۲۔ عشرہ مبشرہ ۳۔ کلیات و جزئیات ۴۔ شرح دعائے سریانی ۵۔ طوطی نامہ۔ انڈیا آفس کے کتب خانہ کے فارسی مخطوطات میں حضرت نخشبی کی ایک تصنیف لذت النساء کا بھی ذکر ہے۔ اس کے علاوہ ایک تالیف ناموس اکبر بھی بتائی جاتی ہے، جس

میں صوفیانہ طرز پر اعضائے جسم یعنی آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کے اوصاف بتائے گئے ہیں۔ ان تصانیف میں سے طوطی نامہ اور سلک السلوک بہت مقبول ہوئیں۔ طوطی نامہ میں جس کا سالِ تالیف ۷۳۰ھ ہے ۵۲ عبرت آموز کہانیاں ہیں۔ ۱۷۹۲ء میں مسٹر جرانس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ترکی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوا۔

سلک السلوک فنِ معرفت و سلوک میں ایک اہم تصنیف ہے۔ اس میں تصوّف کے مختلف مسائل کو الگ الگ عنوانات میں بیان کیا گیا ہے۔ ہر مسئلہ ایک علیحدہ باب میں ہے کُل ۱۵۱ ابواب ہیں۔ شروع میں تصوّف کی اصطلاحات کی تشریح ہے۔ پھر صوفیانہ رموز و نکات کی تصریح و توضیح حکایتوں کے پیرایہ میں کی گئی ہے۔ مثلاً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رات کے وقت یادِ حق ضرور کرنی چاہیئے تو لکھتے ہیں۔

"ایک دن ایک خواجہ نے ایک لونڈی خریدی۔ رات ہوئی تو لونڈی سے کہا اے کنیزک میرا بچھونا درست کر دے کہ میں سو رہوں۔ لونڈی نے کہا: اے مولیٰ! کیا تمہارے بھی مولیٰ ہے۔ خواجہ نے کہا، ہاں! لونڈی نے پوچھا، کیا وہ بھی سوتا ہے؟ خواجہ نے کہا نہیں۔ لونڈی نے کہا، تمہیں شرم نہیں آتی، تمہارا مولیٰ تو جاگے اور تم سو رہو۔"

اسی طرح یہ تلقین کرنی چاہتے ہیں کہ کسی کا محکوم ہونا نفس کے محکوم ہونے سے بہتر ہے تو لکھتے ہیں:-

"ایک سجادہ نشین ہر جمعہ کو اپنی خانقاہ سے مسجد جانے کے لیے باہر نکلتے تھے۔ جس کسی کو دیکھتے، پوچھتے کہ مسجد کا راستہ کون سا ہے۔ ایک بار ایک شخص نے کہا تم کو برسوں مسجد جاتے ہو گئے لیکن راستہ یاد نہیں۔ انہوں نے کہا میں جانتا ہوں مگر محکوم ہو کے چلنا حاکم ہونے سے بہتر ہے۔ چاہیئے کہ اپنی ذات کو دوسروں کے طفیل میں سمجھے۔"

یہ اندازِ بیان اور بھی دلپذیر اور مؤثر ہو جاتا ہے جب ناصحانہ طریقہ پر ایک ایک حکایت بشنو! بشنو! (سنو سنو!) سے شروع کی جاتی ہے۔ مثلاً "سنو! سنو! ایک دفعہ

موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تمہاری قوم میں جتنے نیک ہیں اُن کو بدوں سے الگ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے آواز دی۔ بہت سے لوگ باہر آئے۔ حکم ہوا ان میں سے نیکوں کو چُن لو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمی نکالے۔ فرمان ہوا موسیٰؑ! ان میں سے بھی چنو۔ چنانچہ ستر میں سے سات چنے۔ پھر حکم ہوا ان میں سے بھی چنو۔ تب ان میں سے تین چنے۔ حکم آیا، اے موسیٰ! میرے نزدیک یہ تینوں سب سے بُرے ہیں کیونکہ جب انہوں نے سنا کہ تم نیکوں کو پکارتے ہو تو یہ اپنے کو نیک سمجھ کر باہر آئے۔ اے عزیز! عبادت نہ کرنے والا اس سے بہتر ہے کہ عبادت کرے اور فخر کرے۔ شریعت میں مدعا علیہ کو قید کرتے ہیں لیکن طریقت میں مدعی کو قید خانہ بھیجا جاتا ہے۔"

حکایت فرمائی، "سنو سنو! ایک بقال نے ایک شخص کو شیر پر سوار اور سانپ کو کوڑا بنائے ہوئے دیکھا۔ دیکھ کر کہا یہ آسان ہے لیکن ترازو کے دونوں پلڑوں میں بیٹھنا مشکل ہے۔"

ایک اور حکایت: "سنو سنو! ایک بزرگ نے چاہا کہ بازار جاکر کچھ خریدیں۔ دینار کو گھر میں تولا۔ جب بازار لے گئے تو دینار گھر کے وزن سے کم نکلا۔ رونے لگے تو لوگوں نے پوچھا، کیوں روتے ہو؟ فرمایا، جب گھر کی چیز یہاں ٹھیک نہیں پڑی تو قیامت میں دنیا کی باتوں کا کیا حال ہوگا۔"

ان دلچسپ حکایتوں میں اور بھی زیادہ تاثیر پیدا کرنے کے لئے جا بجا ان کو اپنے قطعات سے بھی مزین کرتے ہیں۔ مثلاً "سنو سنو! وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ کعب احبار مسجد میں سب صفوں کے پیچھے کھڑے ہوتے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا بھید ہے فرمایا، میں نے توریت میں دیکھا ہے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے لوگ ہوں گے کہ جب وہ مسجدیں سجدے کریں گے اور انہوں نے سر بھی نہ اٹھایا ہوگا کہ اُن سے پیچھے والوں کو خدا بخش دے گا۔ میں اسی سبب سے سب کے پیچھے کھڑا ہوتا ہوں تاکہ ان کے سجدے سے میرا کام بن جائے۔ قطعہ

بخششی درمیان بہین خود را   قطرۂ را چہ سیلے حی خوانی

ہمہ کس در طفیل تو گردد　　گر تو خود را طفیل کس دانی

ایک بار ایک خلیفہ نے ایک بوڑھی عورت کے لڑکے کو قید کر دیا۔ بوڑھی عورت نے خلیفہ کے پاس پہنچ کر فریاد کی۔ اور کہا کہ میرے لڑکے کو رہا کر دیجئے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ جب تک میں خلیفہ ہوں تیرا لڑکا قید سے رہا نہیں کیا جائے گا۔ بڑھیا نے یہ سن کر آسمان کی طرف دیکھا اور درد بھری آواز سے بولی، اے سلطان عالم! دنیا کی قید و رہائی تیری قدرت میں ہے۔ لیکن تیرے خلیفہ نے جو حکم دیا ہے کیا تو نے اس کو سنا۔ نہیں معلوم کہ اب تو کیا حکم دے گا۔ بڑھیا کی اس دردناک فریاد سے خلیفہ کے دل میں نرمی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ اس کے لڑکے کی رہائی کا حکم دے دیا۔ اس کو خلعت دیا اور گھوڑے پر سوار کر کے بغداد کی گلیوں میں پھرایا اور ساتھ ساتھ یہ منادی کی جاتی تھی کہ ھذا اعطاء اللہ تعالیٰ علی رغم خلیفہ و مقامہ و محلہ (یہ خلیفہ، اس کے درجے اور مرتبے کے علی الرغم اللہ تعالیٰ کی عطا ہے) قطعہ

نخشبی حکم خلق چیزے نیست　　مرد ایں رہ کجا ست در عالم
در جہان گفتہ ہیچ کس نشود　　حکم حکم خدا ست در عالم

حکایت — "شنو شنو! بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا۔ ستر سال عبادت کی ایک دن کسی حاجت روائی کے لئے دعا مانگی لیکن دعا قبول نہ ہوئی۔ اپنے نفس سے برہم ہوا کہ اے نفس! اگر تیری عبادت میں اخلاص ہوتا تو میری دعا ضرور قبول ہوتی۔ حق تعالےٰ کے یہاں سے اس زمانہ کے پیغمبر کے پاس فرمان آیا کہ اس زاہد سے کہو، نفس پر ایک ساعت کا عتاب ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔" قطعہ

نخشبی در عتاب ردی باش
ورنہ خود باطن تو خون گردد
ہر کہ با نفس خود عتابے کرد
از عتاب ہمہ مضمون گردد

یہ تمام حکایتیں دار المصنفین اعظم گڑھ کے قلمی نسخہ سلک السلوک سے لی

گئی ہیں۔ مولانا عبدالحق محدثؒ دہلوی "سلک السلوک" کو بڑی شیریں و رنگین کتاب بتاتے ہیں۔

حضرت خواجہ نصیر الدین محمودؒ

چراغ دہلی

- نام و نسب
- بیعت
- مرشد کی جانشینی
- چراغ دہلی کا لقب
- شاہی ملازموں کی اصلاح
- حضرت قطب الدین منورؒ سے ملاقات
- قاتلانہ حملہ
- لطافت طبع
- ابتدائی تعلیم
- قیام دہلی
- پند و نصائح
- رشد و ہدایت
- شاہی دربار سے تعلقات
- ذوق سماع
- وصال
- ملفوظات
- خلفاء

نام و نسب ــــ اسم مبارک محمود، نصیر الدین محمود، گنج اور چراغ دہلی القاب تھے۔ آپ کے جد بزرگوار شیخ عبد اللطیف یزدی خراسان سے لاہور آئے۔ والد ماجد شیخ محمود یحییٰ اسی شہر میں پیدا ہوئے اور سن شعور میں اودھ منتقل ہو گئے تھے۔ یہاں وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے جس میں اُن کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ ان کے پاس بہت سے غلام تھے۔ (سیر العارفین۔ سیر الاولیاء)

حضرت نصیر الدین محمود کی ولادت با سعادت اسی خطہ میں ہوئی۔ بعض تذکرہ نگاروں نے مقام پیدائش اجودھیا اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے۔ اسی لئے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ نسباً سادات حسنی میں سے تھے۔

ابتدائی تعلیم ــــ نو سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ تعلیم و تربیت کا فرض والدہ ماجدہ نے انجام دیا۔ اُن کے زہد و تقویٰ کے اثر سے بچپن ہی میں نماز با جماعت کے پابند ہو گئے تھے، جو کسی حال میں کبھی فوت نہیں ہوتی تھی۔ خیر المجالس کے ایک ملفوظ میں ہے کہ فقہ کی مشہور کتاب بزدوی قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھی۔[1] لیکن

---

[1] مجلس چہل و ششم میں ہے۔ (اردو ترجمہ ص ۱۰۹) جناب خواجہ ذکرہ اللہ تعالیٰ بالخیر قاضی محی الدین کاشانی کے ذکر میں تھے۔ فرمایا میں نے بزدوی انہی سے پڑھی ہے۔ پھر ان کے طبع رسا اور دقتِ نظر کا بیان کیا کہ بڑے محقق تھے۔ اس مجلس میں ایک مرید جناب سلطان المشائخ کا حاضر تھا۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۲۳)

سیر العارفین میں ہے کہ ابتدا میں مولانا عبدالکریم شیروانی علامۂ زمان سے ہدایہ اور بزدوی کو پڑھا۔ بعد وفات مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے جمیع علوم حاصل کئیے۔" (جلد ۲ ص ۴)

پچیس سال کی عمر میں ترک و تجرید اختیار فرمائی اور محاسبہ نفس میں مشغول ہوئے۔ گرد و نواح کے جنگل و بیابان میں ایک درویش کے ہمراہ آٹھ سال تک گھومتے رہے۔ اس صحرا نوردی میں بھی نماز با جماعت کے پابند رہے۔ روزے بھی ترک نہیں ہوئے۔ برگ سنبھالو سے افطار کیا کرتے تھے۔

بیعت:۔ سیر العارفین اور مراۃ الاسرار میں ہے کہ ۴۳ سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا۔ بیعت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ محمود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی قیام گاہ کے پاس ایک درخت کے نیچے متحیر کھڑے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء بالاخانہ سے نیچے اتر رہے تھے کہ شیخ محمود پر اُن کی نظر پڑی۔ خادم خاص کے ذریعہ خلوت میں بلا کر دل کی کیفیت پوچھی۔ عرض کیا درویشوں کی جوتیاں سیدھی کرنے آیا ہوں۔ اس جواب سے حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء نے شیخ محمودؒ میں سچی طلب محسوس کر کے اُن کی جانب توجہ فرمائی۔ اثنائے گفتگو میں فرمایا جب میں اپنے مرشد کی خدمت میں رہتا تھا تو اجودھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے کپڑے دیکھ کر کہا، تمہارا یہ کیا حال ہے؟ اگر تم اس شہر میں لڑکوں ہی کو پڑھایا کرتے تو بھی تمہیں فارغ البالی ہو

(بقیہ حاشیہ از ص ۲۲۲) انھوں نے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک بار قاضی محی الدین کاشانی سخت بیمار ہوئے کہ یاروں نے ان کی صحت دشوار جانی۔ حضرت سلطان الاولیاء سُن کر اُن کی عیادت کو تشریف لائے۔ وہ دیکھ کر اٹھے اور اپنے آپ کو سنبھال کر شیخ کی تعظیم کی۔ اسی وقت سے مرض میں تخفیف ہو گئی۔ جب حضرت شیخ لوٹ گئے تو کہا۔ شیخ بظاہر میری عیادت کو آئے تھے مگر دیکھو کس طرح درپردہ سلب مرض کر گئے۔

جاتی۔ میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا نظام الدینؒ! اگر تمہارا کوئی دوست تمہارا یہ حال دیکھ کر تم سے پوچھے کہ آخر یہ کیا حالت ہے؟ تعلیم دینے سے تم کو فارغ البالی حاصل ہو جاتی، اس کو کیوں ترک کر دیا، تو اس کا کیا جواب دو گے۔ میں نے عرض کیا، جو ارشاد ہو۔ فرمایا یہ شعر جواب میں پڑھ دینا ۔

نہ ہمراہی تو مرا راہ خویش گیر و برو — ترا سعادت بادا مرا نگوں ساری

(ترجمہ: تو میرا ہم سفر نہیں۔ اپنی راہ لے اور چلتا بن۔ تجھے سعادت مبارک ہو۔ مجھے عاجزی اور انکساری کافی ہے۔)

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا اور مجھ سے کہا اس کو سر پر رکھ کر جہاں تمہارا دوست ہے وہاں لے جاؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ دوست نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا تمہیں یہ صحبت اور یہ حالت مبارک ہو۔ (سیر الاولیاء ص ۲۳۸)

حضرت شیخ محمود نے یہ واقعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی زبانی سُنا، تو دل میں عشق الٰہی کی آگ شعلہ زن ہونے کے ساتھ مرشد کی محبت بھی پیوست ہو گئی اور بیعت کے بعد بڑی دل سوزی سے مرشد کی خدمت شب و روز کرتے رہے۔ اسی لئے تمام درویش ان کو نصیر الدین محمود گنج کہا کرتے اور بہت محبوب رکھتے تھے۔ (سیر العارفین)

حضرت نصیر الدین محمود کو اپنے مرشد سے جو والہانہ شیفتگی تھی، اُس کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں حضرت خواجہ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی کے ایک مرید خواجہ محمد گازرونی آکر مقیم ہوئے۔ وہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھے تو جماعت خانہ میں کپڑے رکھ کر وضو کرنے گئے۔ واپس ہوئے تو کپڑے غائب تھے۔ اُن کی تلاش میں شور و شغب کرنے لگے۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود خانقاہ کے ایک گوشہ میں عبادت میں مشغول تھے۔ خیال ہوا کہ اس شور و شغب سے مرشد کی عبادت میں خلل پڑے گا۔ اس لئے خواجہ محمد گازرونی کے پاس پہنچے اور اپنے کپڑے اُتار کر اُن کو دے دیئے۔ صبح کو جب یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہیؒ کو معلوم ہوا تو حضرت نصیر الدین محمودؒ کو بالاخانہ پر طلب کر کے اپنی خاص پوشاک عطا کی اور اُن کے لئے

دعائے خیر کی۔

بیعت کے بعد مرشد کی ہدایت کے بموجب ریاضت و مجاہدہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ دس دس روز گزر جاتے اور کچھ تناول نہ فرماتے اور جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو لیموں کا عرق پی لیتے۔

سیر العارفین میں ہے کہ کچھ دنوں مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد والدہ ماجدہ کے پاس چلے گئے۔ لیکن یہاں خلق اللہ کے ہجوم سے یادِ الٰہی میں سکون میسر نہ آتا اس لئے حضرت امیر خسرو کے ذریعہ مرشد کی خدمت میں عرض حال کر کے جنگل میں جا کر عبادت کرنے کی اجازت مانگی۔ حکم ملا کہ وہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہیں۔ اور خلق کی جفاؤں کو برداشت کریں۔ اس ایثار کا بدلہ ان کو ملے گا۔ اسی سلسلہ میں حضرت محبوب الٰہی نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مختلف افراد مختلف کاموں کے لئے موزوں ہوتے ہیں۔ اسی لئے میں کسی سے تو یہ کہتا ہوں کہ اپنے لب کو بھی بند رکھے اور اپنے دروازے کو بھی۔ کسی کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ مریدوں کی تعداد بڑھائے۔ کسی کو یہ حکم دیتا ہوں کہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہے۔ اور اُن کی جفاؤں کو برداشت کرتے ہوئے اُن سے حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ یہی مقام انبیاء و اولیاء ہے۔

حضرت شیخ نصیر الدین نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی اور آبادی میں رہ کر عبادت و ریاضت کو جاری رکھا۔ ملفوظات خیر المجالس (مرتبہ حمید شاعر معروف بہ قلندر) میں ہے:۔

لہ سیر الاولیاء ص ۲۳۶۔ بعض تذکروں میں یہ روایت کسی اور موقع پر درج ہے۔ لیکن سیر الاولیاء میں یہ روایت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے "در ابتدائے بہ نظر خاص سلطان المشائخ ملحوظ گشتہ بود ـــ" اور روایتوں میں بھی کہیں کہیں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ اگر عاجز راقم سے بھی روایتوں کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہو تو وہ ناظرین سے معذرت کا خواہاں ہے۔

"سال ہا سال مجھ کو یہ آرزو رہی کہ ایک تہ بند و کرتہ پہن کر کلاہ سر پر رکھ کر کوہ و بیابان یا کسی مسجد و مزار میں جا بیٹھوں ۔ پھر شہر کو یاد کر کے فرمایا کہ وہاں بہت حظیرے دل پسند ہیں وہاں مجھ کو خلوت سے بہت راحت و تسکین ہوتی تھی ۔ ان دنوں وہ مزار اور حظیرے نہیں رہے ۔ سنتا ہوں کہ [redacted] سب مقاماتِ دلکش خراب و برباد ہو گئے ہیں ۔ پھر فرمایا کہ خواجہ محمود والد معین الدین جو بھانجا مولانا کمال الدین کا ہے ، میرے ہمراہ ہوا کرتا ۔ ہمیشہ نماز صبح مسجد میں پڑھ کر ہم نکلتے اور وظیفہ پڑھتے جاتے ۔ راہ میں جب کسی مزار پر پہنچتے ، تو میں محمود سے کہتا اب تم چاہو مکان جاؤ ، چاہو کسی اور مزار پر تنہا مشغول ہو ۔ وہ میرا کہا قبول کر کے جدا کسی مزار پر ظہر تک جا کر مشغول ہو جاتا ۔ پھر ہم نماز کے وقت طہارت کو نکلتے ، اذان کہتے ، دس بارہ درویش اپنے مقام مشغولی سے آ کر جمع ہو جاتے ۔ نماز باجماعت پڑھتے اور مجھ کو امام بناتے پھر باقی روز ذکر و شغل میں گزرتا ، یہاں تک کہ نماز مغرب و عشا زمین صحرا میں ہوتی ۔ پھر وظیفہ پڑھتے ہوئے گھر آتے اور جب جنگل میں دن کو قیلولہ کرتے تو گرد چند درختوں کے رسی گھیر دیتے اور درمیان میں سو رہتے ۔ نہ درندے کا ڈر ہوتا نہ چور کا کہ بدھنا یا لوٹا لے جائے گا ۔ شب کو گھروں میں ایک جگہ مقرر تھی وہاں مشغول رہتے ۔ اسی راحت و آرام میں چند سال گزر گئے ۔ جناب خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کا ذکر بڑے ذوق و شوق سے بیان فرماتے تھے ۔ پھر کہا کہ اگر حکم حضرت پیر و مرشد کا نہ ہوتا کہ تو مخلوق کے درمیان رہنا ، جفائے خلق گوارا کرنا تو کہاں میں تھا اور کہاں یہ شہر ۔ کسی کوہ و بیابان میں روپوش رہتا ۔ میں نے عرض کی کہ حق وہی ہے جو حضور ارشاد فرماتے ہیں ۔ مگر آپ کو یہاں رہنے کی تاکید اس واسطے فرمائی کہ ہم لوگ سعادت حاصل کریں[1] ۔"

---

[1] دیکھو مجلس پنجاہ خیر المجالس کا اردو ترجمہ سراج المجالس کے نام سے مولانا احمد علی صاحب ٹونکی نے کیا ہے جو مسلم پریس دہلی میں چھپا تھا ۔ یہ ترجمہ اگرچہ پرانے طرز کا ہے لیکن عاجز راقم کو اس میں بڑی کیفیت و تاثیر نظر آئی اس لئے اسی کو بغیر کسی ترمیم کے ہر جگہ نقل کر دیا ہے ۔

حضرت شیخ نصیر الدین رح مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً وطن سے دہلی آتے رہتے تھے۔ یہاں ہر جگہ اُن کی بڑی پذیرائی ہوتی۔ یارانِ طریقت جس لطف و کرم سے اُن کے ساتھ پیش آتے، اس کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں بڑے ذوق و لذت سے یاد فرماتے ہیں۔

"جب میں اودھ سے آیا کرتا تو اکثر یار میری دعوت کیا کرتے۔ مولانا برہان الدین غریب، امیر خسرو اور امیر حسن وغیرہ احباب جب میرا آنا سنتے تو دُعاگو کی چند روز تک متواتر دعوت کیا کرتے اور شیخ سے استدعا کرتے، فلانے کو اجازت دعوت کھانے کی ہو۔ اور ایک دن پہلے مجھ سے کہہ دیتے کہ کل ہمارے یہاں دعوت ہے۔ اگر اسی دن غیاث پور سے شہر کو جاؤں تو تھک جاؤں تو اُس روز مولانا برہان الدین کے گھر میں رہا کرتا۔ دوسرے دن اُن کے ہمراہ جاتا اور دعوت ظہر تک ہوا کرتی۔ کبھی عصر تک بھی رہنا ہوتا۔ جب لوٹتا تو بے وقت ہو جاتا تھا۔ غیاث پور تک پہنچنا نہ ہوتا۔ اس رات بھی مولانا برہان الدین کے گھر رہنا ہوتا۔ کبھی تیسرے دن بھی صبح کو کوئی یار آ جاتا اور کہتا ذرا توقف کرو ناشتہ لاتا ہوں۔ غرض چاشت تک ٹھہرنا ہوتا۔ غرض دوپہر کو غیاث پور پہنچتا۔ پھر اس دن بھی شیخ کی زیارت کو نہ جا سکتا۔"

جب مرشد کی زیارت نہ ہوتی تو بڑی تکلیف محسوس کرتے۔ فرماتے ہیں:۔

"ان دنوں میں ایسا ہی ہوا کہ متواتر تین دعوتیں ہوئیں اور ہر دعوت میں تین تین دن شہروں میں رہنا پڑا۔ اور نو روز تک زیارت شیخ میسر نہ ہوتی۔ ہر جگہ سے پیام دعوت آتا اور شیخ سے واسطے اجازت کے عرض کرتے۔ شاید ان دنوں یاد ہوتا ہے کہ خادم نصیر نامی تھا۔ فرمانِ شیخ پہنچا کہ فلاں جا دعوت میں جا۔ میں نے عرض کی کہ مجھ کو کچھ خدمت میں عرض ہے۔ اس پر مجھ کو طلب فرمایا۔ میں خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کیا کہتا ہے؟ میں نے عرض داشت کی کہ غلام اودھ سے اس اشتیاق میں آتا ہے کہ چند روز زیر قدم خواجہ رہے اور ہر روز آپ کو دیکھوں۔ یہاں ہر کوئی دعوت کرتا ہے اور حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ مجھ کو حکم آتا ہے کہ دعوت میں جا۔ صبح سے جاتا ہوں۔ اور مولانا

برہان الدین غریبؒ کے گھر میں شب کو رہتا ہوں۔ دوسرا دن دعوت کا ہوتا ہے۔ اس دن بھی حضرت کی خدمت میں آ نہیں سکتا۔ تیسرے دن بھی لوگ روکتے ہیں کہ ذرا ٹھہرو، ناشتہ کر لو۔ دوپہر کو یہاں آنا ہوتا ہے۔ اس دن بھی زیارت نصیب نہیں ہوتی۔ تین دن مفت جاتے ہیں۔ یہ سُن کر شیخ نے خادم سے فرمایا کہ جو کوئی مولانا کو بلانے آیا ہے، اُسے لوٹا دو اور کہہ دو کہ یارانِ شہر کی دعوت کریں اور اُن کو معذور رکھیں۔"

خود مرشد کو اپنے مرید کی راحت اور خاطر داری کا بہت خیال رہتا تھا۔ فرماتے ہیں:

"ایک بار میں اودھ سے آیا تھا اور بھائی یعنی پدر خواجہ یوسف بھی ہمراہ تھے۔ اور ان دنوں میں نے تقلیل طعام کی تھی۔ بھائی نے بشیر سے کہہ دیا کہ فلانے نے کھانا چھوڑ دیا ہے اور معرض تلف میں پڑا ہے، خدمت شیخ میں عرض کر دے۔ بشیر نے خدمت شیخ میں اور بڑھا کر عرض کی کہ جب رکابی بھر کر فلانے کے واسطے لے جاتا ہوں تو بلا کم و کاست ویسے ہی لوٹ آتی ہے۔ جناب شیخ نے افطار کے وقت ایک قرص قریب دو سیر کا بھیج دیا۔ اور بہت سا حلوا اس پر رکھا تھا۔ جن یاروں کا صوم دوام ہوتا، ان کو حضرت شیخ کے یہاں سے سوائے رمضان شریف سحری ملا کرتی۔ چنانچہ مولانا فخر الدین زرادی اور مولانا حسام الدین ملتانی اور مولانا شہاب الدین کو کہ یہ ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے۔ مگر مولانا برہان الدین غریب کہ بسبب ضعف جسم کے روزے سے معذور تھے ان کو ماہ رمضان میں سحری ملتی اور سحری کو کھچڑی روغن پڑی آیا کرتی۔ یار جمع ہوتے اور ما تقدم کو کھچڑی کھاتے۔ غرض جب شیخ نے مجھ کو وہ قرص دیا تو میں حیران ہوا کہ اس کو کس طرح کھاؤں گا، بیمار نہ ہو جاؤں۔ یہ قرص تو میرے بیس دن بلکہ زائد کو کافی ہے۔ بعد عشاء وہ قرص میں نے روبرو رکھا اور کچھ کچھ کھانا شروع کیا۔ بعد آدھی رات کے تھوڑی آنکھ لگی تھی کہ فی الفور اٹھ کر وضو کیا اور تہجد کی نماز پڑھی۔ پھر وہ قرص لے کر کھانے بیٹھا۔ برکت ولایت شیخ سے صبح تک سب کھا لیا اور کوئی زحمت نہیں ہوئی۔"

قیام دہلی —— والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد وطن چھوڑ کر مستقل طور پر دہلی تشریف لے آئے۔ اور مرشد کے خاص حجرہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ یہ حجرہ جماعت خانہ میں تھا۔

مرشد کی صحبت میں فقر، صبر، تسلیم و رضا کی تمام درویشانہ صفتیں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں۔ چنانچہ جیسا کہ سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے:۔

"حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفاء اپنے مرشد اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔" (ص ۹۲، ج ۲)

مرشد کی جانشینی ـــــ جب حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت شیخ نصیر الدین میں وہ تمام باتیں بدرجۂ کمال پائیں جو جانشینی کے لئے موزوں تھیں، تو اُن کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اور وفات کے وقت آپ کو خواجگان سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملی تھیں اُن کو عطا کر کے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبر و سکون سے تحمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کی وفات کے بعد جماعت خانہ ان کی بہن کی اولاد کو ترکہ میں ملا۔ اس لئے حضرت نصیر الدین نے اپنی قیام گاہ کے لئے وہ جگہ منتخب کی، جہاں آپ کی ابدی خواب گاہ ہے۔

جانشینی کا ابتدائی زمانہ بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گزرا۔ اپنے ملفوظات میں ان ایام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار روزہ رکھا۔ دو دن گزر گئے، لیکن کچھ کھانے کو نہ ملا۔ میرا ایک آشنا نتھو نامی تھا۔ وہ دو روٹیاں اور ترکاری دسترخوان میں لپیٹ کر میرے پاس لایا۔ اس حال میں اس کھانے نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اکثر راتوں کو میرے گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا۔ چند دن متواتر چولہا نہ سلگتا۔ میرے اعزہ سامان معاش کرنا چاہتے لیکن میں اُن کو کرنے نہ دیتا۔ وہ میرا مزاج پہچان گئے تھے کہ میں مشقت اور بے سروسامانی ہی میں خوش رہتا ہوں۔ اس لئے میرا خیال چھوڑ دیا۔ اگر کوئی دنیا دار مجھ سے ملنے آتا تو میں شیخ کا جبّہ پہن کر بیٹھ جاتا۔ جب وہ چلا جاتا تو گھاروے کا لباس پہن لیتا۔ جامہ شیخ پہن کر وضو کرنا پسند نہ کرتا، لیکن اس کو پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد یہ تنگی جاتی رہی اور اچھے دن آئے۔ مگر حضرت خواجہ نصیر الدینؒ ان عسرت بھرے دنوں کو یاد برابر کرتے تھے۔ دو دن کے فاقہ کے بعد ان کو جو روٹی

اور تر کا زہی ملی تھی، اس کے مزے کو یاد کر کے سر ہلاتے اور فرماتے سبحان اللہ! یہ فقر بھی کیا نعمت ہے۔ اس کے اوّل و آخر دونوں خوب ہیں۔ وہ کیا عمدہ دن اور پُر ذوق زمانہ تھا۔ یہ کہہ کر روتے گویا وہ ذوق پھر حاصل کر لیتے۔

فارغ البالی کے زمانہ میں مہمانوں اور مریدوں کے لئے دسترخوان پر اچھے اچھے کھانے ہوتے۔ خود تو صائم الدہر ہوتے لیکن مہمانوں کو بڑے لطف و کرم سے لذیذ کھانے کھلاتے۔ کبھی کبھی کسی مہمان کی خاطر افطار کر لیتے۔ ایک بار دسترخوان پر حلوے کی کئی قسمیں تھیں ایک حاجی نے عرب کے کھانے بھی اس موقع پر پیش کئے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نفلی روزہ رکھے ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ نے اُن کی خاطر افطار کر لیا۔ اور یاروں کو خوب کھانے کی تاکید فرمائی۔

پند و نصائح ـــــ مہمانوں کو لذیذ کھانا کھلاتے وقت پند و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے۔ ایک بار دسترخوان پر عمدہ پلاؤ تھا۔ حاضرین کو بڑی شفقت و محبت سے کھلا رہے تھے۔ دست مبارک سے پلاؤ برتنوں میں ڈالتے جاتے۔ اور تاکید فرماتے یارو خوب کھاؤ۔ جب لوگ کھا چکے تو فرمایا کہ طعام حلال و طیّب وہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ خدائے تعالیٰ دیکھتا ہے۔ خدا کے واسطے کھائے اور نیت کرے کہ جو قوت اس سے پیدا ہو گی، وہ طاعت و عبادت میں صرف ہو گی، تو وہ شخص عین عبادت و نماز میں ہو گا۔ فرمایا ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ! ہم کھانا کھاتے ہیں مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا۔ آپؐ نے فرمایا، اب اکٹھا ہو کر کھایا کرو اور پہلے بسم اللہ کہا کرو۔ اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔

ایک بار عید الضحیٰ کے دن بہت سے لوگ ملنے کو آئے۔ اُن کی خاطر دسترخوان بچھایا گیا جس پر اچھے کھانے اور اچھے حلوے تھے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین نے اس موقع پر یہ حکایت سنائی کہ ایک بار ایک درویش شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُن کے سامانِ امارت میں بارگاہِ شاہی، طنابہائے ریشمی اور میخ ہائے زرّیں دیکھ کر دل میں سوچنے لگا کہ یہ کیسی درویشی ہے۔ یہ تو کسی بادشاہ

کو بھی میسّر نہیں۔ حضرت ابو سعیدؒ نے اُس کے خیال کو نور باطن سے معلوم کر لیا اور اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے درویش! ہم نے خیمہ کی میخ دل میں نہیں نصب کی ہے، زمین میں گاڑی ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی مثال تیرے سایہ کی ہے۔ اگر اس کی طرف تو رُخ کرے تو تیرے پیچھے ہوگا اور اس کی طرف پشت کرے تو تیرے آگے ہوگا۔

ایک اور موقع پر حضرت چراغ کے معتقدین آپ کے سامنے پالودہ (فالودہ) نوش کر رہے تھے۔ حضرت نے حسب دستور پند و موعظت شروع کی اور فرمایا کہ ایک بار حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم قدس سرہ العزیز ایک بادشاہ کے حضور میں پیش کئے گئے[۱] بادشاہ نے اُن کے لئے کھانا منگوایا۔ ایک آراستہ دسترخوان پر پہلے ان کے سامنے پالودہ کا پیالہ رکھا گیا۔ حضرت خواجہ ابراہیم نے پیالہ کو غور سے دیکھا۔ مگر اس میں سے کچھ کھانا پسند نہ کیا۔ بادشاہ نے پوچھا پالودہ کو آپ دیکھتے ہیں لیکن کھاتے نہیں ہیں۔ حضرت خواجہ ابراہیم نے فرمایا، پالودے سے قیامت کی یاد آتی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کس طرح۔ فرمایا اُس دن دو گروہ ہوں گے۔ ایک پالودہ اور ایک آلودہ" فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر" کا اشارہ اسی طرف ہے۔ جس نے اپنے آپ کو دنیا میں مجاہدہ، طاعت و عبادت میں پالودہ کیا، وہ تو بہشت میں جائیں گے اور جو آلودۂ معصیت ہیں، اُن کو آتش دوزخ میں پاک و صاف کر کے بہشت لے جائیں گے۔ بادشاہ نے یہ سُن کر کہا کہ اے درویش! آپ کی باتوں سے میرا دل ہل گیا۔

چراغ دہلی کا لقب — رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے رشد و ہدایت کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی۔ جب حضرت مخدوم جہانیاںؒ سید جلال الدین بخاری مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصہ تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ ایک موقع پر شیخ مکہ نے حضرت جلال الدینؒ سے فرمایا اگرچہ

---

[۱] حضرت ابراہیم ادھمؒ ایک شہر کی مسجد میں مقیم تھے۔ رات کو دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ چوکیدار نے چور سمجھ کر پکڑ لیا اور کوتوال نے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا

شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے تاہم اُن کی برکت کا اثر شیخ نصیرالدین محمودؒ کے اندر موجود ہے۔ اُن کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے۔ وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ حضرت سید جلال الدین بخاریؒ نے جب یہ سُنا تو اُن کو حضرت خواجہ نصیرالدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے اور حضرت خواجہ نصیرالدین کی قدم بوسی کر کے شیخ مکہ نے جو کچھ کہا تھا اس کو بیان کیا۔ اسی کے بعد حضرت خواجہ نصیرالدین محمود کا لقب چراغ دہلی بھی ہو گیا اور اسی لقب سے مشہور ہو گئے۔ (سیرالعارفین جلد دوم ص ۴۷)

رشد وہدایت — مذہبی و روحانی استفادہ کے لئے ہند و بیرون ہند کے مختلف مقامات سے ہر طبقہ کے افراد آتے اور حضرت چراغ دہلی حسب مراتب ان کی تربیت فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب علم بیعت کے لئے آئے۔ یہ ہدایہ، بزدوی اور کشاف پڑھ چکے تھے۔ بیعت کے وقت حضرت چراغ دہلی نے ارشاد فرمایا۔ جب کوئی طریقت میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی آستین چھوٹی کرے، دامن اونچا رکھے اور سر منڈائے۔ آستین چھوٹی کرنے سے یہ مراد ہے کہ اُس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے تاکہ اس کو مخلوق کے سامنے نہ پھیلا سکے۔ دامن اونچا کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اُس نے اپنا پاؤں قطع کر لیا ہے تاکہ کسی ایسی جگہ نہ جا سکے جو بُری ہو اور معصیت ہوتی ہو۔ سر منڈانے کے یہ معنی ہیں کہ راہِ حق میں اُس نے اپنا سر کاٹ لیا ہے اور اس سے کوئی بات خلاف شرع ظہور میں نہ آئے۔

ایک بزرگ بیعت کے لئے آئے جو نسباً سید اور جوہری بازار کے داروغہ تھے۔ حضرت چراغ دہلی نے کلاہ منگائی۔ دست مبارک بیعت کے لئے آگے بڑھایا، اقرار لیا، دوگانہ نماز پڑھوائی، نماز کے بعد مخاطب کر کے فرمایا، ہر بات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرنی چاہیے۔ اور تمہارے لئے اور ضروری ہے کہ تم آلِ رسولؐ سے ہو۔ رسولؐ کی متابعت دو چیزوں میں ہے۔ جو کچھ خدا اور رسولؐ نے کہا اُس کو کرنا اور جس سے خدا اور رسولؐ نے منع کیا اُس سے بچنا۔ پھر فرمایا خرید و فروخت میں ہرگز

جھوٹ بات زبان پر نہ آنی چاہیئے۔ مثلاً ایک چیز پانچ درم کی خریدی ہوئی ہے جب کسی خریدار کو اس کے لینے پر آمادہ دیکھے، تو یہ نہ کہے کہ میں نے چھ درم میں لی ہے سات درم میں دوں گا۔ اس سے کچھ برکت نہیں ہوتی ہے بلکہ نقصان ہوتا ہے۔ ہاں اگر یہ کہے کہ پانچ درم ایک دانگ میں دوں گا تو اس کے ایک دام میں برکت ہوگی اور اس کا مال اس طرح بڑھے گا کہ اس کو خود خبر نہ ہوگی کہ کہاں سے بڑھا۔

ایک مرتبہ ایک عالم موضع سہانے سے آئے۔ حضرت چراغ دہلی نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ عالم نے کہا، سہانے سے، جہاں کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہیں اور وہاں کی عورتیں بھی یہیں سے بیعت رکھتی ہیں اور وہ مردوں سے زیادہ صالح ہیں۔ پھر پوچھا کیا شغل رکھتے ہو۔ عالم نے کہا لڑکوں کو پڑھاتا ہوں۔ فرمایا یہ عمدہ کام ہے۔ مطالعہ کتب میں مشغول رہنا اور دوسروں کو قرآن مجید پڑھانا، اچھی بات ہے۔ لیکن جو دوسروں کو کلام پاک پڑھائے اُس کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیئے۔

ایک درویش یمن سے آیا۔ حضرت چراغ دہلی نے اس کو اپنا پیراہن عطا کیا اور اپنے پاس بٹھایا۔ درویش نے کہا آج میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی مجھ کو پیراہن پہناتا ہے۔ اور کہتا ہے یہ جامہ شیخ محمود کا ہے۔ اسی موقع پر مریدوں کو مہمان نوازی کی تلقین کی اور فرمایا مہمانوں کی تعظیم و تکریم سے اُن کے دلوں میں یگانگت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ ایک خاتون آئیں اور ایک شخص کی معرفت مرید ہونے کا پیام کہلا بھیجا۔ حضرت چراغ دہلی نے پانی کا ایک کوزہ منگوایا۔ اس کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھا، پھر اس میں اپنی انگشت شہادت ڈبوئی اور اس شخص کو کوزہ دے کر کہا کہ اس خاتون کے پاس لے جاؤ۔ اُن سے سلام کہنا اور کہنا کہ اپنی شہادت کی انگلی پانی میں ڈال کر کہیں کہ میں فلاں کی مرید ہوئی۔ اسی کے ساتھ خاتون کو یہ بھی کہلا بھیجا کہ وہ برابر نماز پڑھتی رہیں اور ایام بیض کے روزے رکھیں۔ غلام و لونڈی کو نہ ستائیں۔ مار پیٹ نہ کریں اور اپنوں اور بیگانوں سے اخلاق سے ملتی رہیں۔

ایک مرتبہ ایک کاشتکار آیا، تو اُس سے پوچھا کیا کرتے ہو۔ اُس نے عرض کیا، زراعت کرتا ہوں۔ فرمایا لقمۂ زراعت اچھا لقمہ ہے اور بہت سے کاشتکار صاحب حال گزرے ہیں۔ اس کے بعد ایک کاشتکار کی حکایت بیان فرمائی، جس میں یہ نصیحت تھی کہ تخم ریزی کے وقت دل شاکر اور زبان ذاکر ہونی چاہیئے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کوئی کام بغیر نیک نیت کے کرنا درست نہیں۔ اگر کوئی اس نیت سے نماز پڑھے کہ لوگ اس کو دیکھ کر نمازی کہیں تو اس کی نماز روا نہیں بلکہ بعض کے نزدیک وہ کافر ہوجاتا ہے کہ اس نے عبادت خدا میں اور کو بھی شریک کیا۔

ایک مرتبہ شاہ پور سے ایک بزرگ آئے۔ حال پوچھنے پر عرض کیا کہ قناعت و توکل کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا ایک درویش کو چاہیئے کہ اگر اس پر فاقہ گزرے تو بھی اپنی حاجت غیروں سے نہ بیان کرے۔ اور اگر کوئی اس کے پاس آئے تو اپنے منہ پر طمانچہ مار کر گالوں کو سرخ کرلے کہ دیکھنے والا اس کے فقر وفاقہ سے مطلع نہ ہو۔ بیان کیا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے تھے۔ فرمایا ہے کوئی جو ایک بات کی ذمہ داری لے تاکہ میں اس کے لیئے جنت کی ذمہ داری لوں۔ ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! وہ میں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا۔ ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکم کو قبول کرکے کسی سے کوئی سوال نہ کرنے کا عہد کرلیا۔ ایک روز وہ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے کہ چابک ہاتھ سے گر پڑا۔ دوسرے سے اٹھا کر نہ مانگا خود اُتر کر اٹھایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے سوال کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس موقع پر حضرت چراغ دہلی کی مجلس میں ایک درویش نے پوچھا جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو منع کیا ہو وہ امر کیا اوروں کے لیئے بھی لازم ہوجاتا ہے۔ حضرت چراغ دہلی نے فرمایا، ہاں سب کے حق میں حکم ممانعت ہوتا ہے۔

ایک درویش آیا اور کسی کے ظلم کی شکایت کی۔ حضرت چراغ دہلی نے فرمایا، تحمل سے کام لو۔ اگر اور جفا کرے تو بھی معاف کردو کیونکہ ایک درویش کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔

ایک جوان عرب آیا۔ اُس نے ایک کنگھی نذر کی۔ حضرت چراغ دہلی نے دست مبارک سے شانہ دان اٹھا کر پُرانی کنگھی نکالی اور اس میں نئی رکھی۔ اور جیب رکھ لی، تو حاضرین سے پوچھا کہ کنگھی پہلے کس طرف سے رکھی۔ پھر خود ہی فرمایا دندانوں کی طرف سے پہلے رکھنا چاہیئے کیونکہ وہ بالوں کی تفریق کا باعث بنے۔ پس جو چیز باعثِ تفریق ہو، اس کو دُور رکھنا مناسب ہے۔

ایک مرتبہ عرب سے ایک عالم آئے۔ حضرت چراغ دہلی نے پوچھا، کیا کام کرتے ہو؟ عرض کیا مقنع بافی کرتا ہوں۔ حضرت چراغ دہلی نے فرمایا، شیخ احمد نہروالہ رحمۃ اللہ علیہ بھی نور بافی کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی کرگھہ پر کام کرتے ہوئے ان پر ایسا حال طاری ہو جاتا کہ غائب ہو جاتے اور جب موجود ہوتے تو کپڑا بُنا ہوا تیار پاتے۔ اس کے بعد کچھ حکائتیں بیان کیں اور فرمایا کسب وہنر کا لقمہ پاکیزہ ہے۔ ابدال اللہ جو کوہستان میں رہتے ہیں، پہاڑ سے لکڑی، گھاس، جنگلی دوائیں، پہاڑی میوے وغیرہ لا کر شہر میں بیچتے ہیں اور کھانا مول لے کر واپس جاتے ہیں۔

حضرت چراغ دہلی اپنی مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک اور احادیث نبویؐ کی تعلیمات پر گفتگو فرماتے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ لوگوں نے قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس پر عمل نہیں کرتے، اس لئے خراب وپریشان ہیں۔ اور اس کا اعادہ بار بار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قول اور فعل صادر ہوا وہ سزاوار متابعت ہے۔ فرمایا ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے۔ جو خدا اور رسولؐ نے فرمایا ہے اس کی متابعت کرے اور جس سے منع کیا ہے، اس کو ترک کر دے۔

تارک نماز کے متعلق مریدوں کو ہدایت کی کہ اگر وہ محفل میں آکر بیٹھے تو اُس کی تعظیم نہ کریں اور سلام کے جواب میں علیک نہ کہیں تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ شرما ئے۔ نہ صرف نماز بلکہ نماز باجماعت کی بھی سخت تاکید فرماتے تھے۔ خود بھی تمام عمر نماز باجماعت کے پابند رہے۔ ایک مجلس میں یہ حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ بڑے اچھے واعظ تھے۔ ان کے وعظ سے لوگ بکثرت تائب ہوتے اور کپڑے پھاڑ کر بے ہوش ہو جاتے

وہ بزرگ زیارت کعبہ کو تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر ان کا وعظ سننے کے لئے لوگ اور بھی ذوق و شوق سے جمع ہوئے۔ لیکن اُن کے وعظ میں پہلی سی تاثیر مطلق نہ تھی۔ لوگوں نے اُن سے کہا کہ زیارت کعبہ کے بعد ہم تو متوقع تھے کہ وعظ میں صد گونہ تاثیر اور بھی بڑھ گئی ہوگی۔ وہ بولے ہمسفر حج میں مجھ سے ایک قصور ہو گیا تھا۔ جب ہی جان لیا تھا کہ مجھ سے یہ نعمت چھین لی جائے گی۔ وہ قصور یہ تھا کہ راستے میں مجھ سے ایک بار نماز با جماعت فوت ہو گئی تھی۔ یہ محرومی اسی شامت کی بنا پر ہے۔ اس حکایت کو بیان کر کے حضرت چراغ دہلی اس قدر روئے کہ حاضرین بھی رونے لگے اور جب آنسو رکے تو فرمایا جو لوگ جماعت میں بالکل نہیں جاتے، اُن کا کیا حال ہوگا۔ وہ کتنی نعمتوں سے محروم رہتے ہوں گے۔ اور پھر ایک اور حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ کے پاس لوگوں کا ہجوم رہا کرتا تھا۔ بزرگ نے دل میں خیال کیا کہ خداوندا! مجھ میں نہ کچھ طاعت ہے اور نہ عبادت ہے۔ پھر میرے پاس لوگوں کا اژدحام کیوں رہتا ہے۔ آواز آئی کہ اس کا یہ سبب ہے کہ تو جماعت میں شریک ہونے کی کوشش کیا کرتا ہے اور اس خیال سے پریشان رہتا ہے کہ مبادا فوت نہ ہو جائے۔ یہ بات ہم کو پسند آئی اور اسی لئے تجھ کو یہ مقبولیت عطا کی۔

نماز کے متعلق فرمایا یہ حضور قلب کے ساتھ پڑھی جائے۔ نماز کے وقت اعضا کا قبلہ کعبہ شریف ہوتا ہے۔ اگر اعضا اس طرف نہ ہوں تو نماز درست نہیں ہوتی۔ اس طرح دل کا قبلہ ذات پاک حق تعالیٰ ہے۔ اگر دل اپنے قبلہ سے پھر جائے تو پھر یہ کیسی نماز ہوگی۔

شاہی ملازموں کی اصلاح —— حضرت چراغ دہلی شاہی ملازمت کو روحانیت کے منافی سمجھتے تھے لیکن شاہی ملازموں میں سے جس کسی کو سچی طلب ہوتی، اس کی اخلاقی، مذہبی، روحانی حالت کو سنوارنے میں دریغ بھی نہیں فرماتے تھے۔

خیر المجالس مجلس ہفتاد و ہشتم میں ہے کہ ایک سید مرید ہونے کو آیا۔ وہ شاہی اہل قلم کے زمرہ میں شامل تھا۔ حضرت چراغ نے اس کو مرید کیا اور فرمایا نماز با جماعت پڑھا کرو

جمعہ کی نماز فوت نہ ہو۔ ایام بیض کے روزوں کو لازم جانو۔ جو شخص ایام بیض کے روزے رکھتا ہے اُس کی روزی بڑھتی ہے۔ میرے اور مریدوں کو بھی یہ وصیت ہے کہ جو کام خدا اور رسولؐ نے منع کیا ہے وہ نہ کریں۔ پھر فرمایا دنیا کی دولت میں بے ثباتی ہے۔ تم یہ خیال کر لو کہ تمہارے پایگاہ کے گھوڑے، تمہارے خدمت گار، تمہارے دینار و درم یہ ساری چیزیں ایک روز تم سے چھوٹ جائیں گی۔ پھر چھوٹنے والی چیزوں کا فکر اور غم کرنا بے فائدہ ہے۔ فکر اور غم اس چیز کے لئے کرنا چاہیئے جو ہمیشہ باقی رہے گی۔ غور سے دیکھو! ہمارے سامنے کتنے تھے اور کتنے چلے گئے۔ آخر ہم سے پہلے تھے اور ہم سے پہلے چل دیئے۔ پھر اس سید سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو۔ جواب دیا قرآن مجید پڑھا کرتا ہوں سید کے ایک ہمراہی نے کہا یہ حافظ ہیں اور ان کے والد بھی حافظ اور صالح بزرگ تھے۔ حضرت چراغ دہلی نے فرمایا اگر کوئی گھر یا راہ میں شب و روز قرآن پڑھتا رہے اور ذکر خدا میں مشغول رہے تو اس کے لئے نوکری حجاب نہیں۔ وہ صوفی ہے اور اس کے بعد حضرت سعدیؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست کمر بخدمت سلطان بہ بند صوفی باش

(ترجمہ: اہل طریقت کا مقصود ظاہری لباس نہیں۔ بادشاہ کی خدمت میں کمر بستہ ہو جا اور درویشانہ زندگی بسر کر۔)

ایک بار ایک عالم نے آکر عرض کیا کہ فلاں شاہی سردار (ملک) نے سلام عرض کیا ہے۔ حضرت چراغؒ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے۔ عالم نے کہا کہ زر سرکاری کے مطالبہ میں اس کو قید کر دیا گیا ہے اور اس کی زد و کوب کی جاتی ہے۔ حضرت چراغ دہلی نے فرمایا شغل دنیا یہی پھل دیتا ہے۔ اگلے زمانہ میں کام کرنے والے صرف خدا تعالیٰ کے لئے کام انجام دیا کرتے تھے۔ اور وہ معاملات میں جنیدؒ و شبلیؒ ہوتے تھے۔

ایک لشکری آیا تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا اگر طلب دنیا میں نیت اچھی ہو، تو وہ فی الحقیقت طلب آخرت ہے۔

سیر الاولیاء (ص ۲۴۴) میں ہے کہ خواجہ قوام الدین حضرت شیخ نصیر الدین کے مرید

صادق تھے۔ شاہی ملازمت میں داخل ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد کسی الزام میں موقوف کر دیئے گئے۔ ان پر سخت وقت پڑا۔ عزیزوں اور دوستوں کی نظریں ان سے بدل گئیں ضرورت کے وقت اپنی کوئی چیز فروخت کرنے کے لئے بازار جاتے تو کوئی خریدنے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ اسی پریشانی میں مرشد یاد آئے۔ چنانچہ وہ حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں پہنچے۔ لیکن وہ اپنا مدعا کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت چراغ دہلی نے یہ قطعہ پڑھا۔

دنیا چو مقدر است، تخردشی بہ   رزقے تو رسد بوقت کم کوشی بہ
چیزے کہ نمی خرند نفروشی بہ   گفت تو نمی کنند خاموشی بہ

خواجہ قوام الدین کا خود بیان ہے کہ میرے دل میں جو بات تھی اس کو حضرت خواجہ نے اپنے نور باطن سے اس قطعہ میں ظاہر کر دیا۔ اور میں نے سر جھکا کر عرض کیا کہ حضرت مخدوم نے جو کچھ فرمایا ہے وہی بندہ کے دل میں ہے۔ خواجہ قوام الدین کا بھی بیان ہے کہ حضرت مخدوم کی اس کرامت سے میرے دل کو بڑی تقویت پہنچی۔

رشد و ہدایت کا سلسلہ اتنا بڑھتا گیا کہ حضرت چراغ دہلی کو ریاضت و مجاہدہ میں اگلی سی محنت شاقہ کرنے کے لئے وقت نہ ملتا تھا۔ خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید شاعر کو ایک روز مخاطب کر کے فرمایا۔ اب مجھ کو خلوت میں عبادت کرنے کی فرصت نہیں ملتی دن بھر اللہ کی مخلوق کے ساتھ رہتا ہوں۔ اکثر قیلولہ بھی میسر نہیں آتا۔ قیلولہ کرنا چاہتا ہوں تو لوگ آکر جگا دیتے ہیں کہ فلاں آیا ہے۔ تم لوگوں کو فرصت ہے، عبادت میں مشغول رہو۔ مولانا حمید شاعر نے یہ سُن کر عرض کیا کہ ہر چند جناب کا ظاہر خلق اللہ سے مشغول معلوم ہوتا ہے لیکن باطن شریف ہمیشہ حق سے مشغول رہتا ہے۔ حضرت چراغ دہلی نے فرمایا ذات کو البتہ کچھ ذکر یا وظیفہ ہو جاتا ہے لیکن دن میں کچھ نہیں ہوتا۔ پھر بھی عنایت ربانی سے نا امید نہیں ہوں۔ مولانا حمید شاعر کا بیان ہے کہ یہ بات فرما کر حضرت خواجہ نہایت شکستہ دلی سے رونے لگے۔ اور پھر یہ شعر پڑھا۔

این دلو تہی کہ در چہ انداختہ ام   نو امید نیم کہ پُر بر آید روزے

(ترجمہ: یہ خالی ڈول جو میں نے کوئیں میں ڈالا ہے میں مایوس نہیں ہوں کہ کسی

دن بھر کر باہر آئے گا۔)

حضرت چراغ دہلی کی ذاتِ اقدس سے فیوض و برکات کا چشمہ برابر بہتا رہا۔ پھر بھی وہ فرماتے کہ میں کس لائق ہوں کہ شیخ بنوں۔ اب یہ کام بچوں کا کھیل ہو گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ حضرت ثنائی رح کا یہ شعر پڑھتے ؎

مسلمانان مسلمانان مسلمانی مسلمانی　　　از ین آئین بے دنیاں پشیمانی پشیمانی

شاہی دربار سے تعلقات ــــ معاصر تاریخوں میں تو نہیں لیکن بعض تذکروں میں ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت چراغ دہلی کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی۔ سیر العارفین میں ہے[1]:

"ایک روز سلطان محمد تغلق نے ابتدائے زمانہ سلطنت میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو اپنے گھر بلا کر اپنی داہنی جانب بٹھلایا اور التماس کیا۔ میں خراسان کی طرف جانے والا ہوں مجھے منظور ہے کہ تم بھی میرے ہمراہ چلو۔ یہ سُن کر شیخ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ تب بادشاہ نے کہا یہ لفظ انشاء اللہ تعالیٰ کا واسطے تبعید کے واقع ہوا ہے۔ شیخ نے فرمایا ہرگز یہ کلمہ کہنے سے کسی کام میں تبعید واقع نہیں ہوتی بلکہ یہ لفظ واسطے تاکید ہے۔ اس درمیان میں سلطان نے طعام طلب فرمایا اور یہ قصد کیا کہ اگر شیخ کھا دیں تو اُن کو ایذا پہنچاؤں۔ جب دستر خوان بچھایا گیا، حضرت شیخ نے بکراہت تمام کھانا شروع کیا۔ اس کے بعد سلطان نے کہا یا شیخ مجھے کوئی نصیحت ایسی کیجیے جس پر میں عمل کروں۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ درندوں کا سا غصہ جو تمہاری عادت اور طبیعت میں داخل ہے، اس کو چھوڑ دو۔ بعد اس کے سلطان نے ایک بدرہ زر سفید کا اور دو قطعہ صوف سبز اور سیاہ کے شیخ کے پیش نظر کئے۔ مقصود اس کا یہ تھا کہ شیخ یہ عطیہ خود اٹھا دیں لیکن شیخ بالکل متوجہ نہ ہوئے۔ اسی اثنا میں خواجہ نظام الدین دبیر مقرب خاص سلطانی جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا مرید تھا، اُس نے حضرت شیخ کے آگے سے وہ صوف اور زر نقد اٹھا لیا اور کفش شیخ درست کر کے سامنے رکھ دیں۔ جب حضرت شیخ سلطان کی مجلس سے باہر آئے، مقرب سلطانی نے وہ

---

[1] یہ عبارت سیر العارفین کے ترجمہ کی نقل ہے۔ ج دوم ص ۱۴۴

صوف اور زر نقد خادم کے سپرد کیا اور پیشانی اپنی شیخ کے خاک پا پر مل کر رخصت حاصل کی۔ بادشاہ مقرب نظام الدین پر از حد غیظ و غضب میں ہوا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلوار پر ہاتھ لے گیا اور لال ہو کر کہا "اے پتنگ! تیری کیا مجال اور قدرت تھی جو تو نے بدرہ اور صوف شیخ کے سامنے سے اٹھا کر اُن کی کفشیں میرے سامنے لاکر درست کر کے رکھ دیں۔ خواجہ نظام الدین مذکور میانہ قد تھا اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا منظور نظر تھا اور شعر گوئی میں حضرت خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمہ کا شاگرد تھا۔ فی الفور بادشاہ کو جواب دیا کہ اگر میں اس صوف اور زر نقد کو نہ اٹھاتا تو وہ آپ کے ڈولچہ ہی میں پڑا رہتا اور شیخ ہرگز اپنا ہاتھ اس پر نہ بڑھاتے۔ اور کفشوں کا درست کر کے رکھنا یہ میرا عین فخر تھا۔ واللہ! اگر اس وقت سلطان عالم مجھ کو قتل بھی فرمادیں گے تو میں نہایت خوشنود اور راضی ہوں گا۔ اس واسطے کہ آپ کی تنگ صحبت سے مجھ کو قیامت تک کے واسطے خلاصی ہو جائے گی۔ یہ سب کچھ کہہ گیا اور شیخ کی برکت سے بادشاہ اس کا کچھ نہ کر سکا۔"

حضرت خواجہ نصیر الدین کی طبیعت بڑی نرم اور میٹھی تھی۔ اس لئے سلطان کو اُن کا جواب جو اُوپر نقل کیا گیا ہے، اُن کی طبیعت اور فطرت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ یہ روایت اس لئے بھی مشکوک معلوم ہوتی ہے کہ یہ تمام باتیں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین زرادی کے حالات میں بھی بیان کی جاتی ہیں۔ اخبار الاخیار میں ہے، "جب محمد تغلق نے دہلی کے لوگوں کو دیوگیر بھیجا تو اُن ہی دنوں یہ چاہا کہ ملک ترکستان اور خراسان کو تسخیر کر کے وہاں سے چنگیز خانیوں کو نکال دے۔ شہر کے صدور اور اکابر کو حکم دیا کہ جمع ہوں اور ایک بڑا خیمہ نصب کر کے اس کے نیچے اپنے بیٹھنے کے لئے ایک منبر رکھا تاکہ اس منبر پر لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے۔ اسی دن مولانا فخر الدین زرادیؒ، شیخ شمس الدین یحییٰؒ اور شیخ نصیر الدین محمود کو بھی بلایا۔ خواجہ قطب الدین دبیر جو شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے، مولانا کو سب سے آگے سلطان کے دربار میں لے گئے۔ مولانا بارہا فرماتے تھے، میں اپنے سر کو اس مرد کے سامنے پڑا ہوا دیکھتا ہوں۔ میں اس کی موافقت کرتی نہیں

چاہتا تھا۔ جب سلطان سے مولانا کی ملاقات ہوئی تو خواجہ قطب الدین دبیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھا کر بغل میں لے لیں اور کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے یہ دیکھ کر کچھ نہ کہا اور مولانا فخرالدین زرادی سے باتوں میں مشغول ہوا۔ اُس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ چنگیز خانیوں کو نکال دوں آپ اس کام میں میرا ساتھ دیں گے۔ مولانا نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ سلطان نے کہا یہ تو کلمہ شک ہے۔ مولانا نے کہا، آنے والی بات کے لیے یہی کہا جاتا ہے۔ سلطان نے پیچ وتاب کھایا اور کہا آپ مجھ کو نصیحت کیجیے تاکہ میں اس پر عمل کروں۔ مولانا نے فرمایا اپنا غیظ وغضب روکو۔ سلطان نے کہا کون سا غیظ وغضب؟ مولانا نے کہا، وحشیانہ۔ سلطان کو بڑا غصہ آیا لیکن اس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ۔ جب کھانا لایا گیا تو مولانا نے کراہت کے ساتھ تھوڑا سا کھانا کھایا۔ جب کھانا ختم ہو چکا تو ان بزرگوں کو جو وہاں موجود تھے ایک ایک جامۂ صوف اور ایک ایک بدرۂ سیم پیش کیا گیا۔ شیخ نصیرالدین محمود اور مولانا شمس الدین یحییٰ اور دوسرے بزرگ جیسا کہ مشہور ہے، ان چیزوں کو ہاتھوں میں لے کر باہر نکلے لیکن مولانا فخرالدین کے جامہ وسیم کو خواجہ قطب الدین دبیر نے خود لے لیا۔ وہ جانتے تھے کہ مولانا نہیں لیں گے اور اُن کی ہتک ہو گی۔ جب یہ تمام بزرگ واپس گئے تو سلطان محمد تغلق نے خواجہ قطب الدین دبیر سے کہا، اے فریبی بدبخت! تو نے یہ کیا حرکت کی کہ فخرالدین زرادی کو میری تلوار سے خلاصی دلا دی۔ خواجہ قطب الدین نے کہا میرے استاد ہیں اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں۔ مجھ پر لازم تھا کہ میں اُن کا ادب کرتا۔ سلطان نے کہا ایسے کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو ورنہ تجھ کو مار ڈالوں گا۔ خواجہ قطب الدین نے کہا زہے قسمت کہ میں اپنے مخدوم کی خاطر مارا جاؤں۔" (۸۴-۸۵)

اسی اخبار الاخیار میں سلطان محمد تغلق اور حضرت خواجہ نصیرالدین کے ناخوشگوار تعلقات کا جو ذکر ہے، وہ سیرالعارفین کے بیانات سے مختلف ہے، ملاحظہ ہو:-

"بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمد تغلق حضرت شیخ نصیرالدین محمود کو اُن کے کمالات کے باوجود ایذائیں دیتا اور اپنے ساتھ سفر میں لے جاتا۔ کہتے ہیں کہ سلطان نے ان کو اپنا جامہ دار مقرر کیا تھا۔ وہ ان تمام باتوں کو اپنے پیر کی وصیت کے مطابق برداشت

کرتے اور دم نہ مارتے تھے۔ ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے شیخ نصیرالدین محمود کے لئے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھیجا۔ مقصد صرف تکلیف پہنچانا تھا کہ اگر وہ کھانا نہ کھائیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں نہیں کھایا اور اگر کھا لیا تو سوال کیا جائے گا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھا کر خلاف شرع کام کیوں کیا۔ جب کھانا شیخ کے سامنے پیش کیا گیا تو کچھ نہ بولے، لیکن سونے کے پیالہ سے کچھ یخنی نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھی اور پھر اس کو چکھا۔ دشمن ناکام واپس ہوئے۔" (ص ۷۵)

تاریخ فرشتہ میں تو بعض ایسی عجیب وغریب باتیں ہیں جو اور تذکروں میں نہیں ملیں چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

"بادشاہ محمد تغلق شاہ اپنے قتل وخون کی وجہ سے خونی کہلاتا تھا۔ اس کو درویشوں سے بھی سوءظن تھا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ تمام درویش خدمت گاروں کی طرح اس کی خدمت کریں۔ ایک اس کو پان کھلائیں، ایک اس کی دستار باندھیں۔ اسی طرح بہت سے مشائخ کو مختلف کاموں کے لئے مقرر کیا۔ شیخ نصیرالدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی کو کپڑا پہنانے پر مامور کیا لیکن انہوں نے اس خدمت کو انجام دینے سے انکار کیا۔ سلطان کو غصہ آیا اور ان کو قید کر دیا۔ شیخ کو اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیاء کی بات یاد آئی اور وہ مجبوراً سلطان کی خدمت کرنے پر راضی ہو گئے۔ قید سے ان کو نجات ملی۔ اسی مدت میں سلطان کو طرح طرح کے جھگڑے پیش آئے اور اس کی موت جلد ہو گئی جس سے خدا کے بندوں کو نجات ہوئی۔" (تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۹)

حضرت چراغ دہلی کے پیر بھائی خواجہ سید مبارک امیر خورد اپنی تصنیف سیرالاولیاءؒ میں حضرت چراغ دہلی اور سلطان کے تعلقات کا ذکر اس مختصر طریقہ پر کرتے ہیں۔

"سلطان محمد تغلق نے جس نے مملکت ہندوستان کے طول وعرض کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا شیخ نصیرالدین محمود رحمۃ اللہ کو جن کو تمام عالم بالاتفاق شیخ عصر تسلیم کرتا تھا اور جن کے بہت سے لوگ مرید تھے ایذائیں پہنچائیں۔ لیکن شیخ نصیرالدین محمودؒ نے اپنے پیروں کے اتباع میں تمام باتوں کو برداشت کیا اور بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی۔ بادشاہ

اپنی عمر کے آخری زمانہ میں ٹھٹھ کی مہم پر گیا، جو شہر دہلی سے ہزار کروہ پر واقع تھا، وہاں پہنچ کر شیخ نصیر الدین محمود کو علماء اور بزرگان دین کے ساتھ طلب کیا اور بجا طور پر ان کا احترام نہیں کیا۔ ان لوگوں نے تحمل سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو تخت سلطنت سے اتار کر تختۂ تابوت پر شہر لائے۔ شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو اس بادشاہ نے ایذا کیوں پہنچائی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ معاملہ میرے اور حق جل و علیٰ کے درمیان تھا۔ اس کو اسی طرح میں نے برداشت کیا۔" (ص ۲۴۶-۲۴۵)

تعجب ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدین کو ایذائیں دیں، کیونکہ اس کو خود سلسلہ چشتیہ میں حضرت شیخ علاء الدین نبیرہ حضرت شیخ فرید الدین رح سے ارادت تھی۔ اس کے علاوہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا بھی معتقد رہا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے جنازہ کو کاندھا بھی دیا۔ حضرت خواجہ صاحب رح کے روضۂ مبارک کی عمارت اسی نے بنوائی۔ (سیر الاولیاء ص ۱۵۴) ایسی حالت میں اُن کے جانشین کو ایذا دینا موجب حیرت ہے۔ اس کو اولیاء اللہ سے عقیدت بھی تھی۔ چنانچہ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رح کے لئے زبردستی خانقاہ بنوائی اور ان کو جاگیر دی۔ اسی طرح حضرت شیخ رکن الدین کی وفات کے بعد اُن کے مزار کے پاس ایک خانقاہ تعمیر کی اور اس کے لئے کچھ گاؤں وقف کئے۔ (الدر المنظوم ملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت۔ اردو ترجمہ ص ۵۲۵)

اُوپر کے اقتباسات سے بھی ظاہر ہوگا کہ دربار میں بزرگان دین آتے تو اُن کو خلعت اور نذرانے بھی دیتا۔ حضرت برہان الدین غریب رح سے اس کی خوش عقیدگی کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اسی طرح اُس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک دوسرے خلیفہ شیخ قطب الدین منور رح سے بھی اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ ان کے پاس چند گاؤں کا فرمان قاضی کمال الدین صدر جہاں کی معرفت بھیجا لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا میرے خواجگان ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ان گاؤں کے جو طالب ہوں ان ہی کو دو۔ سلطان محمد تغلق ایک موقع پر ہانسی گیا۔ یہاں حضرت قطب الدین رح کی خانقاہ تھی۔ لیکن سلطان ان سے مل نہ سکا، تو اُن کو دہلی آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ

بادلِ ناخواستہ دہلی تشریف لے گئے۔ اور جب دربار میں پہنچے تو اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے:۔

"چون سلطان ـــ شیخ را دید طاقت نیاورد۔ بہ تعظیم تمام پیش آمد و مصافحہ کرد۔"

(ترجمہ: جب سلطان ـــ نے شیخ کو دیکھا تو طاقت جواب دے گئی۔ پوری تعظیم سے پیش آیا اور مصافحہ کیا۔)

سلطان پر شیخ کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ ان کا بے حد معتقد ہو گیا۔ اور عرض کیا کہ میں جب آپ کے شہر میں حاضر ہوا تو آپ نے کچھ تربیت نہیں فرمائی اور نہ اپنی ملاقات کا شرف بخشا۔ شیخ نے فرمایا پہلے ہانسی کو دیکھ پھر درویش بچہ ہانسی کو۔ یہ درویش اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا ہے کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے۔ ایک گوشہ میں بیٹھا بادشاہوں اور تمام اہلِ اسلام کے لیئے دعائیں کرتا رہتا ہے۔ اس کو معذور رکھنا چاہیئے سلطان اس بات سے متاثر ہوا اور شہزادہ فیروز سے جو اس وقت موجود تھا کہا "آن چنان کہ مقصود شیخ است ہیچنان کنید۔"

شیخ نے فرمایا میرا مقصود فقر اور باپ دادا کا گوشہ ہے۔ جب شیخ سلطان کے یہاں سے واپس تشریف لے گئے، تو اس نے شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکہ دے کر ان کے پاس بھیجا۔ شیخ نے اتنی بڑی رقم دیکھ کر فرمایا۔ یہ درویش ایک لاکھ تنکے لے کر کیا کرے گا۔ شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاالدین برنی سلطان کے پاس واپس گئے۔ سلطان نے پچاس ہزار تنکے دے کر پھر دونوں کو بھیجا۔ شیخ نے ان کو بھی قبول نہیں کیا۔ بالآخر دو ہزار تنکے بھیجے گئے، لیکن ان کو بھی قبول نہیں کیا اور فرمایا درویش کے لیئے دو سیر کھچڑی اور ایک سیر روغن کافی ہے۔ وہ ہزاروں لے کر کیا کرے گا۔ لیکن جب شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاالدین برنی نے بہت اصرار کیا تو دو ہزار کی رقم لے لی۔ کچھ تو مرشد کے مزار کے لیئے محفوظ رکھی اور بقیہ فقراء میں تقسیم کر دی۔

مذکورہ بالا واقعات کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ سلطان نے یہ تمام باتیں حضرت شیخ قطب الدین منور کو ایذا دینے کے لئے کیں، جو بظاہر قرین قیاس نہیں ہے۔

عام طور سے تذکرہ نگار جب بوریا نشینوں اور تخت نشینوں کے تعلقات کا ذکر کرتے ہیں، تو کچھ نہ کچھ ایسی باتیں ضرور قلمبند کر دیتے ہیں جن سے ان کے خیال میں درویشی کی شانِ عظمت وجلالت بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے کیا عجب کہ حضرت خواجہ نصیرالدین محمود اور سلطان محمد تغلق کے تعلقات کے دکھانے میں بھی یہی صورت اختیار کی ہو۔ اس قسم کے واقعات مغلیہ دور کی تصانیف میں زیادہ پائے جاتے ہیں جن کے مصنفین کو تیموریوں سے پہلے کے سلاطین کو کسی نہ کسی حیثیت سے مجروح کرنے میں لطف حاصل ہوتا تھا۔

شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت نصیرالدین کو ایذا دینے کے لئے ٹھٹھہ نہیں بلایا تھا، بلکہ وہاں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ "چو سلطان محمد دنبال طغی در ٹھٹھہ رفت خدمت شیخ نصیرالدین را برابر خود برد"۔ (ترجمہ: سلطان محمد باغیوں کے تعاقب میں ٹھٹھہ گیا۔ شیخ نصیرالدین کو اپنے ہمراہ لے گیا۔)

آگے چل کر مقدمۂ دوازدہم میں ہے۔

"خدمت شیخ نصیرالدین محمود علیہ الرحمۃ الغفران را سلطان محمد در ٹھٹھہ برابر خود بردہ بود و اندراں ایام کہ سلطان محمد در زمین ٹھٹھہ بحضرت الٰہ پیوست و حضرت فیروز شاہ بعون اللہ بر بادشاہی نشست خدمت شیخ نصیرالدین محمود برابر سلطان فیروز گشت"

(ترجمہ: سلطان محمد شیخ نصیرالدین محمود علیہ الرحمۃ والغفران کو اپنے ہمراہ ٹھٹھہ لے گیا۔ اور انہی دنوں جب سلطان محمد ٹھٹھہ میں خدا سے جا ملا اور خدا کی مدد سے فیروز شاہ تختِ شاہی پر بیٹھا، تو انہی نے بھی شیخ نصیرالدین محمود کی بدستور مصاحبت اور خدمت اختیار کی)

مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی (ص ۵۳۵) سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ نصیرالدین محمود ان علماء و مشائخ و اکابر کے ساتھ شریک تھے، جنہوں نے ٹھٹھہ میں بالاتفاق فیروز شاہ کو سلطان محمد کا جانشین بنایا، لیکن شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کے بیانات نسبتہً زیادہ واضح ہیں۔ فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سلسلہ میں ہے "جب سلطان محمد تغلق طغی کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ٹھٹھہ گیا تو وہ حضرت شیخ

نصیرالدین کو اپنے ساتھ لے گیا۔ سلطان محمد نے ٹھٹھہ میں وفات پائی۔ اور سلطان فیروز شاہ بادشاہ ہوا۔ حضرت شیخ نصیرالدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کریں کہ خلق کے ساتھ عدل وانصاف کریں گے، ورنہ ان بے کس بندوں کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دوسرا فرمانروا طلب کیا جائے۔ سلطان فیروز نے جواب کہلا بھیجا کہ میں خداوند تعالیٰ کے بندوں سے حلم وبردباری کے ساتھ پیش آؤں گا۔ اور ان پر انصاف اور محبت سے حکومت کروں گا۔ حضرت شیخ نے یہ جواب سنا تو کہلایا کہ اگر آپ خلق کے ساتھ خُلق اور مروّت سے پیش آئیں گے، تو ہم بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے آپ کے لئے چالیس سال کی حکومت کے لئے دعا کریں گے۔ آخر کار وہی ہوا جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا۔ سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود نے سلطان فیروز شاہ کو انتالیس خرمے بھیجے، جو بشارت پر بشارت خیال کی گئی" (ص ۲۹)

سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہاں حضرت چراغ دہلی کا مرید تھا۔ یہ نسباً تلنگی ہندو تھا۔ سلطان محمد تغلق کے پاس حاضر ہو کر ایمان لایا اور اپنی غیر معمولی استعداد اور صلاحیت کی بنا پر ترقی کر کے محمد تغلق ہی کے زمانہ میں وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا۔ فیروز شاہ کے عہد میں بھی وزارت کی باگ اسی کے ہاتھ میں رہی۔ جب وہ حضرت چراغ دہلی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا تو مرشد سے اپنے لئے عبادت وریاضت کی تفصیل پوچھی۔ حضرت چراغ دہلی نے فرمایا تم وزیر مملکت ہو۔ تمہاری عبادت یہی ہے کہ حاجت مندوں کی حاجت برآری میں انتہائی کوشش کرو۔ خان جہان نے اوراد و وظائف کے لئے اصرار کیا تو فرمایا اگر تم ہمیشہ باوضو رہو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ چنانچہ خان جہان مرشد کی ہدایت کے مطابق ہمیشہ باوضو رہنے لگا۔ شمس سراج عفیف مصنف تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ اس امر میں خان جہان اتنی احتیاط کرتا تھا کہ اگر دربار میں مسند وزارت پر اس کو وضو کی حاجت ہو جاتی، تو فوراً اٹھ کر وضو کر لیتا اور رات کو جب اپنے بستر حریر پر سونے کے لئے جاتا، تو پلنگ کے پاس ایک آفتابہ اور ایک طشت رکھوا لیتا اور جب آنکھ کھلتی فوراً پلنگ سے اتر کر وضو کر لیتا۔ وفات کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے قریب دفن ہوا۔ تمام

خلقت خدا نے اس کے لئے ماتم کیا اور جیسا کہ شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ ہر شخص تعزیت میں مسجدوں اور مقبروں میں جا بیٹھا۔ لیکن یہ کہنا صحیح ہوگا کہ خان جہان کی خدا ترسی اور عدل پروری حضرت چراغ دہلی ہی کے فیض صحبت کا نتیجہ تھی۔ ان کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے شمس سراج عفیف رقمطراز ہے "خان جہان وزیر صاحب تدبیر اور خدا ترس تھا۔ ہر وقت رعایا کی بہتری و فلاح کی کوشش میں لگا رہتا۔ کسی شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم روا نہ رکھتا۔ اگر کوئی مقطع ظلم کرتا اور مال لے کر آتا تو خان جہان مال کے اس اضافہ کو پسند نہ کرتا۔ ہر وقت رعیت کی راحت رسانی میں سرگرم رہتا۔ کام کرنے والے گروہ کی حمایت کرتا اور دل و جان سے اس کے قصور کی پردہ پوشی کرتا اور اگر کسی عامل سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو نہایت عمدہ طریقہ پر اس کا حال بادشاہ سے عرض کر کے اس کو شاہی باز پرس سے بری کرا دیتا۔ خان جہان کی وفات پر تمام خلقتِ خدا نے ماتم کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام آثار اُس کی مغفرت کی دلیل ہیں۔ (تاریخ فیروز شاہی ص ۲۲۲، ۲۲۴)

حضرت قطب الدین منور سے ملاقات ـــــ جب حضرت چراغ دہلی سلطان فیروز شاہ کے ساتھ ٹھٹھہ سے واپس ہو رہے تھے۔ تو انہوں نے حضرت قطب الدین منورؒ کی ملاقات کے لئے ہانسی کا رُخ کیا۔ حضرت قطب الدین منورؒ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت چراغ اُن کی خانقاہ کے قریب پہنچ گئے ہیں، تو برہنہ پا دوڑے اور دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ حضرت منورؒ نے حضرت چراغ رحؒ کے قدموں کی جانب ہاتھ بڑھایا اور حضرت چراغ نے شیخ منورؒ کے قدم لینے کا ارادہ کیا۔ اس تواضع کے بعد دونوں بڑی محبت و یگانگت کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے خانقاہ تشریف لائے۔ اور اپنے پیر و مرشد کو یاد کر کے بہت روئے۔ اس کے بعد محفل سماع منعقد ہوئی۔ جس میں دونوں بزرگوں پر سکر کا عالم طاری ہوا۔ سماع کے بعد عصر کی نماز کا وقت آیا تو حضرت شیخ منورؒ نے حضرت چراغ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ امامت کریں۔ حضرت چراغؒ نے حضرت منورؒ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا امامت آپ کے لئے زیبا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ پیر و مرشد نے ہم دونوں بھائیوں کو ایک ہی روز خرقہ خلافت عطا کیا تھا لیکن آپ کو چاشت کے وقت خلافت ملی

اور مجھ کو ظہر کی نماز کے وقت مشرف فرمایا۔ اس لئے امامت کے لئے بھی آپ ہی کا حق مقدم ہے۔ مرشد کے ذکر پر حضرت شیخ منوّر امامت کے لئے آگے بڑھے شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ جب دونوں عارفانِ حق نماز ادا کر رہے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ فرشِ زمین پر قران السعدین ہے۔

دونوں بزرگانِ دین میں شروع سے آخر تک غیر معمولی محبّت رہی۔ حضرت شیخ منورؒ کے یہاں جب حضرت چراغ دہلی کا کوئی مرید آتا تو فرماتے آؤ میرے قریب بیٹھو۔ تم میرے برادر زادہ ہو۔ پھر اس پر بے حد کرم فرماتے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ہانسی سے حضرت چراغ کی قدم بوسی کے لئے آتا تو آپ اُس کو اپنی آغوشِ شفقت میں لیتے اور اپنی خانقاہ میں اعزاز و اکرام کے ساتھ مہمان رکھتےؒ۔

ذوقِ سماع ــــــ خواجگانِ چشت کی طرح حضرت چراغؒ بھی سماع کا ذوق رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ خانقاہ کی ایک مجلس سماع میں حسب ذیل شعر پر وجد آیا ؎

جفا بر عاشقان گفتی نخواہم کرد ہم کردی ۔۔۔ قلم بر بے دلان گفتی نخواہم راند ہم راندی

(ترجمہ: تو نے کہا کہ میں عاشقوں پر جفا نہیں کروں گا مگر کرکے رہے۔ تو نے کہا کہ کمزوروں کے خلاف قلم نہیں چلاؤں گا مگر چلا کر چھوڑی۔)

مولانا مغیث شاعر نے ایک رسالہ میں اس محفل کا پورا حال بیان کر کے یہ اعتراض کیا کہ اس شعر میں کوئی بات نہیں ہے۔ اگر جور و جفا کی نسبت خداوند تعالیٰ کی طرف کی جائے تو یہ کفر ہے۔ اس قسم کے اور اعتراضات بھی تھے۔ مولانا مغیث نے یہ رسالہ مولانا معین الدین عمرانی کو دیا۔ انہوں نے حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے اس کو پڑھا لیکن کچھ ارشاد نہیں فرمایا اور رسالہ واپس کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک اور مجلس میں حضرت چراغؒ کو اس شعر پر بڑی بے قراری ہوئی ؎

طبل مغانہ دوش بے باک زدیم ۔۔۔ عالی علمش بر سر افلاک زدیم

از بہر یکے مغ بچۂ حیّ خوارہ ۔۔۔ صد بار کلاہ توبہ بر خاک زدیم

(ترجمہ: کل ہم نے بے دھڑک میخانے کا طبل بجایا اور اس کا پرچم آسمان پر گاڑا

ایک مغ بچے کی خاطر ہم نے سو بار توبہ کی کلاہ زمین پر پٹخی۔

اور اسی بے قراری کے عالم میں چھت پر تشریف لے گئے۔ مولانا مغیث کو بلایا جب وہ سامنے آئے تو فرمایا:

"ہاں مولانا بنویس ایں جا چہ جہل بود۔" (ترجمہ: ہاں مولانا! لکھیئے اس میں کیا جہالت کی بات تھی؟)

جب کبھی سماع کی وجہ سے سکر کا عالم طاری ہوتا تو کبھی نماز قضا نہ ہونے پاتی۔ ایک بار ظہر کے وقت وجد آیا جو تہجد کی نماز تک قائم رہا۔ لیکن اس اثنا میں جب نماز کا وقت آتا تو ہر بار وضو کر کے نماز ادا فرماتے۔

سماع کے ساتھ مزامیر پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک روز حضرت محبوب الٰہیؒ کے مریدوں نے مجلس سماع منعقد کی۔ قوالوں نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا تو حضرت چراغؒ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا یہ خلاف سنت ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کو یہ واقعہ سنایا گیا، تو آپ نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں۔

ایک بار کسی نے مجلس میں آپ سے مزامیر دف، رباب اور رقص کے متعلق استفسار کیا تو فرمایا مزامیر بالاجماع مباح نہیں ہیں۔ اگر کوئی طریقت سے گر جائے، تو کم سے کم شریعت میں رہے۔ اور اگر شریعت کا بھی نہ ہوگا، تو پھر کہاں کا رہے گا۔ اول تو سماع ہی میں علماء کا اختلاف ہے۔ اگرچہ کچھ شرائط کے ساتھ اس کو مباح کہا گیا ہے لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہیں۔

سماع کے متعلق فرمایا "دارو ئے دردمنداں است۔" (ترجمہ: دردمندوں کے لئے دوا ہے۔)

اور سماع میں ذوق دردِ دل سے ہوتا ہے نہ کہ مزامیر سے۔

قاتلانہ حملہ — ایک روز حضرت چراغ نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آکر اپنے حجرۂ خاص میں مراقبہ میں مشغول تھے کہ ایک قلندر مسمی تراب وہاں پہنچا اور چھری

سے پے در پے آپ پر حملے کئے۔ خون حجرے کے باہر بہنے لگا لیکن آپ کے استغراق میں فرق نہ آیا۔ خون دیکھ کر مریدین حجرے میں گئے اور قلندر کو سزا دینی چاہی۔ لیکن حضرت چراغ نے روکا اور اپنے مریدان خاص قاضی عبدالمقتدر، شیخ صدرالدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو پاس بلاکر قسم دی کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہ پہنچائے۔ پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھریاں مارتے وقت تمہارے ہاتھ کو تکلیف پہنچی ہو تو معاف کرنا اور بیس تنکہ زر دے کر اس کو رخصت کیا۔ ان ہی اوصاف کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ میں صبر، رضا و تسلیم کا خاتمہ آپ پر ہوگیا۔ (سیرالعارفین ج ۲ ص ۴۴)

وصال ـــــ اس قاتلانہ حملہ کے بعد تین سال تک خلق اللہ کی رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ ۱۸ رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ھ میں رحلت فرمائی۔

وفات سے پہلے مولانا زین الدین علی نے عرض کیا کہ آپ کے اکثر مرید اہل کمال ہیں۔ کسی کو سجادہ نشین مقرر فرمادیں تاکہ سلسلہ جاری رہے۔ فرمایا ان درویشوں کے نام لکھ کر لاؤ جن کو تم اس لائق سمجھتے ہو۔ مولانا زین الدین نے تین قسم کے درویشوں کا انتخاب کیا۔ اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ۔ حضرت خواجہ نے ان کے نام دیکھ کر فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کا غم کھائیں گے لیکن دوسروں کا بار نہ اٹھاسکیں گے۔ اس کے بعد وصیت فرمائی کہ دفن کرتے وقت حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہ کا خرقہ مبارک میرے سینہ پر، ان کا عصا میرے پہلو میں، ان کی تسبیح میری شہادت کی انگلی میں، ان کا کاسہ خشت کے بجائے میرے سر کے نیچے اور ان کی چوبیں نعلین میرے بغل میں رکھ دی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز نے غسل دیا۔ اور جس پلنگ پر غسل دیا گیا، اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کرکے اپنی گردن میں ڈال لیں کہ میرے لئے یہی خرقہ ہے۔ اور یہی کافی ہے

مزار اقدس دہلی میں ہے۔

لطافتِ طبع ـــــ آپ کی طبیعت میں بہت پاکیزگی اور مزاج میں بڑی لطافت تھی۔ آپ کے مرید حضرت سید گیسو دراز اپنے ملفوظات جوامع الکلم (ص ۱۱۲) میں فرماتے ہیں کہ جس جگہ وہ بیٹھتے وہ بہت ہی پاک، صاف اور روشن ہوتی۔ وہاں ایک تنکہ بھی دکھائی نہیں

دیتا۔ کسی وقت یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جسم مبارک پر جو کپڑا ہے، وہ کل زیب تن فرمایا ہے یا آج پہنا ہے۔ دامن اور آستینوں کی شکن سے کچھ اندازہ ہوتا کہ دو دن کا پہنا ہوا ہے۔ دائیں بائیں پھولوں کا انبار لگا رہتا تھا۔

مرشد کی سنت کی پیروی میں تمام عمر ازدواجی تعلق سے آزاد رہے۔

خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید قلندر رقم طراز ہیں کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمودؒ علم میں ابو حنیفۂ وقت اور زہد و ورع میں حضرت شیخ نظام الدینؒ کی جگہ پر تھے۔ مفتاح العاشقین کے مرتب مولانا محب اللہ نے حضرت خواجہ کو عمدۃ الابرار، قدوۃ اخیار، ملک السالکینؒ برہان العاشقین اور ختم المشائخ کے القاب سے یاد کیا ہے۔

لطائف اشرفی میں ہے۔ (ص ۳۶۲)

"حضرت قدوۃ الکبریٰؒ نے فرمایا۔ گو حضرت سلطان المشائخ کے تمام خلفاء خلافت وارشاد کی مسند پر متمکن اور شریعت و اطاعت کی راہ پر گامزن تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کو ولایت کا مقام عطا کر رکھا تھا۔ کوئی دوسرا خلیفہ اس مرتبے تک نہ پہنچ سکا اور جس قدر ولایت و کرامت، انوار و ہدایت اور بزرگی کے نشانات حضرت شیخ نصیر الدینؒ سے ظاہر ہوئے، کسی دوسرے سے ظاہر نہ ہوئے بلکہ تمام ہندوستان میں کوئی صاحب ولایت آپ کا ہمسر نہ ہو سکا۔"

سیر العارفین میں ہے کہ "وہ مبارز نبرد جہاد اکبر، وہ شاہد شہود اطہر اظہر، وہ صنوبر ریاض ریاضت، وہ نیلوفر فیوض افادت، وہ مثال تنزیہ و تشبیہ، وہ عامل تنقیح و توضیح، وہ برگزیدہ معبود تھے۔ وہ مشائخ کبار میں ممتاز و مستثنیٰ تجردان روزگار میں اولی الابصار تھے۔"

مولانا عبد الحق نے اخبار الاخیار (ص ۷۷) میں حضرت خواجہ کو مستغرق بہ بحر شہود کے لقب سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنے شیخ کا بہت اتباع کرتے تھے۔ ان کا طریقہ فقر، صبر، رضا اور تسلیم تھا۔

سفینۃ الاولیاء (ص ۱۷۱) میں ہے کہ حضرت خواجہ سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ سلطان المشائخ کے کسی مرید سے اتنی ظاہر نہ ہوئی ہوں گی۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ

"آپ صاحب اسرار، قدوۂ ابرار، بڑے عبادت گزار اور بزرگ زاہد تھے۔"

ملفوظات ـــــ حضرت چراغؒ کے ملفوظات کے دو مجموعے مشہور ہوئے۔ ا۔خیرالمجالس مرتبہ مولانا حمید قلندر شاعر۔ ۲۔ مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ۔ ان دونوں میں خیرالمجالس زیادہ مقبول ہوئی۔ اس میں ۷۵۵ھ سے ۷۵۶ھ تک کی سو مجلسوں کے ملفوظات ہیں۔ تمام صوفیانہ رموز ونکات لذیذ حکایتوں کے پیرایہ میں واضح کیے گئے ہیں اس لئے پوری کتاب شروع سے آخر تک دلچسپ ہے۔ گزشتہ صفحات میں آپؒ کی تعلیمات کا ذکر جستہ جستہ آچکا ہے۔ جگہ کی قلت کی وجہ سے ہم اس کے اور مسائل کو تفصیل کے ساتھ قلم بند کرنے سے معذور ہیں۔ پھر بھی کچھ مباحث ہدیۂ ناظرین ہیں۔

فرمایا، سلوک میں ارادت ضروری شرط ہے تاکہ مرشد طریقۂ ذکر وفکر کی تعلیم دے سکے۔ اور جہاں ایک سالک کو وقفہ عارض ہو، وہاں مرشد دستگیری کرے۔ ایک سالک متدارک بجذبہ اور ایک مجذوب متدارک بہ سلوک ہوتا ہے۔ سالک متدارک بجذبہ وہ ہے، جو علم، عمل اور ارادت کی قوت سے پہلے سلوک اور پھر بعد میں جذبہ حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے اعمال میں خونِ جگر پیتا ہے۔ رنج وتعب اٹھاتا ہے۔ اس کو نفس اور شیطان معصیت میں آلودہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ تائب ہوکر عابد وزاہد رہتا ہے۔ مجذوب متدارک بہ سلوک وہ ہے، جو پہلے جذبہ اور آخر میں سلوک حاصل کرتا ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے جذبہ کی قوت سے کرتا ہے۔ شیطان اور نفس دونوں کو اس کے یہاں دخل نہیں۔ حضرت چراغؒ کی رائے ہے کہ سالک متدارک بجذبہ اور متدارک بہ سلوک دونوں کی متابعت کی جاسکتی ہے۔ لیکن مجذوب مطلق اور سالک نامتدارک جذبہ اتباع کے لائق نہیں ہوتے۔ حضرت چراغ کے نزدیک سالک متدارک بجذبہ مجذوب متدارک بہ سلوک سے افضل تر ہے۔ سالک کی ایک قسم واقف بھی ہوتی ہے، جو علم اور مجاہدہ کے زور سے سلوک حاصل کر لیتا ہے لیکن کسی لغزش کی وجہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتا۔ ایسی حالت میں مرشد مدد کرتا ہے ورنہ اس کو شیطان طمانچے مارتا رہتا ہے۔ (خیرالمجالس مجلس نہم ودہم)

فرمایا ایک مبتدی تلاوت کلام پاک، نماز اور فکر میں وقت صرف کرتا ہے اور

جب وہ اپنے اوقات کو عبادت وریاضت سے معمور کرلیتا ہے تو وہ صاحب وقت کہلاتا ہے۔ اس کے بعد ایک حال قائم ہوتا ہے جس میں انوار نازل ہوتے ہیں۔ اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے اور دل سے اعضا میں سرایت کرتا ہے۔ لیکن اس حال میں دوام نہیں ہوتا۔ اگر اس کو دوام حاصل ہوجاتا ہے، تو یہ مقام ہے۔ اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتا ہے تو بلندی منتہی کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ صاحبِ انفاس کہلاتا ہے۔ اس کی ہر سانس پاکیزہ ہوتی ہے اور وہ غیرحق کے تمام خیالات دل سے محو کردیتا ہے۔

حضرت چراغ رحؒ نے نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا۔ فرمایا محافظت نفس کے لئے مخالفتِ نفس ضروری ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر اپنی ساری تعلیم کا لُبِ لباب اس شعر میں پیش کیا ہے

صحتِ نفس وقوت یک روزہ　　　بہتر از تاج وتخت فیروزہ

(ترجمہ: نفس کی صحت ودرستی اور ایک دن کی غذا شاہی تاج وتخت سے بہتر ہے۔)

مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ اٹھائیس صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے جو مطبع مجتبائی دہلی میں چھپ گیا ہے۔ اس کے مطبوعہ نسخہ کے آخر میں ہے "تمام شد ملفوظ حضرت سلطان المشائخ شیخ نصیرالحق والشرع والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز تاریخ بستم ماہ صفر ۸۵۰ھ ہجری نبوی روز پنجشنبہ وقت نماز ظہر" ۸۵۰ھ کتابت وطباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت چراغ رحؒ کا وصال ۷۵۷ھ میں ہوا۔

مفتاح العاشقین میں صرف دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں۔ اس میں سے بھی کچھ باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

فرمایا، ایک مرید کے لئے تین قسموں کا غسل ضروری ہے۔ ۱۔ غسل شریعت یعنی جسم سے ناپاکی کو دور کرنا۔ ۲۔ غسل طریقت یعنی تجرّد اختیار کرنا۔ ۳۔ غسل حقیقت یعنی باطن کا توبہ کرنا۔ (ص ۴)

فرمایا، ایک مرید کو راہِ سلوک میں حسب ذیل چار عالم سے واقف ہونا ضروری

ہے۔ اور اگر وہ واقف نہیں ہے تو وہ دروغ گو ہے۔ ۱۔ ناسوت ۲۔ ملکوت ۳۔ جبروت ۴۔ لاہوت۔

عالمِ ناسوت حیوانات اور نفس کی دنیا ہے۔ اس میں حواسِ خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہیں۔ سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے اس عالم سے گزر کر عالمِ ملکوت میں پہنچتا ہے۔ جہاں اس کے افعال صرف تسبیح، تہلیل، قیام، رکوع اور سجود تک محدود ہوتے ہیں۔ اس عالم کو طے کر کے وہ عالمِ جبروت میں آتا ہے، جہاں صرف شوق، ذوق، محبت، اشتیاق طلب، وجد، سکر، سہو، محو اور صحو کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ اس کے بعد وہ عالم لاہوت میں داخل ہوتا ہے، جو بالکل لامکان ہے۔ یہاں نہ گفتگو ہے اور نہ جستجو۔ عالمِ ناسوت نفس کی صفت، عالمِ ملکوت دل کی صفت، عالم جبروت رُوح کی صفت اور عالمِ لاہوت "نظرِ رحمان" کی صفت ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا کہ سالک جب تک تزکیہ، تصفیہ اور تجلیہ حاصل نہیں کرتا، اس میں درویشی کا جوہر پیدا نہیں ہوتا۔ ان ہی کے ذریعہ سے شریعت، طریقت۔ اور حقیقت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ حصول شریعت سے تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے کم کھانا اور رات کو نوافل پڑھنا ضروری ہے۔ حصول طریقت سے تصفیۂ دل ہوتا ہے۔ اس کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا اور ذکر جلی کرنا لازمی ہے۔ حصولِ حقیقت سے تجلیۂ روح ہوتا ہے۔ اس کے لئے روزے رکھنا اور ذکر خفی کرنا ضروری ہے۔

تجلیہ روح سے مراد دل کے سات گوہر کا روشن ہونا ہے۔ وہ سات گوہر یہ ہیں۔
۱۔ گوہر ذکر ۲۔ گوہر عشق ۳۔ گوہر محبت ۴۔ گوہر سر ۵۔ گوہر رُوح ۶۔ گوہر معرفت ۷۔ گوہر فقر۔

گوہر ذکر کی روشنی سے سالک موجودات کی کل چیزوں میں منفرد ہو جاتا ہے، جس کے بعد گوہر عشق روشن ہو جاتا ہے۔ اس میں شوق، اشتیاق، درد، اندوہ، حیرانی اور بے خودی رہتی ہے۔ اس کے بعد گوہر محبت میں روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے سالک کے دل میں خدا کے سوا کسی اور کی محبت نہیں رہتی ہے اور وہ ہر حال میں راضی برضا ہوتا ہے

اسی اثنا میں وہ واردات اور مواہب الٰہی سے آگاہ و سرفراز کیا جاتا ہے جس سے گوہر سر روشن ہوتا ہے۔ اس کے بعد رُوح کا گوہر چمکتا ہے۔ جب کہ سالک کا کوئی لمحہ خدا کی طاعت سے خالی نہیں رہتا ہے۔ پھر گوہر معرفت اور آخر میں گوہر فقر روشن ہوتے ہیں۔ گوہر معرفت کے روشن ہونے پر سالک جو کچھ سنتا ہے، خدا سے سنتا ہے، جو کچھ کہتا ہے خدا سے کہتا ہے۔ جب کبھی چلتا ہے تو خدا کے لیے چلتا ہے۔ اور جب فقر کا گوہر روشن ہوتا ہے تو سالک دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

اور جب سالک ان مراتب کو پہنچتا ہے، تو انوار تجلّی سے متصف ہو کر اٹھارہ ہزار دنیاؤں کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان پاتا ہے اور وہاں خدا کی قدرت سے چون اور چگون کا تماشا دیکھتا ہے اور قدرتِ خداوندی میں جو کچھ چیزیں ہیں وہ اُس کی "روزی" ہوتی ہے۔ مگر سالک کو احتیاط رکھنا چاہیئے کہ اس سعادت سے محروم (بے نصیب) نہ ہو جائے۔ (ص ۱۲)

ایک مجلس میں خاص طور پر محبت پر ارشادات ہیں۔ فرمایا کہ محبت کی دو قسمیں ہیں محبت ذات، محبت صفات۔ محبت ذات وہبی اور محبت صفات کسبی ہے۔ ابتدا میں سالک کو خلق، دنیا، نفس اور شیطان جادۂ محبت سے گمراہ کرتے ہیں۔ مگر خلق سے پرہیز کے لئے عزلت نشینی، دنیا کو نظر انداز کرنے کے لیے قناعت پسندی اور نفس اور شیطان سے بچنے کے لیے عبادت گزاری ضروری ہے۔ خاص محبت وہ ہے کہ دوست کے لیے دنیا کی ہر چیز ایثار کر دے اور محبت میں صادق وہی ہے کہ اگر اس کو کاٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے تو بھی وہ ثابت قدم رہے۔

حضرت چراغ دہلی کے جلیل القدر خلفاء میں حضرت سید محمد بن جعفر المکی الحسینی بھی تھے۔ ان کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے۔

"حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نور اللہ مرقدہٗ کے جلیل القدر خلفا میں سے تھے۔ توحید و تفرید میں مقام عالی رکھتے تھے۔ ان کا شمار منفرد اولیاء میں کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے ظاہر و باطن کے جو احوال لکھے ہیں، اُن کو پڑھ کر عقل حیران رہتی ہے۔ اگر بغیر کسی تاویل کے صرف ان کا ظاہر مراد ہے تو اپنے زمانہ کے بڑے کامل تھے۔ اُن کی ایک تصنیف

بحرالمعانی ہے جس میں حقائق توحید، علوم قوم اور اسرار معرفت بیان کئے گئے ہیں۔ طرز بیان مستانہ ہے۔ اسی کتاب میں دو اور کتابوں دقائق المعانی اور حقائق المعانی کے لکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں لکھی گئیں یا نہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں۔ ایک رسالہ رُوح کے بیان میں لکھا ہے۔ اس کا نام پنج نکات ہے۔ بحرالانساب نام کی بھی ایک تصنیف ہے۔ اس میں اہل بیت رسالت کا نسب نامہ ہے، جس میں اپنے نسب کو بھی ملایا ہے۔ وہ صاحب دعویٰ کثیر ہیں اور اُن کے بیانات سے اُن کے دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے۔ بڑی عمر پائی۔ محمد تغلق کے زمانہ سے سلطان بہلول لودھی کے زمانہ تک زندہ تھے۔ اس حساب سے ان کا سن سو سال سے زیادہ ہوتا ہے۔ آباواجداد مکۂ معظمہ کے اشراف میں سے تھے۔ وہاں سے دہلی آئے، پھر سرہند میں اقامت گزیں ہوئے اور یہیں مدفن ہے۔"

حضرت سیّد محمد کے مزید حالات اور اُن کی تصنیف بحرالمعانی کے کچھ اقتباسات مذکورہ بالا تذکرہ میں ملیں گے (دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۲۴۔۱۲۸)

حضرت چراغ کے بعض اور خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

حضرت میر سیّد محمد گیسو دراز (گلبرگہ شریف) خواجہ کمال الدین (احمد آباد گجرات) جنہوں نے یہاں کے اطراف و جوانب میں لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ اپنا معتقد بنایا مزار دہلی ہی میں ہے۔ شیخ دانیال (ستر کھ) شیخ صدرالدین علیم طب میں اُن کی ایک تصنیف فصیح و متین مشہور ہے۔ دہلی میں مدفون ہیں۔ خواجہ معین الدین خورد (مرگہا) شیخ سراج الدین (پاک پٹن) شیخ یوسف حسینی (علم دین میں ان کی ایک کتاب فیض انتساب تحفۃ النصائح مشہور ہے) شیخ عبدالمقتدر (مناقب الصدیقین میں اپنے مرشد کے فضائل تحریر کئے۔ خانقاہ جونپور میں ہے) حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دار، حضرت مولانا خواجگی (کالپی) شیخ احمد تھانیسری (کالپی) شیخ محمد متوکل کنتوری (بہرائچ) شیخ قوام الدین (لکھنو)

حضرت شرف الدین احمد منیریؒ

ولادت و نسب
تعلیم
تلاش مرشد
وصایا مرشد
صحرا نوردی
رشد و ہدایت
درویشانہ زندگی
ذوق سماع
وصال
تصانیف
تعلیمات

ولادت و نسب — حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد بن یحییٰ قدس سرہ العزیز کی ولادت باسعادت ۲۹ شعبان المعظم ۶۶۱ھ میں بمقام منیر شریف (ضلع پٹنہ) میں ہوئی پیدائش کی تاریخ شرف آگین ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ شرف الدین احمد بن شیخ یحییٰ بن اسرائیل بن مولانا محمد تاج فقیہہ بن ابی بکر بن ابی الفتح ابن ابی القاسم بن ابی الصائم بن ابی وہر بن ابی لیث بن ابی سہیر بن ابی الدین بن ابی سعید ابن ابی ذر بن زبیر المکنی بابی الصعب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ والدہ ماجدہ کا نسب نامہ چودہویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق سے ملتا ہے۔

حضرت شرف الدین احمد کا خاندان بیت المقدس سے آکر منیر ضلع پٹنہ میں آباد ہوا۔ یہ خاندان اپنے زہد و تقویٰ میں شروع ہی سے ممتاز تھا۔ منیر کے آس پاس کے علاقہ میں اسی خاندان کی بدولت اسلام کی اشاعت ہوئی۔ حضرت شرف الدین احمد کی والدہ ان کو بغیر وضو کے دودھ نہ پلاتی تھیں[1]۔

تعلیم — بچپن میں گھر ہی پر تعلیم پائی۔ اس زمانہ میں مصادر، مفتاح اللغات اور

---

[1] مناقب الاصفیا اور مونس القلوب میں حضرت شرف الدین احمد کے کچھ حالات درج ہیں۔ میرے سامنے یہ دونوں کتابیں نہیں ہیں مگر ان سے ضروری معلومات سیرۃ الشرف مرتبہ سید ضمیر الدین احمد میں لے لئے گئے ہیں۔ یہ کتاب میرے پیش نظر ہے۔

دوسری کتابیں درس میں رہیں۔ مفتاح اللغات تو حفظ کر لی تھی۔ سن شعور کو پہنچے تو والد بزرگوار نے ان کو مولانا شرف الدین ابو توامہ کی معیت میں مزید تعلیم کے لئے سنار گاؤں بھیجا۔ مولانا ابو توامہ اپنے عہد کے بڑے ممتاز عالم تھے۔ بعض اسباب کی بنا پر دہلی چھوڑ کر بنگالہ کی طرف رخ کیا۔ اثنائے سفر میں منیر میں بھی قیام کیا اور یہیں حضرت شیخ یحییٰ ان کے علمی تبحر سے متاثر ہوئے۔ مولانا ابو توامہ کے اوصاف کا ذکر خود مخدوم الملک خوان پر نعمت میں فرماتے ہیں:-

"مولانا شرف الدین توامہ ہندوستان کے علماء میں اس قدر مشہور تھے کہ ان کے علم میں کسی کو شبہ نہ تھا۔ آپ ریشمی سر بند اور ازار بند استعمال کرتے تھے۔ آپ نے ایسی چیزیں لکھیں کہ دوسرے علماء کو بھی اس کی تقلید کرنی چاہیے۔ اگر سبق پڑھانے میں مشکل پیش آتی تو غور کرتے اور غور کرتے وقت سر بند کاندھے پر لٹکاتے اور ایک ہاتھ میں لے کر مشغول رہتے یہاں تک کہ مشکل حل ہو جاتی۔ اس کے بعد سر بند کو چھوڑ کر مشکل کو بیان فرماتے۔" (ص ۱۵)

حضرت شرف الدین احمد نے اپنے شفیق استاد سے کلام پاک، تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ علوم عقلی مثلاً منطق، فلسفہ اور ریاضی کی بھی تعلیم پائی۔ اس تعلیم کے زمانہ میں ریاضت و مجاہدہ میں بھی مشغول رہے۔ ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ علم تصوف کی بھی کتابیں پڑھیں۔ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "صوفیوں کے اس گروہ کے مکتب فکر کے بنیادی اصول ان حضرات کی تصنیفات کے مطالعہ سے حاصل ہوئے۔"

تعلیم ہی کے زمانہ میں استاد کی دختر نیک اختر سے عقد کی رسم ادا ہوئی۔ جن سے تین اولاد ہوئی۔ ان میں سے صرف حضرت شاہ ذکی الدین زندہ رہے اور ان ہی سے نسل چلی۔

تلاش مرشد —— سنار گاؤں کے قیام کی مدت میں حضرت مخدوم الملک گھر سے آنے والے خطوط نہیں کھولا کرتے تھے۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد ایک دن ان کو کھولا تو ان میں والد بزرگوار کے انتقال کی خبر پڑھی اور والد کی یاد میں بے چین ہو کر وطن کی طرف مراجعت کی۔ گھر میں کچھ ہی دنوں قیام فرمایا تھا کہ طلب الٰہی کی آگ اتنی شعلہ زن ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر

مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ آپ کے بڑے بھائی شیخ جلیل الدین بھی ہمراہ ہو گئے اس وقت دہلی اور نواح دہلی بزرگان دین کے مرکز ہو رہے تھے۔ دہلی پہنچ کر مخدوم الملک وہاں کے تمام عابدوں، زاہدوں اور سجادہ نشینوں سے ملے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بھی پہنچے۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ جب حضرت شیخ شرف الدین علوم شرعیہ کی تحصیل اور ریاضت اصلیہ و فرعیہ کی تکمیل کر چکے تو حضرت سلطان المشائخ کے شرف ملازمت کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور ارادت وارشاد کے لئے استدعا کی۔ حضرت سلطان المشائخ نے عالم غیبی اور قضائے لاریبی سے استفسار فرمایا اور استغراق میں سر جھکایا۔ پھر فرمایا، برادرم شرف الدین! تمہاری ارادت اور تعلیم سلوک برادرم نجیب الدین سے متعلق ہے۔ تم ان ہی کے پاس جاؤ، وہ تمہارے منتظر ہیں۔ اور جب وہ (یعنی حضرت شرف الدینؒ) شیخ نجیب الدینؒ کے پاس جانے لگے، تو حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ فقیروں کے یہاں سے خالی نہ جاؤ، تم کو اس خاندان سے صفائی اور سماع مبارک ہو۔ حضرت شرف الدین تعظیم بجا لائے۔ ان کے خاندان میں سماع اور صفائی اسی وجہ سے ہے۔

جب سلطان المشائخ کی ہدایت کے مطابق حضرت مخدوم الملک حضرت شیخ نجیب الدین کے حضور میں پہنچے تو ان پر بڑی دہشت طاری تھی اور جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا لیکن حضرت شیخ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا، "درویش! برسوں سے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں تاکہ تمہاری امانت تمہارے سپرد کر دوں۔" (اخبار الاخیار ص ۱۰۹) اور فوراً بیعت لی کچھ نصیحتیں لکھ کر رخصت کیا۔ رخصت کرتے وقت فرمایا کہ تم کو راستہ میں کوئی خبر ملے تو واپس نہ آنا۔ حضرت مخدوم الملک نے مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے کچھ دنوں پاس رہنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن اس کی اجازت نہیں ملی۔ مرشد کی ساری تعلیمات ان نصائح میں پائی جاتی ہیں جو انہوں نے ارادت کے وقت لکھ کر دی تھیں۔

وصایا مرشد —— وہ وصیتیں یہ ہیں:-

"اے عزیز! یہ بات بڑے غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہے کہ ترک خودی بی مشغولیت کے علاوہ دنیا کی کسی چیز میں مشغول رہنا غلطی ہے۔ انسانی حرکات، سکنات، اقوال اور

افعال ہی سے خودی پیدا ہوتی ہے۔ کھانا، سونا، بولنا، میل جول پیدا کرنا، سننا، دیکھنا وغیرہ انسانی طبیعت کا اقتضا ہے لیکن یہ تمام باتیں بقدر ضرورت ہونی چاہئیں۔ اگر ضرورت سے زیادہ ہوں تو حق سے دُوری ہو جاتی ہے۔ اس لئے دن رات اس فکر میں رہنا چاہئے کہ خودی میں سے کیا چیز باقی رہ گئی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے فضل سے خودی سے بالکل چھٹکارا ہو جائے۔ اگر بال برابر بھی خودی باقی رہ گئی ہے تو حجاب باقی ہے۔ جب تک اس سے فراغت حاصل نہ ہو جائے دوسرے کام میں مشغول ہونا صحیح نہیں۔ کیونکہ خودی سے چھٹکارا پانے سے پہلے کسی کام میں مشغول ہونا شیطنت ہے۔ اس لئے کسی حال میں دوسرے کام کی طرف مشغول نہیں ہونا چاہئے۔ مجاہدہ اور ریاضت نفس اس طرح ہونی چاہئے کہ خودی بالکل جاتی رہے اور انتہائی درجہ کا تقویٰ حاصل ہو اور بشریت کی پوری صفائی ہو جائے کسی وقت بے وضو رہنا مناسب نہیں، اگرچہ آدھی رات، جاڑے کا موسم اور ٹھنڈا پانی ہی کیوں نہ ہو۔ وضو کے بعد دو رکعت نماز کسی حال میں فوت نہ ہونی چاہیئے۔ کھانا کھانے اور پانی پینے سے صرف تین چیزوں کی بقا ہوتی ہے ـــ حیات، عقل اور قوت۔ کھانا اس وقت تک ترک کرتے رہنا چاہئے جب تک حیات اور عقل میں خلل پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھچڑی جو کچھ بھی مل جائے ضرورت کے مطابق کھا لیا جائے۔ نان خورش (جیسے سالن وغیرہ) کی فکر نہ کرے۔ اس طرح پانی پینا بھی ترک کر دے یہاں تک کہ جب اس کو معلوم ہو کہ زندگی یا عقل میں خلل پڑے گا اس وقت تھوڑا سا پانی، جو صرف اس قدر ہو جس سے حلق تر ہو سکے پی لے تاکہ پیاس بجھ جائے۔ لیکن قوت کے کم ہونے کی وجہ سے ہرگز نہ کھائے نہ پیئے۔ اور قوت کے زائل ہونے کی طرف ہرگز توجہ نہ کرے۔ اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہو سکے گی کہ کھانے کی وجہ سے کتنے دنوں میں زندگی اور عقل میں خلل پڑنے کا خوف پیدا ہو گا۔ اور جب یہ تجربہ سے معلوم ہو تو اس کا لحاظ رکھے رات اور دن میں کسی وقت نہ سوئے اور نماز، قرآن کی تلاوت اور کتاب کے مطالعہ سے نیند کو دُور کرے۔ اس کا تمام تر دار و مدار اس پر ہے کہ رات اور دن میں کسی وقت نہ لیٹے، بلکہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر رات دن گزارے۔ کسی شخص سے بات چیت نہ کرے البتہ

سائل کا جواب دے سکتا ہے۔ لیکن سائل اگر عالم ہو تو اس کا جواب نہ دے بلکہ کبھی علمی جواب میں مشغول نہ ہو کیونکہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں۔ لیکن اگر جواب علمی نہ ہو تو اس کے متعلق مختصر گفتگو کرے اور صرف ضروری بات کہے اور وہ بھی اس وقت جب بجز بولنے کے کوئی اور چارہ نہ ہو، تو جو کچھ ہو سکے گفتگو کرے لیکن خود کوئی بات نہ کہے۔ کسی کے ساتھ بالکل ملاقات اور میل جول نہ کرے اور ایک خالی گوشے میں بیٹھا رہے اور جو چیز موجود ہو اس کو باقی رہنے دے۔ اپنے کام کے لئے اپنے گوشے سے باہر نہ نکلے اور کسی کو اپنے پہلو میں آنے کی اجازت نہ دے۔ ہمیشہ نظر نیچی زمین کی طرف رکھے۔ بے ضرورت دائیں بائیں نہ دیکھے کسی کی بات نہ سنے اور نہ اس کی کوشش کرے کہ دوسرا کیا کہتا ہے۔ دل کو عمداً اور قصداً کسی چیز میں نہ لگائے۔ کوئی بات کان میں پڑے اور سمجھ میں نہ آئے تو اس کی فکر بھی نہ کرے۔ ضرورت کے وقت سوکھی روٹی کھالے اور پانی پی لے۔ کوئی چیز اس لئے نہ کھائے کہ وہ موجود ہے، کیونکہ اس طرح محض خودی کا پابند ہوتا ہے۔ دوپہر کے وقت روزانہ قضائے حاجت کے لئے جائے اور اگر قلت طعام کی وجہ سے اس کی حاجت نہ ہو، تو بہتر ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نہ جائے اور وقت ضائع نہ کرے۔ اگرچہ اس کی ضرورت محسوس ہو اور وضو مشکوک ہو، یہاں تک کہ اس کی عادت ہو جائے۔ اور تمام وقت ایک کمبل کے سوا اور کچھ نہ اوڑھے لیکن جاڑے کے دن لبا لچہ کمیٹہ (شاید آستین والا لبادہ مراد ہو) خرقہ کے اوپر پہنے اور اس پر دن رات میں کسی چیز کا اضافہ نہ کرے۔ کسی کے آنے جانے، بولنے اور کام کرنے پر ناخوش نہ ہو اور نہ کوئی اعتراض کرے۔ یہ معلوم نہ ہونے دے کہ اس کو ظاہراً و باطناً کسی چیز سے انکار ہے۔ خواہ سر پر آگ ہی کیوں نہ برسے لیکن چون وچرا نہ کرے اور نہ اپنے میں کمیت وکیفیت ظاہر ہونے دے۔ یہاں تک کہ اس کو مقام وحدت اور حال وذوق حاصل ہو جائے۔ سماع کے وقت جہاں تک ممکن ہو آبدیدہ نہ ہو اور جسم کو حرکت نہ دے یہاں تک کہ مغلوب ہو جائے اور اپنی حفاظت آپ نہ کر سکے۔ لیکن سماع میں احوال کے ظاہر ہونے سے بڑی آفتیں ہیں۔ ان کا چھپانا بہت اہم باتوں میں سے ہے۔ قلب اور دل پر جتنی بھی آگ برسے اس کی خبر نہ ہو اور یہی وہ مقام عظیم ہے جو بڑی مشقت،

بڑے مجاہدے اور بے انتہا ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ تم اپنی طرف سے کوشش کرو، خدا عطا کرے گا۔ برسوں کے بعد مشقت اٹھانے والے کو راستہ ملتا ہے اور اگر یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیتا ہے۔

کار نازک تنانِ رعنا نیست　　　سنگ زیرین آسیا بودن[1]

(ترجمہ: حسین و جمیل نازک بدن والوں کا کام نہیں کہ چکی کے پاٹ میں آئیں یا رہیں۔)

حضرت نجیب الدین فردوسی سے حضرت مخدوم الملک کے بیعت ہونے کے بعد شجرۂ بیعت یہ قرار پاتا ہے۔

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، خواجہ نجیب الدین فردوسی، خواجہ رکن الدین فردوسی، خواجہ نجم الدین کبریٰ، خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب، خواجہ وجیہ الدین ابو حفص، خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بعمویہ، خواجہ احمد سیاہ دینوری، خواجہ ممشاد علو دینوری، خواجہ ابو القاسم جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، سیدنا امام علی رضا، سیدنا امام موسیٰ کاظم، سیدنا امام جعفر صادق، سیدنا امام محمد باقر، سیدنا امام زین العابدین، سیدنا امام حسینؓ، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ۔

خواجہ نجم الدین کبریٰ سے خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب نے خلافت دیتے وقت فرمایا کہ تم مشائخ فردوس ہو۔ اسی وقت سے اس سلسلہ کا نام فردوسیہ ہو گیا۔

صحرا نوردی ــــ بیعت کے بعد دہلی سے رخصت ہوئے کہ راستے میں مرشد کے وصال کی خبر ملی۔ لیکن مرشد کی ہدایت تھی کہ وہ کسی حال میں نہ لوٹیں۔ اس لئے واپس نہ ہوئے۔ جب بہیا (ضلع آرہ) کے جنگل میں پہنچے تو مور کی جھنکار سے دل میں ہوک اٹھی جذب کی کیفیت طاری ہو گئی اور گریبان چاک کر کے جنگل ہی میں غائب ہو گئے۔ بڑے

---

[1] وصیت نامہ حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی، مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ

بھائی شیخ جلیل الدین رح ساتھ تھے ۔ ہر طرف اُن کو تلاش کیا لیکن اُن کا کہیں پتہ نہ چلا ۔
مناقب الاصفیا کے مؤلف رقمطراز ہیں کہ حضرت مخدوم بہیا کے جنگل میں بارہ سال رہے ۔ اس کے بعد راجگیر (ضلع پٹنہ) کے جنگلوں میں بھی ایک بڑی مدت گزاری ۔ عام روایت ہے کہ تیس سال تک جنگلوں میں عبادت کی ۔ ایک بار ایک درخت کی شاخ پکڑے ہوئے عالم حیرت میں کھڑے دکھائی دیئے ۔ چیونٹیاں حلق میں آتی اور جاتی تھیں لیکن ان کو اس کی مطلق خبر نہ ہوتی تھی ۔
اس ریاضت کے زمانہ میں کھانے پینے سے پرہیز کرتے تھے ۔ جب کبھی اشتہار کا غلبہ ہوتا تو درخت کی پتیاں کھا کر بھوک کی شدت رفع کر لیتے ۔ ایک بار علی الصبح نہانے کی ضرورت پیش آگئی ۔ غسل کے لئے پانی کے قریب گئے ۔ جاڑے کا موسم تھا غیر معمولی سردی تھی ۔ پانی بہت ٹھنڈا تھا ۔ دل میں خیال آیا کہ تیمم کر کے نماز ادا کریں لیکن پھر خیال ہوا کہ شرعی رخصت کی آڑ میں پناہ کیوں لی جائے ۔ چنانچہ پانی میں اتر گئے لیکن سردی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے ۔ آفتاب طلوع ہوا تو اس کی تمازت سے ہوش آیا لیکن اس وقت فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی ۔ بڑا رنج ہوا اور فرمایا "میں نے جو ریاضتیں کی ہیں ، اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا لیکن شرف الدین کچھ نہ ہوا ۔" کثرت ریاضت سے بدن میں خون باقی نہ رہا تھا ایک بار حجام کے استرہ سے سر مبارک مجروح ہو گیا تو خون کی بجائے پانی بہنے لگا ۔ (مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الشرف)
راجگیر کی صحرا نوردی کے زمانہ میں دامن کوہ کے پاس ایک شخص کھانا کھا رہا تھا ۔ اس کے ملازمین مور چھل ہلا رہے تھے ۔ حضرت مخدوم الملک کی نظر پڑی تو اس کے کھانے کو مباح سمجھ کر اس سے اجازت لی اور اس کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ گئے ۔ اس کے ملازموں نے اس کو حضرت مخدوم الملک کے ساتھ کھانے پر ملامت کی ۔ مخدوم الملک فرماتے ہیں ، مجھ کو اس ملامت میں ایسا مزہ ملا ، میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور تین دن اور رات مجھ پر وجد طاری رہا ۔
اسی زمانہ میں ایک گئو سالہ کے پاس سے گزر ہوا ۔ ایک گائے بھلی معلوم ہوئی اس

کو دیکھنے لگے۔ کسی سبب سے وہ گر کر مر گئی۔ چرواہے نے بڑھ کر غصّہ میں حضرت مخدوم الملک کو ایک لاٹھی مار دی۔ فرماتے ہیں اس لاٹھی کی مار میں مجھے عجیب ذوق اور مزہ ملا۔ اسی زمانہ میں بعض ہندوؤں اور جوگیوں سے روحانی معرکے بھی ہوئے جنھوں نے مغلوب ہو کر حضرت مخدوم الملک کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

بہار شریف کی اقامت ـــــ جب انوار الٰہی سے دل روشن ہو گیا تو آبادی کی طرف رُخ فرمایا۔ بعض طالبانِ حق جنگل ہی میں آکر مستفید ہونے لگے تھے۔ جب لوگوں کا اشتیاق زیادہ بڑھ گیا تو جمعہ کی نماز کے لئے بہار شریف کی جامع مسجد میں تشریف لانے لگے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کے اصرار سے اس قصبہ میں سکونت اختیار کر لی، جہاں تقریباً ساٹھ سال تک اپنے سرچشمہ فیض سے عوام و خواص کو سیراب کرتے رہے۔

سلطان محمد تغلق نے جب حضرت مخدوم الملک کی درویشی اور بزرگی کی شہرت سنی تو مجدالملک مقطع بہار کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ حضرت مخدوم الملک کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرا دی جائے اور اس کے اخراجات کے لئے "پرگنہ راجگیر" ان کے حوالے کیا جائے۔ اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی دیا جائے۔ مجدالملک نے اس کی تعمیل کی اور حضرت مخدوم الملک کو خانقاہ کی تعمیر اور راجگیر کی جاگیر جبر و اکراہ کے ساتھ قبول کرنی پڑی۔ خانقاہ کی تعمیر کے بعد اس میں سلطان کا بھیجا ہوا مصلا جو بلغاری بچھایا گیا۔ اور اس پر حضرت مخدوم الملک کو جلوہ افروز کیا گیا۔ اس پر ارشاد فرمایا "میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں چہ جائیکہ مصلے کے لائق ہوں۔" اس موقع پر مجلس کے ایک درویش نے کہا "مخدوم! آپ کو خانقاہ اور مصلے کی وجہ سے کون جانتا ہے۔ ہم لوگ تو یہاں صرف آپ کی قوت باطنی کی وجہ سے آئے ہیں۔ یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہوگا اور قوت پکڑے گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس علاقے میں آپ ہی کے فیوض و برکات سے اسلام کی شمع ضو فگن رہی لیکن جاگیر کو حضرت مخدوم الملک اپنے لئے بار سمجھتے رہے۔ آخر اس کی گرانی برداشت نہ فرما سکے اور جب سلطان محمد تغلق نے وفات پائی اور فیروز شاہ تخت نشین ہوا، تو بہ نفسِ نفیس دہلی تشریف لے گئے۔ درباریوں کو خیال ہوا کہ شاید حضرت مخدوم الملک جاگیر

میں اضافہ چاہتے ہیں۔ فیروز شاہ کو جب اس کی خبر دی گئی تو اس نے کہا کہ اگر مخدوم الملک تمام اقطاع بہار مانگیں گے تو میں دوں گا۔ لیکن جب فیروز شاہ کے سامنے حضرت مخدوم الملک تشریف لے گئے تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ایک غرض کے لئے آیا ہوں اگر قبول فرمانے کا وعدہ ہو تو عرض کروں۔ سلطان نے بسر و چشم منظور کیا۔ حضرت مخدوم الملک نے جاگیر کی سند آستین سے نکال کر سلطان کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا، خدا کے لئے اس کو واپس لے لیجئے، یہ میرے کام کی نہیں۔ سلطان اور اس کے تمام امراء ششدر رہ گئے۔ سلطان نے پھر بھی کچھ خدمت کر کے سعادت حاصل کرنی چاہی اور اصرار کے ساتھ اخراجات کے لئے ایک بڑی رقم پیش کی۔ اس کو قبول تو فرما لیا لیکن شاہی دربار سے نکلتے ہی فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا اور درویشانہ استغناء کے ساتھ خالی ہاتھوں وطن کی طرف مراجعت کی۔ (مونس القلوب ص ۱۳۴)

رشد و ہدایت ـــــ خانقاہ کے گوشہ میں بیٹھ کر تقریر و تحریر کے ذریعہ رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رکھا جس کا کچھ مجموعہ ملفوظات اور مکتوبات کی شکل میں محفوظ ہے اور آج تک معدنِ فیوض اور مخزنِ برکات ہے۔ خانقاہ میں سالکانِ راہ طریقت کی مجلسیں برابر منعقد ہوتی تھیں۔ بعض اوقات علماء، فقہا، محدثین اور متکلمین بھی جمع ہوتے اور مختلف مسائل پر بحث و گفتگو اور ردّ و قدح بھی ہوتی۔ حضرت مخدوم ہر مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرماتے کہ سامعین اور حاضرین کو پوری تشفی ہو جاتی۔ معدن المعانی کے دیباچہ میں ہے :-

"ہر مجلس میں مریدوں، نیک بندوں اور سچی طلب رکھنے والوں کا مجمع ہوتا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے حال اور کام کے مطابق ایک سوال کرتا، جس کا تعلق طریقت، شریعت، حقیقت اور معرفت سے ہوتا۔ حضرت مخدوم ہر سوال کا شافی جواب دیتے۔ ان کا بیان دل پذیر اور ان کے اشارے کنائے بے نظیر ہوتے۔ ہر بیان میں سینکڑوں معانی، ہر اشارہ میں ہزاروں لطیفہ لا ریبی، ہر معانی میں بے انتہا مفہوم اور ہر لطیفہ میں لاتعداد ادراکات اور ہر مفہوم میں بے شمار حالات اور ہر ادراک میں بہت سے مقامات، اور ہر حال میں ناقابل بیان ذوق اور ہر مقام میں اتنی خبریں ہوتیں جن کی گنجائش دنیا میں نہیں"

مولانا مظفر بلخی شروع میں جب حضرت مخدوم الملک کی مجلس میں شریک ہوئے تو مختلف مسائل پر نہایت تیز اور تند لہجے میں مناظرے کرتے، مگر حضرت مخدوم الملک ٹھنڈے طریقے پر ان کی ہر بات کا جواب دیتے۔ یہاں تک کہ وہ حضرت مخدوم الملک کے ایسے گرویدہ اور شیفتہ ہوئے کہ زندگی بھر ادنیٰ غلام بنے رہے۔ حضرت مخدوم الملک کو بھی ان سے بڑی محبت ہو گئی تھی۔

مولانا زین بدر عربی کی ابتدائی زندگی رندی اور بادہ خواری میں گزری لیکن حضرت مخدوم الملک کی صحبت کیمیا اثر سے ان میں ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ وہ حضرت کے مقربین خاص میں ہو گئے اور ان کے بہت سے ملفوظات مرتب کئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کے تقریباً ایک لاکھ مرید تھے۔ ان میں جو مجلسوں میں شریک نہ ہو سکتے تھے ان کو مکتوبات کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی تھی۔ حضرت مخدوم الملک نے خواص و عوام دونوں کو سدھارنے کی کوشش فرمائی۔

سلطان وقت کو تلقین ——— سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں حضرت مخدوم الملک سے خواجہ عابد ظفر آبادی نے فریاد کی کہ ان کا مال ظلم و تعدی سے تلف کر دیا گیا ہے۔ حضرت نے سلطان فیروز شاہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور بہت ہی بلیغ پیرایہ اور عالمانہ انداز میں عدل و انصاف کی تلقین کی۔ سلطان کو اس سلسلہ میں جو مکتوب تحریر فرمایا وہ حسب ذیل ہے۔ شاید مرتب مکتوبات نے القاب حذف کر دیئے ہیں۔ پورا متن یہ ہے :-

"حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر صدیق رضؓ کے گھر میں مکہ میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا۔ پیغمبرؐ نے مجھ سے فرمایا، باہر جا کر دیکھو، جب میں باہر آیا تو ایک نصرانی کو کھڑا دیکھا۔ اس نے پوچھا، محمدؐ یہاں ہیں۔ میں نے کہا، ہاں! وہ گھر کے اندر آیا اور کہا، یا محمدؐ! تم کہتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔ مجھ کو اور لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہو۔ اگر تم رسول برحق ہو تو اس کو دیکھو کہ قوی ضعیف پر ظلم نہ کرے۔ پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا، تم پر کس نے ظلم کیا ہے۔ اس نے کہا ابوجہل نے میرا مال لے لیا ہے۔ یہ وقت آپؐ کے قیلولہ

کا تھا اور بڑی گرمی پڑ رہی تھی لیکن آپؐ اسی وقت روانہ ہوئے تاکہ مظلوم کی مدد فرمائیں۔ میں نے (یعنی حضرت بلالؓ نے) عرض کی، یا رسولؐ اللہ! قیلولہ کا وقت ہے۔ گرمی پڑ رہی ہے ابوجہل بھی قیلولہ کر رہا ہوگا، وہ برہم ہوگا۔ لیکن آپؐ نہ رُکے اور اسی طرح خشمگین ابوجہل کے دروازہ پر پہنچ کر اُس کو کھٹکھٹایا۔ ابوجہل کو غصہ آیا۔ اُس نے غصہ میں اپنے بتوں لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ جس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے اُس کو جا کر مار ڈالوں گا۔ باہر آیا تو دیکھا کہ حضرت رسالتمآبؐ کھڑے ہیں۔ بولا، کیسے آئے، کسی آدمی کو کیوں نہ بھیج دیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔ اس نصرانی کا مال تم نے کیوں لے لیا ہے۔ اس کا مال واپس کردو۔ ابوجہل نے کہا۔ اگر اسی کے لئے آئے ہو تو کسی آدمی کو کیوں نہ بھیج دیا، مال واپس کر دیتا۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، باتیں نہ بناؤ، اس کا مال واپس کردو۔ ابوجہل اس کا تمام مال باہر لایا اور اس کے حوالے کیا۔ نصرانی سے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، اب تو تمہارا مال تمہارے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے کہا لیکن ایک ادنیٰ تھیلا رہ گیا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، تھیلا بھی دو۔ ابوجہل نے کہا، اے محمدؐ! تم واپس جاؤ میں اس کو پہنچا دوں گا۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا، میں اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا جب تک کہ تم تھیلا بھی واپس نہ کروگے۔ ابوجہل گھر کے اندر گیا۔ اس کو وہ تھیلا نہ ملا لیکن اس سے بہتر تھیلا لایا اور بولا، وہ تو مجھ کو نہیں ملا مگر اس سے بہتر لایا ہوں اور یہی اس کے بدلہ میں دیتا ہوں۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، اے نصرانی! یہ تھیلا بہتر ہے یا وہ بہتر تھا اُس نے کہا، اے محمدؐ! یہ بہتر ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، اگر تم یہ کہتے کہ وہ بہتر تھا تو میں اُس وقت تک واپس نہ جاتا جب تک اس کی قیمت لے کر تمہارے حوالے نہ کرتا۔

ایک دوسری روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے، خدائے تعالیٰ قیامت کے روز پل صراط کو عبور کرنے میں اس کی مدد کرے گا اور بہشت میں جگہ دے گا۔ اور جو کوئی کسی مظلوم کو دیکھے اور وہ مظلوم اُس سے فریاد کرے، لیکن وہ فریاد نہیں سنتا، تو قبر کے اندر اُس کو آگ کے سو کوڑے مارے

جائیں گے۔

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے، اس کے لئے تہتر مغفرت لکھی جاتی ہے۔ ایک تو اس کو دنیا میں مل جاتی ہے، اس سے اس کا کام سیدھا ہوتا ہے اور بقیہ بہتر عقبیٰ میں ملتی ہے۔

حضرت انس رضؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ایک کاروان شہر سے باہر ٹھہرا۔ عمر رضؓ بن الخطاب نے عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف سے فرمایا، کاروان شہر سے باہر ٹھہرا ہے۔ چلو ہم اس کی پاسبانی کریں۔ ایسا نہ ہو کہ کاروان والے سو جائیں اور کوئی ان کا سامان اٹھالے جائے۔ چنانچہ وہ رات بھر پاسبانی کرتے رہے۔ حق تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے دوستوں کو یہ اوصاف عطا فرمائے تھے "رحماء بینھم" وہ تمام مسلمانوں پر مہربان تھے اور ان کے لئے غم کھاتے رہے۔

الحمد للہ کہ آپ (یعنی سلطان فیروز شاہ) کی ذات معظم و مکرم، مظلوموں اور درماندوں کی جائے پناہ ہے اور آپ کی بارگاہ کا عدل و انصاف دنیا میں ظاہر ہو چکا ہے اور انصاف کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔ ایک ساعت کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ عاقبت بخیر ہو"

امراء کو تلقین — مندرجہ بالا مکتوب کے بعد ہی ایک دوسرا مکتوب سلطان محمد تغلق کے داماد داؤد ملک کے نام بڑی تواضع اور خاکساری کے ساتھ لکھا ہے جس میں ان اوصاف کی عملی تعلیم بھی ہے اور وہ یہ ہے:۔

لاالٰہ الا ہو۔ شرف منیری جو کہ علماء کے آستانہ کا کتا ہے نہایت خجلت، شرمندگی اور معذرت کے ساتھ آستانہ صدر کی خدمت میں سلام و تحیت کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس سیاہ روگشتے کی ہستی کیا ہے جو صدر نے اس کی خدمات کا ذکر اس تواضع کے ساتھ کیا ہے البتہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک سے کہا گیا کہ تجھ میں ایک برائی ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ کہا گیا تو سب کو خوشبو دیتا ہے۔ جواب دیا میں یہ نہیں دیکھتا کہ کون خوشبو پاتا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔ یہی حال میرا ہے، میری کیا حیثیت کہ صدر میرے

معتقد ہوں اور مجھ کو ملک المشائخ قطب الاولیاء لکھیں۔ افسوس ہے کہ اس بدبخت کا کام خاکساری، انگو نساری، بت پرستی اور زنار داری میں اہل شقاوت و لعنت سے زیادہ نہیں بڑھا۔ پھر بھی اس بدبخت اور منافق کے متعلق لوگوں کا خیال اچھا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بزرگ نے ایک شخص کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد کسی کی زبان سے سنا کہ وہ شخص شہر میں نیک نام تھا۔ بزرگ نے کہا کہ اگر مجھ کو پہلے سے معلوم ہوتا تو میں اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھاتا۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ تو انہوں نے کہا کہ جب تک کوئی شخص منافق نہیں ہوتا لوگوں میں نیک نام نہیں ہوتا۔ اگر آپ کی تواضع میری شہرت کی وجہ سے ہے تو دنیا میں اس بدبخت سے زیادہ مشہور شیطان ہے۔ اے صدر بزرگوار! اسلام ایسا دین نہیں ہے جو ہر گندے اور ناپاک شخص کو اپنا جمال دکھائے۔ لا یمسه الا المطهرون (یعنی اس کو چھو نہیں سکتے مگر پاکیزہ لوگ) یہ آیت ایک دنیا کی حامل ہے۔ وما یومن اکثرهم باللّٰہ الا وھم مشرکون (ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے، مگر بحالت شرک) اس آیت نے ایک جہان کو توحید سے ہٹا دیا ہے۔ دین کا کام اتنا آسان نہیں جتنا لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔ جو لوگ کہ دین پناہ ہیں اور اس کی ہر چیز کی حقیقت سے آگاہ ہو گئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ خدایا! ہم کو عدم بنا دے جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بعض لوگ زنار باندھ کر آتش خانہ میں آتے ہیں اور علم و عقل کو ایک طرف رکھ کر کہتے ہیں۔

از علم نمی شنید لب بر بستم | از عقل نمی خرید دیوانہ شدم

(ترجمہ: وہ علم کی بات نہیں سنتا تھا لہذا میں نے زبان بند رکھی۔ اس نے عقل کی بات پسند نہیں کی لہذا میں دیوانہ بن بیٹھا۔)

اور جب موت کے دروازہ پر فکشفنا عنك غطائك (پس آج کے دن ہم نے تمہاری آنکھوں کا پردہ اٹھا لیا) کا کشف ہوتا ہے تو پھر پتہ چلتا ہے کہ کوئی دستار رکھتا تھا یا زنار، اخلاص یا نفاق، خانقاہ میں تھا یا بت خانہ میں۔ اس لئے کہا گیا ہے۔

سوف تری اذا انجلی الغبار | افرس تحتك ام حمار

یعنی جب غبار دور ہو گا تو تم دیکھو گے کہ تم گھوڑے پر سوار ہو یا گدھے پر۔ اسحاق

مکتوبات ص ۱۹۳)

حضرت مخدوم الملک نے ایک ملک زادہ کو نفس کے فریب کی جس طرح تعلیم دی اس کی تفصیل معدن المعانی (ص ۲۱۰) میں اس طرح درج ہے۔

"مبارک قصوری نے زمین بوس ہو کر کہنا شروع کیا کہ جب میں اپنے پیر کا مرید ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ اب تمہاری کیا خواہش ہے۔ تم ملک زادے ہو۔ تمہاری طبیعت چاکری کی طرف مائل ہے، یا خداوند تعالیٰ سے مشغولیت کی طرف۔ میں نے عرض کی اب تو میں آپ کی خدمت میں ہوں، جیسا فرمائیں ویسا عرض کروں۔ فرمایا کہ اس راہ میں سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ ہر چیز کو ترک کر دیا جائے۔ میں نے بھی اس کو قبول کر لیا اور میری طبیعت میں بھی یہی بات ہے۔ حضرت مخدوم نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا، اس میں شک نہیں کہ تمام چیزوں کو ترک کر دینا بہتر ہے اگر اس میں استقامت ہو۔ لیکن کچھ دنوں تمام چیزوں کو ترک کرنے اور ان سے باز رہنے کے بعد پھر ان کی طرف التفات ہو جائے تو پشیمانی ہوتی ہے اور اس قسم کے ترک سے کوئی فائدہ نہیں۔ ترک اسی وقت بہتر ہے کہ پھر ترک کی ہوئی چیزوں کی جانب التفات نہ ہو۔ ایسی حالت میں کام میں استقامت اور سچائی ہوتی ہے۔ تم ملک زادے ہو اپنے دوستوں کی مجلسوں میں بیٹھنے کے عادی ہو۔ ان کی صحبتوں میں جا کر تم میں پھر تبدیلی ہوئی تو ایسے ترک سے کیا فائدہ؟ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے تمام چیزوں کو ترک کر دیا۔ ہم زاہد اور عابد ہیں لیکن جب وقت آتا ہے تو جھوٹے ثابت ہوتے ہیں نفس کے ایسے بہت سے دھوکے ہیں۔ دعویٰ بغیر امتحان کے قابل اعتماد نہیں۔ مبارک نے عرض کی، حضرت مخدوم! میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہیں رہی ہے۔ حضرت نے فرمایا، یہ نفس کا فریب ہے۔ یہ اسی طرح دھوکا دیتا ہے۔ جس سے ایک شخص کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے تمام چیزوں کو ترک کر کے آخرت کی طرف رُخ کر لیا ہے لیکن جو نفس کے فریب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سچ ہے یا جھوٹ۔ نفس کی صفت کذب ہے اور دل کی صفت صدق۔ نفس جو کچھ کہتا ہے جھوٹ ہوتا ہے۔ دل جو کچھ کہتا ہے سچ ہوتا ہے۔ اب یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جو کام کیا جاتا ہے اگر اس کا فرمان دینے والا دل ہوتا ہے اور اعضا اسی کو عمل میں

لاتے ہیں جو دل کہتا ہے۔ اور چونکہ دل کی صفت صدق ہے تو عمل میں کذب کیوں پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دل اور عمل میں جو ہم آہنگی نہیں ہوتی اس کی وجہ نفس ہے۔ نفس دل پر قابو پالیتا ہے اور اس کی جگہ بیٹھ کر چوری کرتا ہے۔ پھر وہ جو کچھ کرتا ہے دل کی طرف منسوب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے دل اور عمل میں ہم آہنگی نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت سلیمان کے تخت پر ایک دیو بیٹھ گیا اور وہ جو حکم دیتا تھا لوگ اس کو بجا لاتے تھے۔ کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ دیو ہے یا حضرت سلیمانؑ۔ حالانکہ دیو حضرت سلیمانؑ کی جگہ فریب سے بیٹھا تھا۔ نفس کی صفت کا یہی حال ہے۔

اہل معرفت نفس کی تلبیس سے واقف رہتے ہیں۔ دوسروں کو اس سے واقفیت نہیں ہوتی۔ اگر نفس کو کسی چیز کی خواہش ہوئی اور اس کو نہ پایا تو کہتے ہیں کہ قبض ہے اور اگر پالیا اور خوشی ہوئی تو کہتے ہیں بسط حاصل ہوا۔ حالانکہ قبض و بسط دل کے احوال ہیں، جو نفس ہی کا نتیجہ ہے۔ مراد کے حاصل نہ ہونے سے رنج ہوتا ہے اور مراد کے پالینے سے نشاط طاری ہوتا ہے۔ اہل ترک و تجرید تمام چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کے سامنے جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کو خراب کر دیتے ہیں۔ اگر ان کا دل پھر ان چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا دل خراب ہو گیا۔ شیخ معزالدین نے پوچھا کہ نفس کی تلبیس ہر مقام پر ہوتی ہے؟ تو حضرت مخدوم نے فرمایا، جب تک نفس مغلوب نہ ہو جائے ہر مقام پر اس کا فریب جاری رہتا ہے۔ ارباب بصیرت نفس کی تلبیس سے کسی مقام پر غافل نہیں رہتے، خواہ نفس ان کا کتنا ہی مطیع اور فرماں بردار ہو گیا ہو۔

امرا میں قاضی شمس الدین جو سنے مخدوم الملک سے سب سے زیادہ استفادہ کیا۔ آپ کے مکتوب کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے، اس میں زیادہ تر قاضی شمس الدین ہی کے نام مکاتیب ہیں۔ ان میں عرفان و تصوف کا شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو گا جس کی وضاحت نہ کی گئی ہو۔ باطنی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ظاہری اخلاق کو بھی سنوارنے کی تلقین ہے۔ مثلاً پاکیزہ اخلاق کی تعلیم کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

برادرم شمس الدین! خداوند تعالیٰ کی اطاعت میں مستقل مزاج رہو۔ کاتب حروف کے

سلام و دعا کے بعد اے برادر! یہ ضروری ہے کہ تم اپنے اخلاق کی بری باتوں کو اچھی باتوں میں تبدیل کرنے میں روزانہ ہر ممکن کوشش کرو اور اس کو ایک اہم کام سمجھو۔ اس کام کو تم نے چھوڑ دیا یا اس سے غافل ہو گئے تو پھر بلائیں پیش آئیں گی۔ نعوذ باللہ منہا۔ اس دنیا کے جانوروں اور چوپایوں میں جو صفات ہیں ان میں سے ہر ایک صفت انسان میں بھی پائی جاتی ہے اور اس قسم کی جو صفت انسان میں غالب رہتی ہے وہی قیامت کے روز صورت بن کر ظاہر ہوتی ہے۔ (مکتوبات سرصدی ص ۳۰۲)

ایک مکتوب میں قاضی شمس الدین ہی کو تحریر فرماتے ہیں:

یہ ضروری ہے کہ کپڑا، جسم اور لقمہ پاک اور حلال ہو۔ حواس خمسہ بھی معصیت سے پاک ہوں، دل بھی اوصاف ذمیمہ یعنی بخل اور حسد وغیرہ سے پاک ہو۔ پہلے کی پاکی سے مرید راہ دین میں دو قدم آگے بڑھ جاتا ہے اور تیسرے کی (یعنی دل کی) پاکی حاصل ہوتی ہے تو مرید تین قدم آگے بڑھ جاتا ہے اور مرید پر توبہ کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور وہ حقیقتاً تائب ہوتا ہے۔

ایک مکتوب میں طمع و نفاق سے بچنے کی تلقین روحانی طریقہ سے فرماتے ہیں:۔

برادرم شمس الدین! معلوم ہو کہ نفاق سے ایک کام کرنا اور صدیقوں کے رتبہ کی طمع رکھنا دین داروں کی پہچان نہیں۔ تمہارا کوئی کام طمع سے خالی نہیں ہوتا۔ خالص نیت کا راز اظہار عبودیت میں ہے نہ کہ طمع میں۔ طمع اور چیز ہے، اظہار عبودیت اور چیز۔ یہ بات کچھ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتی ہے لیکن ہم تم ایسے ہیں کہ کچھ رشوت ہی لے کر خدا کی بندگی کرتے ہیں۔

سعادت و شقاوت کے متعلق رقمطراز ہیں:۔

برادرم شمس الدین! معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ کے دو خزانے ہیں۔ سعادت و شقاوت۔ ایک کی کنجی طاعت ہے اور دوسرے کی کنجی معصیت ہے جو کہ ازل سے السعید من سعد فی بطن امہ کے مصداق ہیں (یعنی سعید وہ ہیں جو ماں کے پیٹ ہی میں سعید ہوئے) ان کے ہاتھ میں سعادت کی کنجی یعنی طاعت دی گئی۔ اور جو ازل سے الشقی من شقی فی بطن امہ کے مصداق ہیں (یعنی شقی وہ ہیں جو ماں کے پیٹ ہی میں شقی ہوئے) ان کے ہاتھ میں شقاوت کی کنجی یعنی معصیت دی گئی۔ آج ہر شخص اپنے ہاتھوں میں دیکھ سکتا

ہے کہ کون سی کنجی اُس کے پاس ہے۔ اور یہ بات سنت الٰہی کے مطابق ہے۔ سعید وشقی کو علمائے آخرت دیکھتے ہیں نہ کہ علمائے دنیا۔ لیکن بندہ کی تمام عزت اور دولت اسی میں ہے کہ وہ طاعت وعبادت میں مشغول رہے۔ (مکتوبات سہ صدی ص۲۱۵)

معاملات کی تعلیم ــــــ برادرم شمس الدین! ہر وہ معاملہ جس کا جواز قرآن میں نہیں، بے جا ہے۔ ہر خواہش جو شریعت میں نہیں باطل ہے۔ ہر دلیل جو دین کی تائید میں لائی جائے لیکن دینی نہیں ہے، محض باطل ہے۔ اور ہر استعانت جو دین کی خاطر کی جائے لیکن دینی نہیں ہے مردود ہے۔ (ص ۲۵۵)

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔ امراء، ملوک، اصحاب منصب اور ارباب قدر و منزلت کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ وہ عاجزوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کریں۔ چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچنے کی راہیں تو بہت ہیں لیکن سب سے نزدیک راہ دلوں کو راحت پہنچانا ہے۔ ان بزرگ سے یہ کہا گیا کہ جس شہر کے وہ رہنے والے ہیں اس کا بادشاہ شب بیدار ہے، نفل نمازیں بہت پڑھتا ہے۔ نفل روزے بھی رکھتا ہے۔ فرمایا، بے چارے نے اپنے کام کو تو کھو دیا ہے۔ لیکن دوسروں کے کام میں لگا ہوا ہے۔ لوگوں نے بزرگ سے پوچھا کہ آخر اس بادشاہ کا اپنا کام کیا ہے، تو فرمایا، اس کا کام تو یہ ہے کہ طرح طرح کے کھانے پکوائے اور بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھلوائے ــــــ طرح طرح کے کپڑے سلوائے اور ننگوں کو پہنوائے۔ اُجڑے ہوئے دلوں کو آباد کرے حاجتمندوں کی دست گیری کرے۔ نفل نماز اور نفل روزے تو درویشوں کا کام ہے۔

دوسرے امراء جنہوں نے حضرت مخدوم الملک سے تعلیم و تربیت پائی۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

قاضی صدر الدین، ملک مفرح، ملک معز الدین، شمس الملک شمس الدین خوارزمی وغیرہ۔ ان امراء کے نام جو خطوط لکھے ہیں، ان میں کہیں درویشانہ عجز و انکسار ہے، کہیں عالمانہ وقار و سنجیدگی، کہیں بزرگانہ محبت و شفقت اور کہیں مرشدانہ زجر و توبیخ۔ یہ مکتوبات آج بھی

فیوض و برکات کے سر چشمے ہیں۔

درویشانہ زندگی ——— اربابِ حکومت اور اصحابِ دولت سے تعلقات کے باوجود حضرت مخدوم الملک کی زندگی میں درویشانہ شان ہمیشہ قائم رہی۔ مرشد کی ہدایت کے مطابق خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھچڑی تناول فرماتے۔ دن کے وقت گھر میں چولہا نہ جلتا۔ اپنی والدہ ماجدہ کو روزمرہ کے خرچ کے لئے ایک مقررہ رقم دیتے لیکن ان سے یہ شرط تھی کہ دن کے وقت گھر میں دھواں نہ ہو۔ ایک بار گھر میں کوئی عزیز مہمان آیا۔ والدہ ماجدہ نے مہمان کی خاطر مرغ اور روٹی پکانی شروع کی، جس کی خبر حضرت مخدوم الملک کو پہنچی ہوئی۔ گھر میں دھواں اٹھتے دیکھا تو خادم خاص کو بلا کر دریافت کیا۔ جب معلوم ہوا کہ مرغ اور روٹی پک رہی ہے تو والدہ ماجدہ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ میں نے اپنا منہ کالا کر کے آپ سے شرط کی تھی لیکن آپ اس کی پابند نہ ہو سکیں۔ ماں نے بیٹے کی خاطر ساری چیزیں مہمان کو دے دیں کہ کہیں اور جاکر پکوالو۔ ایک مرتبہ ایک شخص فالودہ لے آیا۔ حضرت نے اس کو سونگھ کر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ خیریت ہوئی اگر کھا لیتا تو اس فالودہ نے تو میرا کام ہی تمام کر دیا تھا۔ حضرت مخدوم الملک کا عمل اس اصول پر تھا کہ کھانا اس طرح کھایا جائے جس طرح دوا کھائی جاتی ہے۔ لباس میں بھی سادگی تھی۔ تہ بند، کرتہ اور چادر کے علاوہ عمامہ بھی سر مبارک پر باندھتے تھے۔ لباس کا رنگ عموماً صندلی ہوتا۔ لباس کے کچھ تبرکات خانقاہ شریف میں موجود ہیں۔

خشیتِ الٰہی و حبُّ اللہ ——— عذابِ الٰہی کے خوف سے ہمیشہ روتے رہتے لیکن اس خوف کے ساتھ حبُّ اللہ میں عجیب وارفتگی پیدا ہو گئی تھی۔ ایک بار ایک مرید مولانا نظام الدین نے اپنے وعظ میں یہ دو شعر پڑھے:۔

اے قوم بہ حج رفتہ کجائید کجائید — معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید
آنانکہ طلب گارِ خدائید خدائید — حاجت بطلب نیست شمائید شمائید

(ترجمہ: حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے کدھر بھٹک رہے ہو معشوق تو یہاں ہے بھٹک کہیں رہے ——— وہ جن کو خدا کی تلاش ہے (وہ معلوم نہیں)

کس کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ ڈھونڈنے اور تلاش کی ضرورت نہیں۔ آپ ہی تو ہیں، ہاں آپ خود۔)

حضرت مخدوم الملک بھی مجلس وعظ میں تشریف فرما تھے۔ شعر سُن کر ان پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ سر مبارک کو ستون سے اتنا ٹکرایا کہ مجروح ہو گیا۔

لیکن حُبِ اللہ میں اتباعِ سنت کا بھی ہر حال میں خیال رہتا تھا۔ فرماتے تھے کہ "با خدا دیوانہ باش و با شریعت ہوشیار۔ (اللہ میاں کے ساتھ بے شک دلاڈ میں) دیوانگی کی بات کرلے مگر دیکھنا شریعت کی پابندی میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہو۔)

خدمتِ خلق ـــــ حق تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر حق العباد ادا کرنے میں برابر کوشاں رہے۔ خلق اللہ کی خدمت کو بہت بڑی دولت تصوّر فرماتے تھے۔ ارشاد ہے کہ "مسلمانوں کا کام انجام دینا اور ان کے کام میں لگے رہنا بڑی دولت ہے۔ یہ کام پیغمبروں کا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے کام کیئے اور ان کی بلائیں اپنے سر لیتے رہے۔" ملک خضر کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "اس تاریک دنیا میں قلم، زبان، مال اور جاہ سے جہاں تک ممکن ہو محتاجوں کو راحت پہنچاؤ۔ صوم و صلوٰۃ و نوافل اپنی جگہ پر اچھی ضرور ہیں لیکن دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ سودمند نہیں"

حضرت کا عمل بھی اس پر رہا۔ بہار شریف میں صرف اسی لئے اقامت کی کہ خواص و عوام کے ظاہری و باطنی اخلاق کو سنواریں اور اس کے لئے درس و تدریس، پند و موعظت اور تقریر و تحریر وغیرہ تمام ذرائع اختیار فرمائے۔ خلق اللہ کی دل جوئی اور ان کے عیوب کی پردہ پوشی کا خیال ہر حال میں رکھتے۔ اگر نفل کا روزہ رکھے ہوتے اور کوئی مدعو کرتا تو فوراً افطار کر دیتے اور فرماتے کہ نفل روزہ کی قضا ہے لیکن شکستگیٔ دل کی قضا نہیں۔

ایک روز ایک شخص امامت کے لئے آگے بڑھا۔ لوگوں نے حضرت سے کہا، یہ شراب خور ہے۔ فرمایا، ہر وقت نہ پیتا ہو گا۔ لوگوں نے کہا ہر وقت پیتا ہے۔ فرمایا ماہ رمضان المبارک میں نہیں پیتا ہو گا اور اس کی اقتدا کر لی۔

عجز وانکسار ـــــ عالم تھے لیکن اپنے کو "سگِ گرگین آستانۂ علماء" سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے لیکن اپنے آپ کو مُدبِر (ذلیل) اور مخذول (بدبخت) وغیرہ لکھتے تھے۔ تمام معاصر مشائخ کو اپنے سے بلندتر اور بہتر تصور فرماتے۔ ایک بار حضرت سید جلال الدین بخاری کی خدمت میں ایک کفش بھیجی جس سے یہ مطلب تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں لیکن حضرت سید جلال الدین نے اس کے بدلے میں اپنی دستار بھیجی جس سے یہ مراد تھی کہ آپ میرے سر تاج ہیں۔

ذوقِ سماع ـــــ مرشد کی نصیحت تھی کہ سماع کے وقت باطنی احوال ظاہر نہ ہوں۔ اس لئے جب کبھی مجلس سماع ہوتی اور اس میں حضرت مخدوم الملک کو وجد آتا تو خلوت میں چلے جاتے اور دروازہ بند کر لیتے۔ وہاں کسی کو آنے کی اجازت نہ ہوتی۔ سماع کی حلت و حرمت پر معدن المعانی باب ہفتم (ص ۴۶۱) اور مکتوبات سہ صدی (مکتوب نو ص ۲۱۴) میں مستقل بحثیں ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سماع سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی تحریک ہو اور احوالِ شریف یعنی مکاشفات اور ملاطفات ظہور پذیر ہوں تو یہ حلال ہے اور اگر اس سے طبیعت فسق و فجور کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے۔ سماع حلال بھی، حرام بھی، مکروہ بھی، اور مباح بھی ہے۔ اگر سماع سننے سے دل صرف حق کی طرف مائل ہو تو یہ حلال ہے۔ اگر مجاز کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے۔ اور اگر کچھ حق اور کچھ غیر حق کی طرف متوجہ ہو تو یہ مکروہ ہے۔ اور حق اور مجاز دونوں کی طرف مائل ہو لیکن حق کی طرف زیادہ رجحان رکھے تو یہ مباح ہے۔ سماع اہل حق کے لئے مستحب، اہل زہد کے لئے مباح اور اہل نفس کے لئے مکروہ ہے۔ سماع اگر طلب منفعت کے لئے ہے تو یہ مذموم ہے۔ اور اگر طلب حقیقت کے لئے ہے تو یہ محمود ہے۔

مجلس سماع کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں۔ مکان، اخوان اور زمان۔ مکان یعنی جہاں مجلس سماع ہوتی ہو وہ مشائخ کی جگہ ہو اور پاکیزہ، کشادہ اور روشن ہو۔ اخوان یعنی مجلس سماع میں جو شریک ہوں وہ درویش یا درویش کے دوست ہوں۔ اہل تمیز، صحبت یافتہ، اور مرتاض ہوں۔ زمان یعنی سماع کے وقت دل تمام چیزوں سے خالی ہو۔ مجلس سماع

کے آداب کی پابندی بھی ضروری ہے۔ مثلاً شرکاء دو زانو بیٹھیں۔ سر کو آگے جھکائے رکھیں دائیں بائیں نہ دیکھیں، ہاتھ اور سر کو جنبش نہ دیں۔ پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں۔ آپس میں گفتگو نہ کریں۔ قوال کی خوش گوئی کی داد نہ دیں۔ اشعار کو بہتر طریقہ سے پڑھنے کی فرمائش نہ کریں۔ دل کو حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف مائل رکھیں۔ (مکتوبات سہ صدی ص ۲۷۰)

وصال ـــــ ۷۸۲ھ میں ۶ شوال شب پنجشنبہ کو بوقت نماز عشاء عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ اس روز صبح کی نماز ہی کے وقت سے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی تھی۔ مریدوں کو پاس بلاتے کسی کو گلے لگاتے، کسی سے مصافحہ کرتے، کسی کی داڑھی کو بوسہ دیتے، کسی کو آغوش میں لیتے، کسی کو دعائیں دیتے، کسی کو خاص وصیتیں کرتے۔ بار بار کلام پاک کی آیتیں اور کلمے پڑھتے۔ مغرب کے وقت وضو کر کے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے رہے۔ پھر مناجات کی دعائیں پڑھیں۔ آخر میں امت محمدی کے لئے دعا کر رہے تھے کہ لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ (برائے تفصیل راحت القلوب وفات نامہ حضرت مخدوم الملک مطبع مفید عام آگرہ دیکھئے) "تاریخ وصال" "پر شرف" (۷۸۲ھ) ہے۔ وصیت کی تھی کہ جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارک مملکت ہو اور حافظ قرأت سبعہ ہو۔ جنازہ رکھا ہوا تھا کہ عین اس وقت حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کا ورود ہوا۔ یہ تینوں شرطیں ان میں موجود تھیں۔ اس لئے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت انہی کے حصہ میں آئی۔ مزار پُر انوار بہار شریف میں مرجع خلائق ہے۔

صوفیائے کرام میں مخدوم الملک، مخدوم عالم، سلطان العاشقین، سید المتکلمین، برہان المحققین الصالحین، تاج الاولیاء، سراج الاولیاء اور یکتائے روزگار کے القاب سے مشہور رہیں۔

تصانیف ـــــ حضرت مخدوم الملک کے خاندان والے ان کی تصانیف کی تعداد سترہ سو بتاتے ہیں لیکن ہم کو صرف حسب ذیل کتابوں کا پتہ چل سکا ہے۔

۱۔ مکتوبات صدی ۲۔ مکتوبات دو صدی ۳۔ مکتوبات بست و ہشت ۴۔ معدن المعانی

۵۔مخ المعانی ۶۔راحت القلوب ۷۔خوان پرنعمت ۸۔کنز المعانی ۹۔مغز المعانی ۱۰۔ گنج لایفنی ۱۱۔مونس المریدین ۱۲۔تحفۂ غیبی ۱۳۔ملفوظ الصفر ۱۴۔برات المحققین ۱۵۔فوائد رکنی ۱۶۔شرح آداب المریدین ۱۷۔عقائد شرفی ۱۸۔ارشاد السالکین۔ ۱۹۔ارشاد الطالبین ۲۰۔اجوبہ ۲۱۔اوراد خورد ۲۲۔اوراد اوسط ۲۳۔فوائد المریدین۔ ۲۴۔اجوبہ زاہدیہ ۲۵۔رسالہ اشارات ۲۶۔رسالہ مکیہ ۲۷۔اوراد کلاں۔

مکتوبات صدی۔ یہ حضرت مخدوم الملک کے مرید قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام ہیں۔ قاضی شمس الدین اپنے فرائض منصبی کی مشغولیت کے باعث حضرت مخدوم الملک کی خدمت میں حاضر ہونے سے معذور تھے۔ اس لئے ان کی تعلیم مکتوبات کے ذریعہ ہوتی تھی۔ حضرت مخدوم الملک ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ وصال کے وقت ان کو اپنے پاس بلاکر فرمایا "قاضی شمس الدین کو کیا کہوں۔ قاضی شمس الدین میرے فرزند ہیں متعدد بار میں نے کبھی ان کو "فرزند" اور کبھی "برادر" لکھا ہے۔ ان ہی کی وجہ سے میرا علم درویشی ظاہر ہوا۔ ان ہی کے لئے مجھ کو کہنا اور لکھنا پڑا، ورنہ کون لکھتا"۔ مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر مگر محققانہ مباحث ہیں۔ یہ مکتوبات ۷۴۷ھ میں لکھے گئے۔ ان کو حضرت مخدوم الملک کے کاتب مولانا زین بدر عربی نے جمع کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ مکتوبات صدی کے نسخے چھپ گئے ہیں۔ ایک نسخہ مطبع نولکشور میں چھپا ہے جو بے حد غلط ہے۔ ایک اور نسخہ مطبع علوی میں چھپا ہے۔

مکتوبات دو صدی۔ اس میں عام طور سے ۱۵۱ مکتوبات پائے جاتے ہیں۔ اس کو مولانا زین بدر عربی نے بائیس سال کے بعد ۷۶۹ھ میں ترتیب دیا تھا۔ مگر خدا بخش خان لائبریری کے مخطوطہ میں مرتب کا نام محمد بن محمد بن عیسیٰ البلخی المدعو بہ اشرف بن رکن ہے۔ یہ مکتوبات بھی چھپ گئے ہیں۔ ایک نسخہ سہ صدی مکتوبات کے نام سے کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور سے بھی شائع ہوا ہے جس میں مذکورہ بالا تین سو مکتوبات ایک ہی ساتھ ہیں۔ یہ مکتوبات کسی ایک شخص کے نام نہیں ہیں۔ بلکہ اس زمانہ میں حضرت مخدوم الملک نے مختلف مریدوں کے نام جو خطوط لکھے ہیں، ان ہی کا مجموعہ ہے۔ اس لئے بعض مباحث میں توارد اور تکرار پیدا

ہوگیا ہے۔

انڈیا آفس میں حضرت مخدوم کے مکتوبات کا ایک اور مجموعہ ہے جس میں ۱۲۵ مکتوبات ہیں۔ اس میں بھی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کے نام خطوط ہیں۔ ان دونوں کو حضرت مخدوم الملک فرزند کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں۔ جس سے انڈیا آفس کیٹلاگ کے مرتب کو دھوکا ہوا ہے کہ دونوں حضرت مخدوم الملک کے صاحبزادے تھے۔

مکتوبات بست و ہشت مولانا امام مظفر قدس سرہٗ کے نام ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک نے ان کے نام دو سو سے زیادہ خطوط لکھے تھے مگر ان کو وہ (امام مظفر) عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ یہ خطوط ان کے ساتھ قبر میں دفن کر دیئے جائیں مگر اتفاق سے یہ اٹھائیس خطوط کہیں پڑے رہ گئے جو رفتہ رفتہ بالکل عام ہو گئے اور اب کتاب کی صورت میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔

معدن المعانی مرتبہ مولانا زین بدر عربی دو جلدوں میں ۷۴۹ھ سے ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس میں نہ صرف خالص صوفیانہ نکات ہیں بلکہ مذہب، حدیث اور علم کلام پر بھی مباحث ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی خانقاہ کی مجلسوں میں نہ صرف تصوف کے عقدہائے لاینحل حل کیئے جاتے تھے بلکہ وعظ و نصیحت، رشد و ہدایت، اوامر و نواہی، اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی جاری تھی۔ ان ہی تعلیمات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت مذہب اور تصوف دو الگ چیزیں نہ تھیں بلکہ دونوں ایک ہی شمع کے دو پرتو تھے۔

خوان پُر نعمت کو معدن المعانی کی تیسری جلد سمجھنا چاہیئے۔ اس میں زیادہ تر تصوف کے جزوی نکات اور فقہی و شرعی مسائل ہیں۔

مخ المعانی کو شیخ شہاب الدین عماد نے مرتب کیا۔ اس میں مختلف مسائل مثلاً ماہ رجب کے روزے کی فضیلت، توبہ، لیلۃ الرغائب، تلاوت کلام پاک، ادعیہ، کھانے کے آداب، شہیدوں کا مرتبہ، شب معراج، علم کسبی و غیر کسبی، شب برأت، نماز تراویح،

مردِ کامل، تعبیرِ خواب، توبۂ موسیٰ، تصفیہ و تزکیۂ باطن، صلابت، امیر المومنین حضرت عمرؓ، جوعِ صادق، دقوف، رجوع، فکر، کدورت ہائے بشر وغیرہ پر ارشادات گرامی ہیں۔ اس میں کل ۱۵ مجلسوں کے ملفوظات ہیں۔

راحت القلوب مرتبہ مولانا زین بدر عربی میں دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں۔ یہ چھوٹا سا رسالہ ہے۔ جس کی ضخامت بیس صفحات کی ہے۔ (مطبوعہ مفید عام پریس۔ آگرہ) اس میں رضائے حق، مبدء و معاد، خواجہ اویس قرنی، سجدہ آدم صفی اللہ، تعظیم تلاوت کلام پاک، نماز جمعہ کی فضیلت، روزہ عاشورہ پر مباحث کے علاوہ کلام پاک کی بعض آیتوں کی تفسیر بھی ہے۔

فوائد رکنی چوالیس صفحے کا رسالہ ہے۔ جس میں حضرت مخدوم الملک نے اپنے ایک مرید رکن الدین کو حج کعبہ کے وقت سفر و حضر میں مطالعہ کے لئے ہدائتیں دی تھیں۔

ارشاد الطالبین سولہ صفحے کا مختصر رسالہ ہے۔ جس میں حضرت مخدوم الملک نے بتایا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں ایک ہی نور کی مختلف صورتیں ہیں۔ نور عالم لاہوت سے جبروت میں آیا تو رُوح ہوا۔ اور جبروت سے ملکوت میں منتقل ہوا تو قالب کہلایا اور ملکوت سے ناسوت میں پہنچا تو جسم کے نام سے موسوم ہوا۔ اسی طرح نور عالم کثیف میں آیا تو نار ہوئی۔ نار کثیف ہو کر باد ہوئی اور باد کثیف ہو کر آب ہوئی۔ آب کثیف ہو کر خاک ہوا۔ پس کائنات کی سب چیزیں ایک ہی چیز کی مختلف صورتیں ہیں۔

رسالہ مکیہ و ذکر فردوسیہ سات صفحے کا ایک قلمی رسالہ ہے جس میں اذکار کے اقسام اور طریقے بتائے گئے ہیں۔

شرح آداب المریدین، حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردی کی مشہور عربی تصنیف آداب المریدین کی شرح ہے۔

فوائد المریدین ایک مختصر رسالہ ہے جس میں مریدوں کے لئے کلمہ طیبہ کی فضیلت، نماز با جماعت کی برکت، بعض آیتوں کے فیوض، گورستان، منکر نکیر، بہشت، دوزخ، قیامت، ایمان، حقوق الوالدین، حقوق ہمسایہ، حقوق زوجین کے لئے کچھ ہدائتیں ہیں۔

یہ بظاہر مذہب و اخلاق پر ایک رسالہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ کا تصوف مذہب و اخلاق سے الگ نہ تھا بلکہ ایک صوفی اپنی روحانیت کے ساتھ اخلاق و مذہب کا بھی اعلیٰ نمونہ ہوتا تھا۔

اجوبہ، سوالات و جوابات کا ایک مجموعہ ہے۔ زاہد بن محمد بن نظام اور دوسرے معتقدین حضرت مخدوم الملک سے وقتاً فوقتاً سوالات کیا کرتے تھے۔ ان جوابات کو اس رسالہ میں جمع کیا گیا ہے۔ تصوّف کے بہت سے مسائل اس رسالہ میں پائے جاتے ہیں۔

لطائف المعانی، معدن المعانی کا خلاصہ ہے۔

کنز المعانی، مغز المعانی، گنج لایفنی، مونس المریدین، تحفۂ غیبی، ملفوظ الصفر اور براۃ المحققین غیر مطبوعہ ہیں۔ میری نظر سے نہیں گزریں۔

تعلیمات — سہ صدی مکتوبات کا جو مجموعہ لاہور سے شائع ہوا ہے، اس کے پہلے مکتوب میں توحید پر بحث ہے۔ حضرت مخدوم الملک فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجے ہیں۔ ۱۔ زبان سے لا الہ الا اللہ کہنا مگر دل سے اس کا انکار کرنا یہ منافقت ہے۔ ۲۔ دل سے لا الہ الا اللہ کہنا اور اعتقاد بھی رکھنا جیسا کہ عام مسلمان رکھتے ہیں۔ ان مسلمانوں میں بعض اللہ کی وحدانیت پر سینکڑوں دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں، ان کو متکلمین اور علمائے ظواہر کہا جاتا ہے۔ ۳۔ مجاہدہ اور ریاضت سے مشاہدہ کرنا کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے۔ یہ توحید عارفانہ ہے جس کو "مقام ہمہ از اوست" کہتے ہیں۔ ۴۔ مجاہدہ اور ریاضت کی کثرت سے سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ عالم جو آئینۂ حیرت ہے اس کو نظر نہیں آتا ہے۔ ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا۔ اس پر فنائیت طاری رہتی ہے۔ اس کو فنا فی التوحید (یعنی ہمہ اوست) کہتے ہیں۔ فنا فی التوحید کے بعد بھی ایک مرتبہ ہے جس کا نام "الفناء عن الفناء" ہے۔ اس مرتبہ میں سالک کو کمال استغراق میں اپنی فنائیت کی بھی خبر نہیں ہوتی اور وہ خدا کے جلال اور جمال میں کوئی فرق اور تمیز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ تمیز باقی رہ جاتی ہے

توبہ تفرقہ کی دلیل ہے۔ عین الجمع اور جمع الجمع کا مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک اپنے کو اور کل کائنات کو خدا کے دریائے نور میں غرق کردیتا ہے اور اس کو خبر نہیں ہوتی کہ کون اور کیا غرق ہوا۔

تو درو گم شو کہ توحید این بود گم شدن گم کن کہ تفریق این بود

(ترجمہ: تم اس میں خود کو گم کرو کہ اسی کا نام توحید ہے۔کھو جانے کو بھی ترک کردو کہ ایسا کرنا بھی دوری کا پتہ دیتا ہے۔)

اس مقام تفرید میں پہنچ کر سالک کو وحدت الوجود کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور وہ ایسا محو ہوجاتا ہے کہ اس کو اسم و رسم، وجود و عدم، عبارت و اشارات، عرش و فرش اور اثر و خبر سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی۔ اس مقام کے سوا کہیں اور جلوہ گر نہیں ہوتا۔ یہاں کے سوا اس کا نشان کہیں اور ظاہر نہیں ہوتا۔

اس جگہ حضرت مخدوم الملک نے بطور انتباہ لکھا ہے کہ توحید وجودی علم کے درجہ میں ہو یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ میں ہو، ہر درجہ میں بندہ بندہ ہے، خدا خدا ہے۔ اس لئے انا الحق، سبحانی یا اعظم شانی (میں خدا ہوں، میں پاک ہوں اور میری شان کس قدر بڑی ہے) وغیرہ کلمات کہنا کلمات کفر ہیں۔

فنا فی التوحید کے سلسلہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سالک اپنی فنائیت، محویت اور استغراق میں آخر کیا دیکھتا ہے، کیا محسوس کرتا ہے، کیا لطف اٹھاتا ہے۔

وہ دل میں نور دیکھتا ہے اور ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے جو اس کو پہلے معلوم نہ تھیں وہ خدا کی تجلی کا مشاہدہ کرتا ہے اور خدا سے وصل کا لطف اٹھاتا ہے۔

یہ نور، ادراک، تجلی اور وصل کیا ہے؟

سالک کے دل سے صفات بشریت کی سیاہیاں اور تاریکیاں دور ہو کر اس میں جو صفائی پیدا ہوتی ہے اس کا نام نور ہے۔ صفائی میں جتنا زیادہ کمال ہوگا اتنا ہی دل کا نور زیادہ درخشاں اور تاباں ہوگا۔ اس درخشانی اور تابانی میں دل کے اندر ایک خاص قسم کی لذت، کیفیت اور ذوق محسوس ہوتا ہے جس کو تحریر میں لانا مشکل ہے۔ اسی لذت

کیفیت اور ذوق کو خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات کا نور کہتے ہیں۔
سالک کا دل اس نورِ خداوندی سے منور ہو جاتا ہے تو اس کو کشف یعنی ادراک حاصل ہوتا ہے۔ پہلے معقولات کے اسرار و رموز سے واقف ہوتا ہے جس کو کشف نظری کہتے ہیں۔ کشف نظری سے گزر کر سالک کو کشف دلی حاصل ہوتا ہے جس کو کشف شہودی بھی کہتے ہیں۔ اس میں مختلف قسم کے انوار کشف ہوتے ہیں۔ اس کشف کے بعد سالک کو کشف الہامی ہوتا ہے۔ جب کہ وہ تخلیق عالم کے اسرار اور اس کی ہر چیز کے وجود کی حکمت سے واقف ہو جاتا ہے۔
کشف الہامی کے بعد کشفِ روحانی پیدا ہوتا ہے، جب کہ اس کی نظروں سے زمان و مکان کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔ ازل اور ابد کا دائرہ اس کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ بہشت، دوزخ اور ملائکہ کو دیکھ سکتا ہے۔ ملائکہ کی باتوں کو سن بھی سکتا ہے۔ ماضی حال اور مستقبل کے واقعات سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ اسی مقام میں اس سے کرامت بھی صادر ہو سکتی ہے۔ مثلاً وہ پانی یا آگ پر چل سکتا ہے۔ ہوا میں اڑ سکتا ہے۔ ایک لمحہ میں دوری اور مسافت کو طے کر سکتا ہے۔ مگر کرامت کوئی قابل اعتماد چیز نہیں۔ اس کا اظہار جائز نہیں، بلکہ اس کو پوشیدہ رکھنا فرض ہے کیونکہ اظہار سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔
کشفِ روحی سے کشفِ خفی پیدا ہوتا ہے۔ کشفِ خفی صفاتِ خداوندی کا واسطہ ہوتا ہے یعنی صفاتِ خداوندی کا عکس روح پر پڑتا ہے۔ اس لئے اس کو کشف صفاتی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ مکاشفاتِ خفی میں سالک کو سمعی صفت کا کشف ہوگا۔ تو اس پر خدا کا کلام ظاہر ہوگا۔ اگر بصری صفت کا کشف ہو تو اس کو مشاہدہ حق حاصل ہوگا۔ اور صفت جمال مکشوف ہو تو اس کو ذوقِ مشاہدہ نصیب ہوگا۔ اگر جلال کی صفت ظاہر ہوئی تو حقیقی فنا ظاہر ہوگی اور اگر صفت قیومی کا کشف ہوا تو حقیقی بقا نصیب ہوگی۔
جب سالک کا دل آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے تو نور تجلی کی شان میں ظاہر ہوتا ہے۔ تجلی کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ تجلی روحانی ۲۔ تجلی ربانی۔ تجلی روحانی میں صفاتِ بشری

زائل تو ہو جاتے ہیں لیکن بالکل فنا نہیں ہوتے۔ اس میں شک و شبہ باقی رہتا ہے جس سے بعض اوقات غرور، پندار، عجب و خودی بڑھ جاتی ہے۔ مگر تجلّی ربّانی میں ہستی نیستی میں بدل جاتی ہے اور خداوند تعالیٰ جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے اپنی تجلّی سے سالک کو سرفراز کرتا ہے۔ مثلاً سالک حیات کی صفت میں تجلی سے متصف ہوتا ہے تو وہ حضرت خضرؑ و حضرت الیاسؑ کی طرح حیاتِ جاودانی پاتا ہے اور اگر کلام کی صفت میں تجلّی ہوتی ہے، تو وہ حضرت موسیٰؑ کی طرح خدا سے متکلم ہوتا ہے اور اگر اخلاقی صفت میں تجلی پاتا ہے، تو اس میں وہ بات پیدا ہو گی جو حضرت عیسیٰؑ میں تھی۔

حق تعالیٰ سے وصل کے معنی اس سے ملنا اور پیوستہ ہونا ہے۔ مگر یہ ملنا ایسا نہیں ہے جیسا کہ جسم کا جسم سے یا عرض کا عرض سے یا جوہر کا جوہر سے یا علم کا معلوم سے یا عقل کا معقول سے یا شئے کا شئے سے ہے۔ بلکہ اس سے مراد دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے انقطاع اور دوری ہوتی ہے۔ جس قدر غیر حق سے فراغت ہو گی اسی قدر حق تعالیٰ کا تقرب ہو گا اور حق تعالیٰ سے جس قدر دوری ہو گی اتنا ہی اس سے انفصال اور بُعد ہو گا۔

حضرت مخدوم الملک نے ان تمام ذرائع پر بھی بحث کی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا نور، تجلّی اور وصل حاصل ہوتا ہے۔ ہم ان ذرائع کو سہولت کے لئے حسب ذیل طریقہ سے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ توبہ ۲۔ صدق ایمان ۳۔ معرفت ۴۔ تقویٰ ۵۔ مجاہدہ و ریاضت نفس ۶۔ ترک دنیا

توبہ ـــــ توبہ کے تین مراتب ہیں۔ ۱۔ عوام کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں۔ خدا سے نافرمانی کرتے ہیں۔ اس لئے گناہوں کے عذاب سے بچنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ ۲۔ خاص لوگوں کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر ان کو نعمتیں عطا ہوئیں اس اعتبار سے ان سے خدمت کا حق ادا نہ ہو سکا۔ ۳۔ خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے کو عاجز و نیست کیوں نہ خیال کیا۔ تو ی اور موجود تو صرف خداوند تعالیٰ ہی ہے۔

انسان کی ہلاکت، گناہ سے زیادہ توبہ اور استغفار کے ترک سے ہوتی ہے۔

ایمان ـــــ ایمان کی سچائی خدا کو بڑا سمجھنے میں ہے اور خدا کی بڑائی کے احساس سے خدا سے شرم پیدا ہوتی ہے۔ اس شرم سے باطن اور ظاہر کی تعظیم پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد سالک کا شاہد خدا ہو جاتا ہے اور وہ اس کو مختلف صورتوں میں مشاہدہ کرتا ہے جن کے اثرات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ خدا کے غفار کے کمال کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے دل سے ساری طمع جاتی رہتی ہے۔ خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے تو پھر اس کے سوا کسی اور سے اس کو انس پیدا نہیں ہوتا۔ وہ خدا کے فضل کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنے افعال اور احوال سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ خدا کے کرم کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کو خدا سے ایسا انبساط حاصل ہوتا ہے کہ کون و مکان اسی کے حاجت مند ہو جاتے ہیں خدا کے قہر کا مشاہدہ کرتا ہے تو پھر اس کو اپنے کسی فعل پر اعتماد نہیں رہتا اور اگر خدا کے جلال کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس پر خدا کا خوف ایسا طاری ہوتا ہے کہ اس کو کبھی آرام نہیں ملتا۔

معرفت ـــــ ان ہی مشاہدات کے بعد سالک کو معرفت حاصل ہوتی ہے، جس کے بعد وہ جملہ کائنات کو مقہور اور عاجز تصور کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کو تمام چیزوں پر محیط سمجھتا ہے۔ یہ درجہ عقل اور نہ صرف علم سے بلکہ خدا کی ہدایت سے حاصل ہوتا ہے۔ خدا کی ہدایت طلب حق سے پیدا ہوتی ہے۔ طلب حق میں معرفت نفس ضروری ہے۔ کبر، بخل، حسد اور خشم کو مغلوب اور مقہور کر کے تمام خواہشوں اور لذتوں سے پاک ہو جانا معرفت نفس ہے۔

تقویٰ ـــــ یہ پاکی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ تقویٰ سے مراد ان تمام چیزوں سے پرہیز ہے جن سے دین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔ یہ نقصان دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ حرام چیزوں اور معصیت کی طرف مائل ہونے یا حلال چیزوں کی طرف زیادتی کے ساتھ رغبت رکھنے سے۔

مجاہدہ نفس و ریاضت ـــــ اس میلان اور رغبت کی زیادتی کو کچلنے کے لئے حضرت

مخدوم الملک نے مجاہدہ نفس پر زور دیا ہے۔ مجاہدہ تو ھوالغزاء عن النفس الشیطان (ارشاد الطالبین) مجاہدہ نفس میں اولین درجہ گرسنگی کا ہے۔ شکم تمام گناہوں کا منبع و معدن ہے شکم کی سیری ہی سے انسانی شہوت پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے گرسنگی آگ ہے اور انسانی شہوت ایندھن۔ انسانی شہوت گرسنگی سے ہی جل کر خاک سیاہ ہو جاتی ہے (مخ المعانی) چنانچہ جس شب کو درویش فاقہ کرتا ہے وہ گویا اس کی شب معراج ہے۔ گرسنگی سے اس کا ذہن تیز اور فہم صاف ہوتا ہے اور اسی سے اس کو اپنی ذات سے بیزاری پیدا ہوتی ہے۔ جو خدائے عزّوجل سے آشنائی کا اولین درجہ ہے۔

جب اپنی ذات سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے تو سالک کے پاس جو چیز ہوتی ہے اس کو اپنے سے علیحدہ کر دیتا ہے اور جو چیز اس کے پاس نہیں ہوتی اس کی طلب نہیں کرتا اسی کا نام ترکِ دنیا ہے۔

ترک دنیا کا انحصار زہد پر ہے۔ زہد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جس پر بندہ کا مقدور ہے۔ دوسرے وہ جس پر بندہ کا مقدور نہیں۔ اول الذکر زہد تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ ا۔ اس چیز کی طلب نہ کرنا جو نہ ہو۔ ۲۔ اس چیز کو دور کرنا جو ہو۔ ۳۔ باطن میں دنیا کی تمام چیزوں کی خواہش ترک کر دینا۔ موخرالذکر زہد سے دنیا کی طرف سے دل سرد ہو جاتا ہے، جو اول الذکر زہد پر پابند ہونے سے خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ (مکتوبات سہ صدی ص ۲۱۲)

ترکِ دنیا کے سلسلہ میں حضرت مخدوم الملک نے جا بجا اور لمبی بحث کی ہے۔ ان کے نزدیک دنیا کی چیزوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو صورت اور معنی میں دنیا کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ یہ معصیت کا سرمایہ ہیں جو ہرگز خدا کے لئے نہیں ہو سکتی ہیں۔ دوسری وہ جو صورت اور معنی میں خدا کے لئے ہوں لیکن ان سے دنیا کا کام لیا جاتا ہو۔ مثلاً فکر، ذکر، مخالفت، شہوت۔ فکر کر کے کوئی دنیاوی جاہ و مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہو یا ذکر کر کے دنیا کے لوگوں کی نظروں میں پارسا بننا چاہتا ہو۔ یا مخالفتِ شہوت سے اپنے کو زاہد دکھانا چاہتا ہو، تو یہ بے حد مذموم ہے۔ تیسری وہ جو ظاہر میں دنیا کی چیزیں ہوں لیکن باطن میں خدا کے لئے ہوں۔ مثلاً کوئی اس لئے کھاتا، پیتا اور سوتا ہو کہ خدا کی

عبادت کے لئے اس کی جسمانی قوت برقرار رہے۔ یا کوئی مال اس لئے طلب کرتا ہو کہ وہ خلق سے بے نیاز ہو تو قیامت کے روز اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا نظر آئے گا۔

ترک دنیا کے سلسلہ میں ترک خلق اللہ کی بھی بحث آتی ہے۔ حضرت مخدوم الملک کا خیال ہے کہ طالب حق حتی الوسع دنیا کے لوگوں کی صحبت سے گریز کرے۔ وہ دنیا کے لوگوں میں صرف جمعہ کی نماز یا نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے آئے۔ اگر اس سے بھی اس کو حق کی راہ میں خلل پیدا ہو تو وہ کسی پہاڑ یا جنگل میں چلا جائے جہاں یہ چیزیں اس کے لئے فرض باقی نہ رہتی ہوں۔ مگر طالبان حق میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کے رشد و ہدایت پند و نصیحت اور علمی رموز و نکات کے لئے دنیا کے لوگ محتاج ہو رہے ہوں تو اس کے لئے عزلت نشینی کار ثواب نہیں۔ ایسی حالت میں وہ لوگوں کے درمیان رہ کر ان سے الگ رہے یعنی ان کی مدح و ذم سے بیگانہ رہے اور اپنی مضرت و منفعت کو ان کے معیار کے مطابق نہ سمجھے۔ (معدن المعانی ص ۲۲۲)

ترک دنیا اور ترکِ خلق اللہ کے بعد ایک سالک کی مشغولیت کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی مصروفیتیں کیا ہوں۔ حضرت مخدوم الملک کے نزدیک ایک سالک کے اشغال کی ترتیب یہ ہونی چاہئے۔ وہ نماز پڑھے۔ اگر نماز سے ملول ہو جائے تو تلاوتِ کلامِ پاک کرے۔ اگر اس سے بھی ملول ہو جائے تو ذکر کرے، اگر اس سے بھی ملول ہو جائے تو فکر کرے۔

ذکر سے مراد خداوند تعالیٰ کی یاد ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں ۱۔ زبان پر ہو لیکن دل میں نہ ہو۔ ۲۔ زبان اور دل دونوں میں ہو مگر دل کسی وقت اس سے غافل ہو جاتا ہو لیکن زبان پر جاری ہو۔ ۳۔ زبان اور دل میں برابر ہو۔ ۴۔ دل میں ہو اور زبان خاموش ہو۔

اصل ذاکر وہ ہے کہ اس کی زبان ذکر میں مشغول ہو۔ دل خدا کی طلب میں ہو۔ روح خدا کی تجلیات کو دیکھتی ہو اور اس کا سارا اندرونی راز مذکور کے ساتھ مدغم ہو جاتا ہو تا کہ وہ کل "منظورات" کو سُن سکے اور اس کا ہر بال اور رواں زبان ہو جائے۔ اس کے بعد ذاکر فنا فی اللہ ہوتا ہے اور اس کو اپنی ذات کا مطلق احساس نہیں ہوتا۔ وہ اپنے کو محض خداوند تعالیٰ کا

مرزوق منظور، مامور اور مخلوق سمجھتا ہے اور اپنے حزن و مسرت، مرض و صحت اور تنگی و فراخی کو احکم الحاکمین کی محض مشیت تصور کرتا ہے اور نہ صرف صابر، شاکر اور قانع بلکہ مسرور رہتا ہے اور اس کے احوال، اقوال اور افعال میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔ اس طرح وہ غیر اللہ سے منقطع ہو کر مقام الا اللہ کو پہنچ جاتا ہے اور خدا کے جلال اور جمال کو اپنے دل کے اندر محسوس کرتا ہے۔ اور اس کی ذات کو اپنی ذات میں دیکھتا ہے۔ اسی کے بعد اس پر ارادت غیبی مکشوف ہوتی ہے۔ (ارشاد الطالبین)

فکر سے مراد خداوند تعالیٰ کی آفرینش، زمین، آسمان، ازل اور ابد کے متعلق غور و خوض ہے۔ فکر میں مرید کو خدا کے متعلق سوچنا خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ تفکر کا مرجع محصور اور محدود ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ کی ذات محصور و محدود نہیں۔ اس لئے اس کے متعلق سوچنا گویا تعلیل و تشبیہ میں اپنے کو ڈالنا ہے۔ اس لئے سالک کو صرف خداوند تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور اس کے ساتھ تکوینات غیب کے متعلق فکر کرنا چاہیئے۔ اس فکر میں سالک اپنے تعلقات اور تمام پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور وہ اپنے ارادوں اور خواہشوں سے باز آتا ہے۔ اسی کو "کون" سے باہر آنا بھی کہتے ہیں۔ حضرت مخدوم الملک کے نزدیک اس قسم کی ایک ساعت کی فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (مکتوبات ص ۱۷۰، معدن المعانی ص ۲۴۷) مخ المعانی میں حضرت مخدوم الملک نے فکر کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ ۱۔ ازل میں کیا ہوا۔ ۲۔ ابد میں کیا ہوگا۔ ۳۔ اوامر کی کیا پابندی ہوئی اور نواہی کا کیا ارتکاب ہوا۔

حضرت مخدوم الملک کی مذکورہ بالا تعلیمات کا تعلق تو باطن سے ہے لیکن انہوں نے سالک کو ظاہر کی بھی تعلیم دی ہے، جو حسب ذیل ہے:۔

سالک کا جسم، لباس اور لقمہ طاہر اور حلال ہو تاکہ اس کا دل بھی اوصاف ذمیمہ سے پاک ہو۔ معدن المعانی میں سالک کی طہارت کی چار قسمیں بتائی ہیں:۔

۱۔ طہارت جسم۔ یعنی بدن اور کپڑے پاک ہوں۔

۲۔ طہارت حواس۔ زبان سے جھوٹ بات نہ نکلے۔ نظر محرمات پر نہ پڑے۔ کان ایسی آواز نہ سنے جس کو نہ سننا چاہیئے۔

۳۔ طہارتِ دماغ از تخیلات ۔ خدا کے سوا کسی کا تخیل نہ ہو۔

۴۔ طہارتِ دل ۔ دل مذمومات اور محمودات سے پاک ہو۔ مذمومات کی پاکی بخل، ریاء، حسد، رشک وغیرہ سے آزادی حاصل کرنا ہے۔ اور محمودات کی پاکی سے مراد ہے کہ سالک کو اپنی عبادت، زہد وغیرہ کا خیال نہ ہونے پائے۔ چنانچہ سالک کو اپنی نیت میں پاک ہونا چاہیئے۔ جب اس کی نیت دنیا کے شوائب سے پاک ہو جاتی ہے تو وہ زاہد کہلاتا ہے اور جب آخرت کے شوائب سے پاک ہو جاتی ہے تو وہ عارف کہلاتا ہے۔

سالک کو ہر حال میں سعید ہونا چاہیئے۔ کیونکہ سعادت طاعت کی کلید اور شقاوت معصیت ہے۔ اخلاق حمیدہ میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو ہو۔ مثلاً بد خو نہ ہو بلکہ ہمیشہ تازہ رو اور کم سخن ہو۔ سلام کرنے میں سبقت کرتا ہو۔ سخی ہو، غیبت، جھوٹ، فحش کلمہ زبان پر نہ لاتا ہو۔ دناءت، حقارت اور طمع سے اپنے کو آلودہ نہ کرتا ہو۔ اپنے ہر فعل قول اور حال میں خدا کی جانب نگاہ رکھتا ہو۔ مسلمانوں کے عیب پر پردہ ڈالتا ہو۔ کسی سائل کے سوال کو رد نہ کرتا ہو۔ اگر اس کے پاس کچھ ہو تو وہ دے دیتا ہو اور کچھ نہ ہو تو دینے کا وعدہ کرتا ہو۔ کسی حال میں اس کو غصہ نہ آتا ہو۔ کم بولتا ہو تاکہ دل میں مشغول رہے اور کم کھاتا ہو تاکہ فکر جاری رکھے۔ وہ متواضع ہو کیونکہ خدا کے بندوں سے تکبر گویا خدا سے منازعت ہے۔ حالت انبساط و قرب میں نازیبا کلمات و شطحیات منہ سے نہ نکالتا ہو۔ کیونکہ خدا کی شان میں یہ سراسر گستاخی ہے۔ کسی حال میں پوشیدہ اسرار کو ظاہر نہ کرتا ہو۔ (معدن المعانی)

سالک کو پیر کی تعظیم و تکریم ضروری ہے۔ خدا تک پہنچنے کی علت مشیتِ حق ہے۔ پیر اس کا سبب ہے۔ گو بغیر علت کے صرف سبب کے ذریعہ سے منزل مقصود تک کوئی سالک نہیں پہنچ سکتا، لیکن پھر بھی سالک کے لئے پیر کا احترام ضروری ہے۔ اس کو اپنے پیر کی متابعت قولاً، فعلاً، قلباً اور قالباً کرنا چاہیئے۔ (معدن المعانی)

حضرت مخدوم الملک نے تصوف میں دو چیزیں لازمی قرار دی ہیں۔ ایک علم، دوسری شریعت کا اتباع۔ کسی سالک کو بغیر علم کے اس راہ میں قدم نہیں رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ علم کے

بغیر یا تو وہ کافر یا مجنون ہو جاتا ہے۔ بعض اولیاء علم کے بغیر گزرے ہیں، مگر ان کو رحمت خاص سے فیض ملا تھا جس کی مثالیں بہت ہی کم ہیں۔ (خوان پُر نعمت)

اسی طرح شریعت کے بغیر راہِ سلوک میں قدم رکھنا جہالت اور ہلاکت ہے۔ شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک سالک کو شریعت سے واقفیت نہیں تو وہ طریقت اور حقیقت سے آگاہی نہیں حاصل کر سکتا۔

اس سلسلہ میں شریعت، طریقت اور حقیقت کو واضح طور سے بتایا ہے۔ شریعت، توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور اوامر و نواہی کا نام ہے۔ اوامر و نواہی کی تحقیق و تفحص اور ان کی روشنی میں ضمیر کی صفائی، اخلاق کی تطہیر اور نفس کے تزکیہ کو طریقت کہتے ہیں۔ شریعت کا تعلق ظاہر سے اور طریقت کا تعلق باطن سے ہے۔ مثلاً نماز قبلہ رو ہو کر پڑھنا شریعت ہے لیکن نماز میں خدا سے دل لگانا طریقت ہے۔ نماز کی جگہ کو نجاست سے پاک کرنا شریعت ہے لیکن دل کو بشری کدورت سے پاک رکھنا طریقت ہے۔ مباحات کا اختیار کرنا شریعت ہے لیکن ان کی تخفیف کر دینا طریقت ہے۔ راہِ شریعت میں مباحات کے اختیار کرنے سے راحت اور آسائش میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ طریقت اسی راحت کی تخفیف اور آسائش کی ممانعت کا نام ہے لیکن شریعت کے بغیر راہِ طریقت پر چلنا کوٹھے پر بغیر زینہ کے دیوار پھاند کر چڑھنا ہے۔

شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت حاصل ہوتی ہے۔ علم حقیقت تین چیزوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ خداوند تعالیٰ کی ذات اور وحدانیت کا علم۔

۲۔ خداوند تعالیٰ کی صفات اور اس کے احکام کا علم۔

۳۔ اس کے فعل اور حکمت کا علم۔

یہ چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں تو ایک سالک عارف کہلاتا ہے مگر حقیقت بغیر شریعت کے زندقہ اور شریعت بغیر حقیقت کے نفاق ہے۔ بعض گروہ کا خیال ہے کہ حقیقت کا جب کشف ہو جاتا ہے تو پھر شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن حضرت مخدوم الملک

نے ایسے اعتقاد اور مذہب پر لعنت بھیجی ہے اور کتاب، سنت اور اجماع امت کی تقلید کو ہر حال میں ضروری قرار دیا ہے۔ (مکتوبات سرہندی و معدن المعانی)

حضرت سیّد جلال الدّین بخاری

مخدوم جہانیاں جہاں گشت

اسمِ گرامی و لقب
خاندان
تعلیم
بیعت و خلافت
شریعت کی پابندی
کرامات
سیاحت
رشد و ہدایت
دربارِ شاہی سے تعلّقات
فیاضی
غیر شرعی تعظیم سے پرہیز
ازدواجی زندگی
وصال
ملفوظات
تعلیمات
خلفاء

(اسم گرامی سید جلال الدین تھا لیکن عام طور پر "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" کے لقب سے مشہور ہیں)۔ اس لقب کی وجہ سیر العارفین کے مصنف نے یہ بتائی ہے کہ عید کے روز آپ نے حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ صدر الدین اور حضرت شیخ رکن الدین کے مزاروں پر جا کر مراقبہ کیا اور مراقبہ میں عیدی طلب کی۔ تو ان بزرگوں کی جانب سے عیدی میں "مخدوم جہانیاں" کا لقب ملا اور جب وہ وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں جو کوئی دیکھتا بے اختیار کہتا کہ "مخدوم جہانیاں" آتے ہیں۔

چونکہ سیاحت بہت کی اس لئے جہاں گشت بھی کہلائے۔ ان کی سیاحت کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے "(دور دراز کے سفر اختیار کئے اور بیشتر اولیائے کرام سے نعمت و برکت کی دولت پائی)۔ اور مراۃ الاسرار میں ہے۔ "اکثر کائنات کے ایک چوتھائی روئے زمین کی سیاحت کی اور چودہ کے چودہ سلسلوں اور اکتالیس فرقوں کے مشائخ سے ملاقات کی۔"

حضرت سید جلال الدین بخاری کے دادا کا اسم گرامی بھی سید جلال الدین تھا۔ تذکرہ نگاران کا نام عموماً سید جلال الدین سرخ بخاری لکھتے ہیں۔ وہ بخارا سے بھکر آئے اور بھکر سے ملتان آکر حضرت بہاؤ الدین زکریا سے بیعت کی تعلیم و تربیت کے بعد خرقہ خلافت بھی پایا (ان کی بزرگی کے بارہ میں سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ "بڑی قدر و منزلت والوں اور ظاہری و باطنی علوم میں مہارت رکھنے والوں میں سے ایک تھے۔"

قیام بھکر کے زمانہ میں وہاں کے ایک ممتاز امیر سید بدرالدین کی لڑکی سے عقد کیا۔ اس عقد کی بشارت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دی تھی۔ اس کے کچھ دنوں بعد ملتان سے اُچ منتقل ہو گئے اور اس شہر میں مستقل سکونت اختیار کی اور یہیں ان کی ابدی خواب گاہ بھی ہے۔

حضرت سید جلال الدین سُرخ بخاری کے تین فرزند ہوئے۔ سید احمد کبیر، سید بہاؤالدین، اور سید محمد۔ سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید احمد کبیر کے فرزند ارجمند تھے۔ تذکروں میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا نسب نامہ حضرت کے ملفوظات کے اردو ترجمہ الدّر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظات المخدوم کے دیباچہ کے حوالہ سے حسب ذیل ہے:۔

مخدوم سید جہانیاں جلال الحق والدین ابو عبد الحسین بن کبیر الدین احمد بن سید جلال الملۃ والدّین سُرخ بخاری بن ابی المؤید علی بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد عبد اللہ بن علی اصغر بن عبد اللہ جعفر ابن امام علی نقی علیہ السلام۔

حضرت سید احمد کبیر شیخ ابوالفتح رکن الدین سہروردی کے مرید تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے ملفوظات میں اپنے والد بزرگوار کی بزرگی کا ذکر بار بار فرمایا ہے۔ ایک موقع پر فرمایا: "والد مخدوم کسی وقت خوف سے بستر پر نہیں سوتے تھے۔ سردی اور گرمی میں کوئی چیز اُوپر کھینچ لیتے تھے اور اسی پر کفایت کرتے۔ ہر روز قرآن شریف دو بار ختم کرتے۔ ایک دن میں ایک رات میں۔ نہایت بزرگ آدمی تھے۔" ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: "جس وقت مخدوم والد نماز ادا کرتے یا قرآن شریف کی آیت پڑھتے تو اس طرح روتے کہ ان کے سینہ مبارک سے نعرے نکلتے تھے۔" ایک اور موقع پر ہے "جس وقت والد امت برکاتہ، نماز فرض اور نفل میں کھڑے ہوتے تو نعرہ مارتے اور زار زار روتے تھے۔" حضرت مخدوم جہانیاں کے سگے بھائی شیخ راجو قتال بھی ایک برگزیدہ بزرگ تھے اور وہ حضرت مخدوم کے مرید اور خلیفہ تھے۔

(حضرت مخدوم جہانیاں کی ولادت باسعادت اُچ میں ۷۰۷ھ میں ہوئی۔ سات سال

کے ہوئے تو والد بزرگوار کے ساتھ اُچ کے ایک بزرگ شیخ جمال خنداں کی ایک مجلس میں شریک ہوئے۔ مجلس میں شیخ جمال خنداں کے سامنے کھجوروں کا ایک طباق رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے یہ کھجوریں حاضرین میں تقسیم کیں۔ حضرت سید جلال الدین کو ملیں تو گٹھلیوں کے ساتھ کھا گئے۔ شیخ جمال نے یہ دیکھ کر دریافت کیا، میاں صاحبزادے! تم نے گٹھلیوں سمیت کھجوریں کیوں کھالیں۔ جواب دیا، آپ کے دست مبارک سے جو کھجوریں ملیں، ان کی گٹھلیاں پھینک دینا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ سُن کر حضرت شیخ جمال خنداں نے فرمایا تم فقر اور اپنے خاندان دونوں کے نام روشن کرو گے۔

ابتدائی تعلیم اُچ ہی میں پائی۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ شروع میں تربیت اپنے چچا سید محمد بخاری سے حاصل کی۔ پھر اُچ کے قاضی علامہ بہاؤالدین سے ہدایہ اور بزدوی پڑھیں۔ ان کی وفات کے بعد مزید تعلیم کے لیے ملتان آ گئے۔ خاندان پہلے سے سہروردیہ سلسلہ سے منسلک تھا، اس لئے اپنے والد ماجد کے مرشد یعنی شیخ بہاؤالدینؒ زکریا کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوئے۔ حضرت شیخ رکن الدینؒ خاص شفقت سے پیش آئے اور ان کی تعلیم اپنے پوتے مولانا موسیٰ اور ایک دوسرے عالم مولانا مجد الدین کے سپرد کی اور ان بزرگوں سے ہدایہ اور بزدوی ختم کیں۔ جب یہ کتابیں ختم کر چکے تو حضرت شیخ رکن الدین نے ان کو اپنی کشتی پر سوار کرا کے اُچ واپس بھیج دیا۔ الدر المنظوم میں ہے کہ ایک محدث و فقیہ ان کے والد بزرگوار کی خانقاہ میں آکر ٹھہرے تو ان سے مصابیح اور دوسری کتابیں پڑھیں۔

(اثنائے تعلیم میں کلام پاک کی ساتوں قرائتیں سیکھیں۔ تحصیل علم کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں شیخ مکہ عبداللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ دونوں شیوخ سے صحاح ستہ اور حضرت شہاب الدین سہروردی کی تصنیف عوارف المعارف کے درس لئے) شیخ مدینہ عبداللہ مطری کے ساتھ دو سال رہے اور برابر تہجد کے وقت احادیث نبوی اور عوارف ان سے پڑھتے رہے۔ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ شیخ عبداللہ مطری تہجد کے

وقت میرے حجرے میں آتے۔ ایک ہاتھ میں چراغ اور ایک ہاتھ میں کھانا ہوتا۔ میں نے ایک روز ان سے عرض کیا، اے شیخ! کیوں نہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں آپ میرے مخدوم اور استاد ہیں۔ لیکن انہوں نے فرمایا، تم میرے پاس نہ آؤ، میں خود تمہارے پاس آیا کروں گا۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہو۔ حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں شیخ مدینہ کی شفقت و محبت کا ذکر بار بار فرماتے ہیں۔ رمضان شریف میں مسجد نبوی میں اعتکاف کرتے تو شیخ مدینہ افطار کے وقت ان کے لئے دو قرص لاتے اور جب وہ مسجد نبوی کے احترام کی خاطر کم کھانے کی کوشش کرتے تو شیخ کہتے، اے فرزند رسول اللہ! تم ماں رکھتے ہو، بیوی اور رشتہ دار والے ہو۔ ان کے پاس تم کو واپس جانا ہے کم کھاؤ گے تو کمزور ہو جاؤ گے۔ ان کے پاس واپس کیونکر جا سکو گے۔ زیادہ کھانے سے تمہارا دین کمزور نہیں ہوگا بلکہ قوی ہوگا۔ شیخ مدینہ کی شفقت و محبت کی بنا پر مسجد نبوی میں ایک بار امامت کرنے کی بھی سعادت حاصل کی۔ (الدر المنظوم ص ۲۶۸)

حضرت سید جلال الدین بخاری نے شیخ عبداللہ مطری سے عوارف کا درس اس خاص نسخہ سے لیا جو خود شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مطالعہ میں رہ چکا تھا۔ شیخ عبداللہ مطری نے وفات کے وقت اس نسخہ کو شیخ مکہ عبداللہ یافعی کے پاس بھیجا کہ اس کو حضرت سید جلال الدین کے پاس پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ شیخ مکہ نے ایک حاجی کے ذریعہ اس کو حضرت سید جلال الدین کے پاس بھیج دیا جس کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے۔ عوارف کو شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری سے بھی ان کے وطن قصبہ شومارہ (عراق) میں جا کر پڑھا۔ یہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ جب حضرت سید جلال الدین ان کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت ان کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی۔

حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے مرتب سید علاؤ الدین علی بن سعد حسینی کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم ایک سو اٹھاسی علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ ان علوم کی طویل فہرست بھی ملفوظات کے شروع میں دی ہے۔ دوسرے تذکرہ نویس بھی لکھتے ہیں کہ سید جلال الدین حسین بخاری عارف صاحب اسرار، علوم ظاہری و باطنی اور فقر و استغنا میں

اپنی نظیر آپ تھے۔

علوم و فنون سے برابر گہرا شغف رہا۔ چنانچہ رشد و ہدایت کے زمانے میں اپنی مجلسوں میں کبھی کلام پاک، کبھی تفسیر، کبھی احادیث نبوی، فقہ میں کبھی ہدایہ کبھی تصوّف کی کتابوں کے باضابطہ سبق دیا کرتے تھے۔

بیعت و خلافت ــــ شروع میں اپنے والد ماجد ہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر تصوّف کی تعلیم پائی۔ پھر حضرت بہاء الدین زکریا کے نامور پوتے حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کی ذات اقدس سے اس قدر محبت بڑھی کہ ایک بار حضرت رکن الدین اپنے چبوترہ کی دہلیز سے اتر کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ دہلیز کا زینہ نیچا تھا۔ حضرت سید جلال الدین وہاں آ کر چت لیٹ گئے کہ مرشد سینہ پر پاؤں رکھ کر آسانی سے اتر جائیں۔ مرشد نے یہ دیکھا تو اپنی شہادت کی انگلی منہ میں دبا کر اپنے شفیق مرید سے فرمایا، نبوت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے لیکن اے سید! ولایت کی اقلیم پر تمہارا تصرّف حد بشریت سے زیادہ ہوگا۔ یہ کہہ کر حضرت جلال الدین کو اٹھایا اور اپنے سینہ سے لگا لیا۔

لطائف اشرفی (جلد ا ص ۳۹۱) میں ہے :-

"حضرت شیخ اشرف الدین مشہدی نے لکھا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں ایک سو چالیس سے زیادہ مشائخ سے خلافت و نیابت یعنی مرید بنانے کی اجازت حاصل کر چکے تھے۔ اور ان کا خیال ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے شریعت، طریقت، حقیقت اور تصوف سے متعلق علوم سے بہرہ ور تھے۔"

مراۃ الاسرار میں سید جلال بخاری کے ذکر میں ہے :-

"اکثر و بیشتر سفر میں رہے۔ چودہ کے چودہ سلسلوں کے مشائخ سے شرف یاب ہوئے اور شیخ راجو قتال کی مذکورہ کتاب میں روایت موجود ہے کہ انہوں نے تین سو سے اوپر صاحب ارشاد مشائخ سے نعمت پانے کے ساتھ ساتھ بیعت لینے یعنی مرید بنانے کی اجازت حاصل کر رکھی تھی۔"

مذکورہ بالا تذکرہ میں یہ بھی ہے کہ "حضرت مخدوم جہانیاں نے سب سے پہلے شیخ رکن الدین ابوالفتح بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا سے تربیت پائی اور انہی کے ہاتھوں سہروردی خرقہ حاصل کیا۔"

اخبار الاخیار میں بھی ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین نے حضرت مخدوم جہانیاں کو اپنا خرقہ پہنایا لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ رکن الدین نے خواب میں ان کو خرقہ پہنایا اور "قطب عالم" کے لقب سے یاد فرمایا (الدر المنظوم ص ۲۵۷) جن بزرگوں اور مشائخ نے ان کو خلافت کے خرقے پہنائے ان کی تعداد بیس بتائی گئی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

۱۔ والد بزرگوار سید کبیر۔ ۲۔ والد ماجد نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا بھی خرقہ پہنایا۔ ۳۔ حضرت شیخ رکن الدین (خواب میں) ۴۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء (خواب میں) ۵۔ حضرت شیخ قوام الدین خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین (خط کے ذریعہ) ۶۔ حضرت شیخ قطب الدین منور (خط کے ذریعہ) ۷۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی۔ ۸۔ شیخ مکہ عبداللہ یافعی ۹۔ شیخ مدینہ عبداللہ مطری ۱۰۔ حضرت شیخ قطب عدن فقیہہ بصّال ۔۱۱۔ شیخ مرشد ابواسحاق گازرونی۔ ۱۲۔ شیخ امام الدین برادر شیخ امین الدین ۔ ۱۳۔ حضرت سید جہیدہ حمید حسینی ۱۴۔ حضرت شیخ معمر شرف الدین محمود شاہ تستری خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی۔ ۱۵۔ سیدی احمد کبیر رفاعی کبیر۔ ۱۶۔ حضرت شیخ نجم الدین مغانی ۱۷۔ حضرت شیخ نجم الدین کبری (خواب میں) ۱۸۔ حضرت خضر علیہ السلام ۱۹۔ حضرت اوحد الدین حسینی ۔ ۲۰۔ حضرت شیخ نور الدین (الدر المنظوم ص ۱۶)

(شریعت کی پابندی ـــــ لیکن تصوّف وعرفان کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے باوجود زندگی شروع سے آخر تک پابندی شریعت اور اتباع سنت میں گزری۔ راہ سلوک کی خواہ کسی منزل میں رہے لیکن شریعت کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑا۔ خود فرماتے ہیں کہ حقیقت، شریعت ہے۔ جب تک کوئی شریعت کو مضبوط نہ پکڑے گا ہرگز حقیقت کو نہ پہنچ سکے گا (الدر المنظوم ص ۳، ۴) ایک اور موقع پر فرمایا کہ جو شخص شریعت سے

عاری ہے وہ طریقت وحقیقت کو نہیں جان سکتا۔ شریعت بمنزلہ میوے کے ہے۔ اور طریقت وحقیقت اس میوہ کے مغز کے مشابہ ہیں۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص طریقت اور حقیقت سے آشنا ہے لیکن شریعت سے واقف نہیں تو وہ شیخ نہیں جاہل ہے۔ کوئی صالح اور نیک آدمی اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں کا علم اس کو حاصل نہ ہو۔

جاہل شخص کو کسی حال میں برداشت نہ کرتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص شہر اُچ میں وارد ہوا۔ وہ اپنے کو ولی اللہ کہتا تھا۔ اس کے پاس عوام وخواص کا ہجوم رہنے لگا۔ حضرت سید جلال الدین بھی اس سے ملنے تشریف لے گئے۔ جب اس کے پہلو میں بیٹھے تو اس نے کہا، اے سیدؔ! ابھی ابھی حق تعالیٰ میرے پاس سے گیا ہے۔ حضرت یہ سن کر غضب ناک ہو گئے اور فرمایا، اے بدبخت! تو کافر ہو گیا، پھر سے کلمہ شہادت پڑھو۔ آپ اسی وقت قاضی شہر کے پاس آئے کہ اس بدبخت کو طلب کرو۔ اگر وہ توبہ کرے تو معاف کر دو، ورنہ اس کو قتل کرنے کا حکم دو۔ مقطع شہر اس شخص کا معتقد ہو چلا تھا۔ اس لئے قاضی نے مقطع کے خوف سے سزا دینے میں پس و پیش کی۔ حضرت سید جلال الدین نے مقطع کے پاس پیام بھیجا کہ ایک جھوٹا شخص کفر پھیلا رہا ہے۔ اگر تم نے اس کو سزا نہ دلائی، تو پھر بادشاہ سے جا کر کہوں گا۔ بالآخر وہ شخص شہر بدر کر دیا گیا۔ (الدر المنظوم ص ۳-۵)

تارک صلوٰۃ کو بھی ولی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے لوٹکر واپس آیا تو لوگ مجھ سے ملنے آئے۔ انہوں نے کہا کہ قصبہ اور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے نماز معاف کر دی ہے۔ یہ سن کر میں اُس کے پاس گیا۔ وہاں امراء اور دوسرے اکابر کا ہجوم تھا۔ اس ہجوم سے گزر کر میں کسی طرح اُس کے پاس پہنچا۔ میں نے اس کو سلام نہیں کیا بلکہ جا کر بیٹھ گیا اور پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے الفرق بین المؤمن والکافر الصلوٰۃ۔ یعنی مومن اور کافر کے درمیان صرف نماز فرق کرتی ہے۔ درویش نے جواب دیا، سیدؔ! میرے پاس جبریلؑ آتے ہیں۔ بہشت کا

کھانا لاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا سلام پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے لئے نماز معاف کر دی گئی اور تم مقرب خاص ہو گئے۔ میں (یعنی حضرت سید جلال الدینؒ) نے کہا کہ بے ہودہ مت بکو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو نماز معاف نہیں ہوئی، تجھ جیسے جاہل کے لئے کیسے معاف ہو سکتی ہے۔ وہ تو شیطان ہے جو تیرے پاس آ کر کہتا ہے کہ میں جبریل ہوں۔ جبریل وحی کے فرشتے ہیں، وہ پیغمبر کے سوا کسی اور کے پاس نہیں آتے اور وہ جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے وہ غلیظ ہے۔ درویش نے کہا کہ وہ کھانا بہت ہی لذیذ ہوتا ہے۔ اس میں لذت محسوس کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اب جب وہ فرشتہ آئے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنا۔ دوسرے دن جب میں اس درویش کے پاس گیا تو وہ میرے پاؤں پر گر پڑا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے تمہاری بات پر عمل کیا اور جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھا۔ وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا اور جو کھانا اس نے دیا وہ غلیظ ہو کر میرے ہاتھ سے گر پڑا اور میرے سارے کپڑے نجس ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت سید جلال الدین فرماتے ہیں کہ میں نے اس بے نمازی درویش سے توبہ کرائی اور اس کی جو نمازیں فوت ہوئی تھیں ان کی قضا پڑھوائی۔ (الدر المنظوم ص ۲۱۷-۲۲۶)

اپنے مریدین کو نماز با جماعت کی بڑی تاکید فرماتے اور جماعت کے تارک کو ارشادِ نبویؐ کی بنا پر ملعون اور بدعتی کہتے۔ اپنی ایک مجلس میں اس حدیث کی خاص طور پر تصریح کی کہ جو شخص محلے کی مسجد کی اذان سنے اور نماز کے لئے حاضر نہ ہو تو اس کی قبر میں کیڑے نہ مریں گے اور اس کی قبر سے آگ نہ بجھے گی۔ وہ ہر وقت عذاب میں رہے گا۔ سفر و سیاحت میں تنہا ہوتے تو خود ان کا بیان ہے کہ عین نماز کے وقت کہیں سے ابدال آ جاتے اور اس طرح جماعت کا ثواب مل جاتا۔ (الدر المنظوم ص ۹۸-۲۸۱-۱۰۰)

اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ ایک سالک کو چاہئے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرے۔ اسی کے ذریعہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی قربت حاصل ہو گی۔ اہل بدعت بدعت کو قربت جانتے ہیں اور وہ لوہا، تانبا پہنتے ہیں، داڑھی ترشواتے ہیں جیسا کہ قلندر کیا کرتے ہیں۔ لیکن اس طرح قربت حاصل نہیں ہوتی بلکہ بُعد و ضلالت پیدا ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔ یعنی اے محمدؐ! تم لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو تم میرے افعال، اقوال اور احوال کی پیروی کرو۔ پس اللہ تم کو دوست رکھے گا۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ خود بھی ہر حال میں اتباع سنت کا خیال رکھتے۔ اسی لئے احادیث نبویؐ سے غیر معمولی شغف تھا۔ ان کے ملفوظات کے ایک مجموعہ سراج الہدایہ میں "احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے جس میں مختلف حدیثوں کی تشریح و توضیح ہے۔ اپنی مجلسوں میں احادیث نبویؐ کا ذکر بار بار فرماتے اور ان ہی کے مطابق اپنے مریدوں کی تعلیم و تلقین کرتے۔ احادیث کی کتابوں مثلاً "صحاح ستہ"، مشکوٰۃ المصابیح اور مشارق الانوار کا باضابطہ درس بھی دیتے (اپنی روزمرہ زندگی کے تمام معمولات کو بھی احادیث کے مطابق بنانے کی کوشش فرماتے۔ پنج گانہ نمازوں کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، تراویح اور دوسری نفل نمازوں میں اتنی ہی رکعتیں پڑھتے جتنی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھیں نہ زیادہ نہ کم ان ہی اوراد و وظائف کی مداومت کرتے جن کا ذکر حدیثوں میں ہے۔ اپنی عبادت میں ساری رات نہ جاگتے بلکہ کچھ دیر سو رہتے۔ فرماتے کہ جو شخص عبادت میں تمام رات بیدار رہا اس نے ترک سنت کیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول تو یہ ہے کہ انا اصلی و انام یعنی میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ کھانا تنہا تناول کرنا پسند نہ کرتے بلکہ تقسیم کر کے کھاتے اور فرماتے کہ حدیث صحاح میں ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو تنہا کھاتا ہے، اپنے غلام کو مارتا ہے اور بخل کرتا ہے۔ آگ کی پکی ہوئی چیزوں کو کھا کر منہ دھوتے، کلی کرتے کہ یہ سنت ہے۔ کھانا کھا کر دوگانہ شکر ادا کرتے۔ فرماتے حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص دوگانہ شکر طعام ادا نہیں کرتا اور سو رہتا ہے اس کا دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے۔ پانی پیتے تو تین سانس میں پیتے اور فرماتے یہی حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔ رمضان شریف میں سحری کے وقت خلال ضرور کرتے اور کہتے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے۔ ریشمی اور باریک کپڑوں کو نامشروع سمجھتے۔ ایک بار سلطان فیروز شاہ نے ان کی خدمت میں چونتیس جوڑے

کپڑے بھیجے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا ورنہ نہ پہنوں گا۔ پھر یہ حدیث پڑھی کہ ریشم اور سونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے واسطے حلال کیا گیا۔ اسی طرح باریک کپڑوں کے متعلق فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ جس کا کپڑا باریک ہوا اس کا دین باریک ہوا۔ پیروی سنت میں گریبان کے بغیر کرتے پہنتے، گریبان دار کرتے پہننا بدعت سمجھتے۔ ایک بار ایک مرید نے جوتیوں کا ایک جوڑا خدمت میں پیش کیا۔ اس کو قبول کر کے فرمایا، نعلین پہننا سنت ہے۔ میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کو دیکھا تھا اور ان کو اپنی آنکھوں پر رکھا تھا۔ جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو کسی نہ کسی صورت میں اس کا بدلہ ضرور دیتے اور فرماتے، صحاح میں ہے کہ جو شخص تمہارے لئے کوئی ہدیہ لائے تو تم اس کو بدلہ دو۔ اگر بدلہ دینے کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو اس کے واسطے دعائے خیر کرو یہاں تک کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ دعا ہدیہ کا بدلہ ہو گیا۔ اتباع سنت میں ایندھن بھی باہر سے لانے کی کوشش فرماتے۔ اسی طرح اور جزوی باتوں میں بھی اتباع سنت کا لحاظ رکھتے۔ (الدر المنظوم)

کرامات ـــــ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ متاخرین صوفیاء میں سے کسی سے نہیں ہوئیں اسی لئے وہ "مظہر العجائب" اور "مصدر الغرائب" کہے جاتے تھے (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۰) لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاںؒ ان کرامتوں کو اپنا کوئی شرف اور کمال نہیں سمجھتے تھے فرماتے ایک ولی کے لئے ممکن ہے کہ وہ ہوا میں اڑے، پانی پر چلے، اس کے لئے زمین اور آسمان کی طنابیں کھچ جائیں لیکن وہ اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی گفتار، رفتار اور کردار میں اپنے پیغمبر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو نہ ہو۔

سیاحت ـــــ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی سیاحت کی تفصیل ترتیب کے ساتھ کسی تذکرہ میں نہیں ملتی۔ لطائف اشرفی میں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی صرف اتنا فرماتے ہیں کہ بہت سے اولیاء اللہ نے معارف و حقائق کی تلاش میں سیاحت کی ہے

لیکن مخدوم جہانیاںؒ کی طرح کسی نے سفر نہیں کیا۔ انہوں نے ربع مسکون کی سیاحت کی اور شاید ہی کوئی درویش ایسا ہو جس سے انہوں نے فوائد حاصل نہ کئے ہوں۔ اخبار الاخیار (ص ۱۳۲) میں اور بھی اختصار سے کام لیا گیا ہے اور اس میں صرف یہ مرقوم ہے کہ حضرت سید جلال الدین بخاری نے سیاحت بہت کی اور بہت سے اولیاء اللہ سے نعمت اور برکت حاصل کی۔ خزینۃ الاصفیاء (ج ۲ ص ۵۸) میں ان کی سیاحت کا حال پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اُچ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں دو سال رہ کر گازرون آئے۔ گازرون سے مصر، شام، عراق، بلخ، بخارا اور خراسان کی سیاحت کی اور چھ بار حج اکبر سے مشرف ہوئے۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اپنے ملفوظات میں اپنی سیاحت کا جستہ جستہ حال بیان کیا ہے۔ اس سے اور کچھ زیادہ تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں سلطان محمد تغلق نے مجھ کو شیخ الاسلام مقرر کیا اور میرے تصرف میں چالیس خانقاہیں دیں۔ میرے مرشد شیخ رکن الدینؒ خواب میں نظر آئے اور فرمایا کہ تو حج کو چلا جا ورنہ غرق ہو جائے گا۔ صبح کو شیخ کے امام نے کہا کہ سید جلد روانہ ہو جاؤ۔ شیخ نے اشارہ کیا ہے۔ میں مخدوم دام برکاتہ سے اجازت لینے روانہ ہو گیا۔ میرے پاس خرچ نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے فتوحات پہنچائیں۔ ایک شخص حج کو جا رہا تھا مگر اس کے گھر والوں نے اس کو لوٹا لیا۔ اس نے زادِ راہ مجھ کو دے دیا۔ ایک گھوڑا بھی نذر کیا۔ لیکن میں نے گھوڑا مولانا نظام الدین کو دے دیا۔ وہ مدقوق تھے۔ میں پا پیادہ حج کو روانہ ہوا اور حج سے پہلے پہنچ گیا اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے مشرف ہوا۔ (الدر المنظوم ص ۳۵۵-۳۴۵) ایک موقع پر فرماتے ہیں۔ میں سات سال مکہ معظمہ میں مجاور رہا۔ وہاں ایک مفسر اور محدث اپنے وعظ میں سات برس تک مسلسل سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کرتے رہے۔ میں تو وہاں سے چلا آیا، معلوم نہیں کتنے دنوں تک اور انہوں نے اس تفسیر کو جاری رکھا۔

مکہ کے قیام میں شیخ مکہ عبداللہ یافعی[1] سے علوم ظاہری و باطنی دونوں حاصل کئے

---

[1] حضرت سعد یافعی کے صاحبزادے تھے۔ وطن یمن تھا لیکن تمام عمر حرمین

(بقیہ بر صفحہ ۳۰۵)

اوران سے خرقہ بھی پایا۔ ملفوظات میں ان کا ذکر بار بار آتا ہے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی دو سال تک رہے اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے علمی و روحانی فیوض حاصل کر کے ان سے بھی خرقہ پایا۔ مدینہ منورہ کے قیام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں تھا تو ایک وقت مسجد نبوی ؐ کے امام نہ آسکے تو شیخ عبداللہ مطری نے مجھ کو امامت کا حکم دیا اور فرمایا، اے سید! تم امامت کرو تاکہ یہ شرفاء تمہاری اقتدا کرلیں ورنہ یہ کسی اور کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے۔ میں نے تکبیر تحریمہ کہی تو ایک صف کھڑی ہو گئی۔ اور جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ تمام شرفاء میری اقتدا میں ہیں۔ شیخ مدینہ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم امامت نہ کرتے تو وہ نماز نہ پڑھتے یا دوسری جگہ جا کر ادا کرتے۔ یا جب میں پڑھ لیتا تو وہ پڑھتے۔ وہ جانتے ہیں کہ تم شریف ہو اور وہ کسی شریف ہی کے پیچھے نماز روا رکھتے ہیں۔ عجیب گروہ کے لوگ ہیں۔ (الدر المنظوم ص ۲۶۴)

فرماتے ہیں مکہ کے قیام کے ساتویں برس میں فقیہ بصال قطب عدن کی زیارت کے لیئے عدن گیا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا، اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف لوٹ جاؤ اور وہاں سے اس وقت تک نہ نکلو جب تک تم کو وہ شخص اجازت نہ دے جس نے تم کو وہاں بھیجا ہے۔ اور وہ شیخ قطب عالم رکن الدین ہیں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ان کو اس کی خبر کس نے دی۔ پھر میں نے سوچا کہ کرامت سے دریافت کیا ہوگا۔ وہ بیمار تھے، چند دنوں بعد وفات پائی۔ وفات کی تیسری رات میں نے حضرت شیخ رکن الدین رح کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھ کو خرقہ پہنایا اور فرمایا کہ کل فقیہ بصال کی وفات کو تیسرا دن ہے۔ یہ خرقہ فقیہ بصال کے چھوٹے بیٹے کو پہنا دینا۔ (الدر المنظوم ص ۲۰۶)

فرماتے ہیں شیخ مکہ عبداللہ یافعی، شیخ عبداللہ مطری اور دوسرے مشائخ نے مجھ

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۳۰۴) شریفین میں رہے۔ مذہب شافعی رکھتے تھے۔ تاریخ یافعی اور روضۃ الریاحین کے مصنف ہیں۔ اولیاء اللہ میں شمار کیے جاتے تھے۔

سے کہا کہ عراق میں شوکارہ ایک شہر ہے۔ وہاں شیخ الشیوخ شہاب الدینؒ سہروردی کے مرید رہتے ہیں، ان سے جاکر ملو۔ میں ان سے ملا۔ ان کا اسم مبارک شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری تھا۔ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو وہ ایک سو تیس سال کے تھے، لیکن ایسے تندرست تھے کہ جمعہ کے دن عصا ہاتھ میں لے کر نماز کو جاتے تھے۔ میں نے ان سے عوارف پڑھی۔ میں ان کے پاس ایک مدت تک رہا اور جب میں رخصت ہونے لگا تو انہوں نے خرقہ عطا کیا اور خرقہ پہنانے کی اجازت بھی دی۔ (الدر المنظوم)

اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں۔ میں شیخ رکن الدین کے مرید شیخ امام الدین سے بھی گازرون میں ملا۔ ایک مدّت تک ان کے پاس رہا۔ وہیں شیخ امین الدین گازرونی کے بھائی شیخ امام الدین سے بھی ملاقات ہوتی رہی۔ ان کو اپنے بھائی شیخ امین الدین سے جو سجادہ، مقراض اور عصا وغیرہ ملا تھا، وہ تمام امانتیں مجھ کو دیں۔ (الدر المنظوم ص ۵۹۹)

شیراز بھی تشریف لے گئے۔ فرماتے ہیں جس زمانہ میں مکہ معظمہ سے شیراز پہنچا تو وہاں لوگ مجھ سے سبق پڑھتے تھے۔ اولوالامر کا ذکر آیا تو اس سلسلہ کی کچھ باتیں بادشاہ شیراز کے کان میں پڑیں۔ وہ مجھ سے ملنے آیا اور ایک چاندی کے طشت میں سونے اور چاندی کے سکے لایا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ بیت المال میں تمہارا حق بھی ہے۔ اس کو قبول کرو۔ میں نے معذرت کی لیکن اس کا اصرار ہوا تو میں نے ان سکوں کو قبول کر لیا۔ میں نے اولوالامر کے بارے میں گفتگو شروع کی، تو گفتگو سن کر بادشاہ نے کہا، تم سے جو باتیں سنیں وہ کسی اور سے نہیں سنی تھیں، عجیب و غریب ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ مکہ معظمہ کے مفسرین، فقہا اور مشائخؒ سے سنا ہے۔ میرے خدمت گزار سید شمس الدین خوش تھے کہ بادشاہ کے دیئے ہوئے سکوں کو جمع کریں گے۔ لیکن سید شمس الدین کے والد سید حمید الدین آ گئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ ایک سید پر چار سو ٹنکے قرض ہیں۔ چار سو ٹنکے تو اس کو دیئے اور باقی مجھ سے یہ کہہ کر خود لے گئے کہ تم کو بہت فتوح پہنچے گی۔ واقعی مجھ کو برابر فتوح پہنچتی رہی۔ (الدر المنظوم ص ۴۵۱)

ایک جگہ فرماتے ہیں جس زمانے میں سفر میں تھا کہ یمن میں ایک پہاڑ پر پہنچا۔ تین روز

میں اُوپر گیا اور تین روز میں نیچے آیا۔ اس پہاڑ پر ایک غار دیکھا۔ اذان کی آواز سنی، تو غار میں گیا۔ دیکھا کہ ایک بڑی جماعت نماز پڑھ رہی ہے۔ جب نماز ختم ہوئی تو میں نے ہر شخص سے مصافحہ کیا۔ جب تمام لوگ چلے گئے تو ایک شخص وہاں رہ گیا۔ اس کے نزدیک گیا اور پوچھا کہ یہاں کوئی اور غار نہیں پھر اتنے آدمی کہاں سے آتے ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ میں تنہا اس غار میں رہتا ہوں اور جو لوگ آتے ہیں وہ ابدال ہیں۔ وہ میری وجہ سے آتے ہیں تاکہ میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کروں، تنہا نہ پڑھوں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم شہر میں کیوں نہیں رہتے تاکہ لوگ تم سے فائدہ اٹھائیں۔ اُس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک موذی کتا ہے اس کو میں نے قید کر لیا ہے کہ وہ کسی کو کاٹ نہ کھائے جب یہ نیک ہو جائے گا تو اس کو آبادی میں لے جاؤں گا۔ موذی کتے سے مراد اس کا نفس تھا۔ اس نے اپنے نفس کو بُرا کہا اور یہ نہیں کہا کہ لوگ بُرے ہیں اس لئے میں خلوت میں آکر بیٹھ گیا ہوں۔ (الدر المنظوم ص ۷۳)

ایک سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ سفر میں ایک روز ایک درویش کے پاس پہنچا۔ میرے پہنچنے سے تھوڑی دیر بعد وہ غائب ہو گیا اور پھر تھوڑی دیر میں وہاں نظر آیا۔ اس کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ میں نے پوچھا تم کہاں گئے تھے۔ اُس نے جواب دیا عالم ملکوت میں تھا۔ میں نے دریافت کیا تمہاری آنکھیں پُر آب کیوں ہیں۔ بولا، میں لوگوں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ دنیا میں غرق ہو رہے ہیں اور اپنی خبر نہیں رکھتے۔ میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں کہ وہ اپنی چند روزہ زندگی میں ایک مُردار پر جان دیتے ہیں۔ (الدر المنظوم ص ۶۹)

فرماتے ہیں جب میں دمشق پہنچا تو ایک بڑے درویش سے ملا۔ انہوں نے مجھے پاس بلایا اور فرمایا۔ ایک روز میں اصفہان میں تھا۔ وہاں ایک بزرگ تھے، جو بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔ آٹھ سو سجادہ نشینوں کی زیارت کی تھی اور ہر ایک سے مستفیض ہوئے تھے۔ خواجہ شمس العارفین کے نواسے سے بھی استفادہ کیا تھا۔ انہوں نے ان کو نصیحت کی تھی کہ بادشاہوں، امیروں اور دولت مندوں کی صحبت سے پرہیز کرنا تاکہ آخرت میں نجات ہو۔ اسی کے بعد فرماتے ہیں کہ غزنی میں تھا تو ایک

بزرگ سے ملاقات ہوئی ۔ وہ ایک کتاب پڑھ رہے تھے ۔ میں نے اس میں لکھا دیکھا کہ جو درویش عالم امیروں اور دولت مندوں کی صحبت میں رہتا ہے اُس کو قیامت کے روز دوزخ میں جگہ ملے گی ۔ پھر فرماتے ہیں میں شارستان (؟) میں تھا کہ ایک چیرواہا آیا اور اُس نے مجھ سے کہا ، اے سید جلال ! مجھ کو بیعت کیجیے ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں سب کچھ رکھتا ہوں لیکن کسی سے بیعت نہیں ہوں ۔ میں نے اس کی بیعت لی لیکن بیعت ہونے کے بعد وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا ۔ اُس نے ابدال کی جماعت میں شرکت کر لی ۔ لیکن جب میں مکہ معظمہ پہنچا تو دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں معتکف ہے ۔ اُس کو دین کے کاموں میں ہوشیار پایا ۔ (سراج الہدایہ قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور)

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ایک روز شیخ مکہ امام عبداللہ یافعی نے حضرت سید جلال الدین سے خانہ کعبہ میں فرمایا کہ دہلی سے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے ہیں تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود میں موجود ہے ۔ ان کی ذات بابرکت بہت غنیمت ہے ۔ وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں ۔ حضرت سید جلال الدین نے یہ سُنا تو حضرت شیخ نصیر الدین سے ملنے کے مشتاق ہوئے ۔ اور مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے ۔ حضرت شیخ نصیر الدینؒ نے حضرت سید جلال الدین کو دیکھ کر فرمایا ، شیخ عبداللہ یافعی کی بدولت تمہارے دیدار سے مشرف ہوا ۔ حضرت سید جلال الدینؒ نے عرض کیا ، شیخ عبداللہ یافعی پر اللہ کی رحمت ہو کہ اُن کی بدولت آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچا ۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے خوش ہو کر ان کو خرقۂ خلافت مشائخ چشت عطا فرمایا ۔ اور اس کے بعد وہ یعنی حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ "چراغ دہلی" کے لقب سے مشہور ہوئے ۔ (سیر العارفین ج ۲ ص ۴۸ ۔ ۴۷)

رشد و ہدایت —— ہندوستان میں زیادہ تر وطن مالوف اُچ میں قیام رہا ۔ کبھی کبھی دہلی اور دوسرے مقامات کو بھی جایا کرتے تھے ۔ لیکن جہاں بھی ہوتے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھتے ۔ مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک ، احادیث نبویؐ اور فقہ پر تقریریں کرتے اور سلوک و معرفت کی تعلیم خالصتہً شریعت کے مطابق دیتے ۔ ان

کے ملفوظات کا مجموعہ جامع العلوم جس کا اُردو ترجمہ الدار المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم ہے ۔ ایک عالم اور ایک سالک دونوں کے لئے مفید اور پُر از معلومات ہے اور آج بھی خاص ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ۔ ملفوظات کے ایک دوسرے مجموعہ (سراج الہدایہ میں احادیث نبویؐ کی تشریح، فقہی مسائل کی تشریح، انبیاء کے قصے، اوراد و وظائف کی تفصیلات کے علاوہ روز مرہ کی ضروریات کے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات ہیں) مثلاً ایک باب میں چاول، گیہوں، خرما، انگور، امرود، خربزہ، انار، اسبغول، ہلیلہ، کشمش، پیاز، گوشت، بیضۂ مرغ، سرکہ اور دودھ وغیرہ کے بھی فوائد بتاتے ہیں، جن سے مرید متمتع ہوتے رہتے تھے۔

(نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں بلکہ بیرونی مقامات سے بھی لوگ روحانی و باطنی تعلیمات حاصل کرنے کے لئے آتے) ایک بار خواجہ محمد ظفاری عرب سے آئے۔ اور تہجد کے وقت حجرے میں آکر عربی زبان میں عرض کیا، اے مخدوم! میں ایک رات ذکر خفی کر رہا تھا کہ ایک آدمی میرے داہنے طرف سے آیا اور اُس نے مجھ سے کہا کہ تو یہ دُعا پڑھ کہ اے ربّ تو معبود عالم ہے، میں جاہل ہوں ۔ مجھ کو علم دے تاکہ علم کے ساتھ تیری عبادت کروں، ورنہ ہلاک ہو جاؤں گا ۔ خواجہ محمد ظفاری نے حضرت سید جلال الدینؒ سے پوچھا کہ اس واقعہ کی کیا تاویل ہے ۔ جواب میں فرمایا کہ تم ابھی دینی علوم حاصل کرو۔

ایک بار عراق کے سادات آئے اور کچھ نذرانے ساتھ لائے ۔ اس وقت عوارف کا درس ہو رہا تھا ۔ سادات نے عرض کیا کہ ہم کو قدم بوسی کا اشتیاق تھا ۔ یہ سُن کر حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اپنے خادم خاص سے شیرینی لانے کو کہا اور یہ حدیث شریف پڑھی کہ جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اُس نے کسی مُردے کی زیارت کی ۔ پھر سادات کو مخاطب کر کے فرمایا، تم کو ذوق معنوی و صوری دونوں حاصل ہو گئے ۔ تم نے عوارف کا سبق سنا، اس سے ذوق معنوی حاصل ہوا پھر مسکرا کر کہا، تم نے شیرینی کھائی، اس سے ذوقِ صوری کی تسکین ہوئی ۔ شیرینی کھلاتے وقت فرمایا، جو شخص روزہ دار نہ ہو وہ کھائے، روزہ دار نہ کھائیں ۔ پھر فرمایا، حدیث

صحاح میں ہے کہ جب روزہ داروں کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے تو فرشتے اُن کی مغفرت کے لیئے دعائیں کرتے رہتے ہیں کیونکہ ایسی حالت میں روزہ دار اپنے دل پر جبر کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان کو ثواب ملتا ہے۔ (الدر المنظوم ص ۶۴۱)

ایک بار حدود بخارا سے شیخ زادہ معظم تیس ہمراہیوں کے ساتھ خدمت میں دہلی آئے حضرت مخدوم جہانیاں بہت خوش ہو کر اُن سے بغل گیر ہوئے۔ پوچھا کس غرض سے آئے ہو؟ عرض کیا کہ قدم بوسی اور تربیت حاصل کرنے کے لیئے۔ فرمایا، مبارک ہو۔ لیکن بہتر ہے کہ (دہلی کے) شیخ الاسلام (یعنی سلطان فیروز شاہ کے پیر شیخ علاؤ الدین) کے پاس ٹھہرو۔ تمام مشائخ کے سردار ہیں۔ میں تم کو اپنے یہاں سے جانے کو نہیں کہتا۔ لیکن جہاں تمہیں انشراح حاصل ہو وہیں قیام کرو۔ شیخ زادہ نے کہا کہ میں تو آپ ہی کے قدموں کے سایہ میں ٹھہروں گا۔ یہ سُن کر حضرت مخدوم جہانیاں رح نے خادم کو کہا کہ ان کو کچھ کھلاؤ، میں تو روزہ سے ہوں۔

ایک بار کچھ درویش عرب سے آئے۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے ان سے پوچھا کس خاندان سے ہو۔ عرض کیا، سیدی احمد کبیرؒ کے خاندان سے۔ فرمایا سیدی احمد کبیرؒ سے میں نے خرقہ پہنا ہے اور انہوں نے مجھ کو خرقہ پہنانے کی اجازت دی ہے۔ وہ صوفی تھے اور سنت کے مطابق کپڑے پہنتے تھے۔ اس کے بعد درویشوں کو نصیحت کی کہ تم علم شریعت پڑھو، سنت کے پابند رہو اور بدعت سے بچو۔ پھر ان کو توبہ کی تلقین کی اور خرقہ پہنایا۔ (الدر المنظوم ص ۶۵۸)

دربار شاہی سے تعلقات ــــــ پہلے ذکر آچکا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں رح کو شیخ الاسلام بنا کر ان کے تصرف میں چالیس خانقاہیں دی تھیں لیکن وہ ان کو چھوڑ کر حج کے لئے تشریف لے گئے۔ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں ان خانقاہوں کو چھوڑ کر حج کو نہ چلا جاتا تو مغرور ہو جاتا اور کیچڑ میں پڑا رہتا۔ حج اور سیاحت کے بعد ہندوستان واپس آئے تو سلطان فیروز شاہ کو ان کی ذات اقدس سے بڑی عقیدت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ شمس سراج عفیف اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہے۔

حضرت سید جلال الدین بخاریؒ سردوسرے یا تیسرے سال اُوچ سے سلطان کی ملاقات

کے لئے تشریف لاتے۔ دونوں کے درمیان بے حد محبت تھی۔ دونوں اس محبت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے۔ جب حضرت سید جلال الدین اُچ سے تشریف لاتے اور فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو بادشاہ منزلوں تک استقبال کے لئے جاتا۔ اور جب دونوں میں ملاقات ہوتی بادشاہ حضرت سیدؒ کو بڑے اعزاز و اکرام سے شہر میں لاتا۔ وہ کبھی تو منارہ سے متصل کوشک معظم کے اندر شفا خانے میں، کبھی شہزادہ فتح خان مرحوم کے حظیرے میں قیام فرماتے۔ جب سید السادات اپنی قیام گاہ سے مقررہ طریقے کے مطابق سلطان فیروز کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے اور جیسے ہی وہ محل حجاب میں آ پہنچ کر سلام کرتے، سلطان اپنے رتبہ کے باوجود تخت گاہ پر کھڑا ہو جاتا اور بے حد تواضع سے پیش آتا۔ پھر دونوں جام خانہ کے اوپر جاکر بیٹھتے۔ جب حضرت سید واپس ہوتے اس وقت بھی فیروز شاہ جام خانہ کے اوپر تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا اور جب تک کہ حضرت سید محل حجاب تک نہ پہنچ جاتے اسی طرح کھڑا رہتا۔ یہاں پر حضرت سید سلطان کو سلام کرتے اور سلطان سلام کا جواب دیتا۔ جب حضرت سید نظروں سے غائب ہو جاتے اس وقت سلطان اپنے تخت پر بیٹھتا۔ سبحان اللہ! کیا حسن ادب تھا جو سلطان حضرت سیدؒ کے لئے بجا لاتا تھا۔ سلطان بھی دوسرے تیسرے روز حضرت سیدؒ کی قیام گاہ پر ملاقات کے لئے جاتا اور دونوں میں بڑی محبت آمیز گفتگو ہوتی۔ اُچ اور دہلی کے باشندے اپنی اپنی حاجت اور عرضی حضرت سیدؒ کی خدمت میں پیش کرتے اور آپ اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان باتوں کو قلمبند کرلیں اور جب سلطان ملاقات کے لئے آتا تو وہ ضرورت مندوں کے کاغذات اس کی خدمت میں پیش کرتے۔ سلطان ان کاغذات کو پڑھ کر ہر حاجت مند کی حاجت روائی کرتا۔ کچھ دنوں قیام فرما کر حضرت سیدؒ اُچ واپس ہوتے تو بادشاہ ایک منزل تک اُن کو پہنچانے کے لئے جاتا۔ (ص ۱۶-۵۱۴)

۷۶۷ھ میں سلطان فیروز شاہ جام اور بانبھ کے خلاف ٹھٹھہ پر حملہ آور ہوا، تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ ہی کی مساعی جمیلہ سے سلطان اور اہل ٹھٹھہ کے درمیان صلح ہوئی شاہی فوج کے محاصرہ سے ٹھٹھہ میں قحط پڑنے لگا تو وہاں کے لوگ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی مداخلت کے خواہاں ہوئے۔ اُن کی دعوت پر حضرت مخدوم اُچ سے ٹھٹھہ فیروز شاہی

لشکر میں تشریف لائے۔ عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے۔

حضرت سیدؒ جب لشکر میں پہنچے تو تمام اہل لشکر نے دل وجان سے قدم بوسی کی کوشش کی۔ حضرت سیدؒ نے ان سے فرمایا، بابا اطمینان رکھو، انشاءاللہ چند روز میں فتح ہو گی۔ جب آگے بڑھے تو سلطان فیروز نے نہایت خلوص اور عقیدت سے استقبال کیا اور بہت ہی اعزاز واکرام کے ساتھ لشکر میں لایا۔ دونوں نے مصافحہ کیا۔ حضرت سیدؒ نے فرمایا، ایک پارسا اور صالحہ عورت ٹھٹھہ میں موجود تھی۔ اس کی دعا وبرکت سے ٹھٹھہ فتح نہیں ہوتا تھا۔ میں خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا تھا لیکن وہ پاک دامن درمیان میں حائل ہو جاتی تھی۔ اب تین روز ہوئے کہ اس عورت نے جنت کی راہ لی اور امید ہے کہ ٹھٹھہ جلد فتح ہو جائے گا۔ اہل ٹھٹھہ کو معلوم ہوا کہ حضرت سید جلال الدین شاہی لشکر میں تشریف فرما ہیں تو ان کی خدمت میں متواتر پیامات روانہ کئے اور اپنی مصیبتوں کا اظہار کیا۔ حضرت سیدؒ نے بھی ان کی خاطر سلطان سے کہہ کر ان کو مطمئن کیا اور سلطان فیروز شاہ نے بھی اہل ٹھٹھہ کو ان کے مطالبات سے دوچند عطا فرمایا۔ (۲۴۱-۴۲)

ایک بار ۷۸۲ھ میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے دہلی کو اپنی آمد سے شرف بخشا۔ اس وقت سلطان فیروز شاہ سومانہ کی مہم میں دارالسلطنت سے باہر تھا۔ اس لئے حضرت سیدؒ کو سلطان کی ملاقات کے لئے دہلی میں دس مہینے رکنا پڑا۔ اس اثنا میں دہلی کے باشندے اور دوسرے مقامات کے لوگ خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے مذہبی اور روحانی فیوض حاصل کرتے رہے۔ مجلسوں میں کبھی درس وتدریس ہوتی، کبھی شرعی اور فقہی مسائل کی تشریح ہوتی، کبھی اخلاق ومعاشرت کو سنوارنے کی تعلیم دی جاتی اور کبھی صوفیانہ غوامض ودقائق بیان کئے جاتے۔ ان تمام ملفوظات کو حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ایک مرید سید علاؤالدین علی بن سعد حسینی نے جامع العلوم کے نام سے مرتب کیا تھا جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم ۸۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

سلطان کی عدم موجودگی میں وزراء اور شہزادے ہر قسم کی خاطر وتواضع میں لگے رہے۔ سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خان جہان قدم بوسی کے لئے آیا تو اثنائے گفتگو میں اس کو

نصیحت کی کہ وہ عدل و انصاف میں شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوڑے۔ خان جہان دوسری مرتبہ آیا تو بادشاہ کی طرف سے چونتیس جوڑے کپڑے لایا۔ حضرت مخدوم نے ان کو دیکھ کر فرمایا، اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا ورنہ بچوں کی والدہ کے لئے رکھ چھوڑوں گا۔ خان جہان نے قسم کھائی کہ مشروع ہیں۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کو جب اطمینان ہوگیا تو کپڑے قبول کر لئے اور فرمایا میں بادشاہ کا دیا ہوا کپڑا پہن لیتا ہوں کہ بادشاہ کا حکم بجا لانا واجب ہے۔ (الدرالمنظوم ص ۳۴۱)

دہلی ہی کے قیام کے زمانہ میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ایک بھائی سید صدرالدین سلطان فیروز شاہ سے جاکر شاہی لشکر میں ملے۔ وہاں سے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس آئے تو عرض کیا کہ سلطان نے ان کو ایک گاؤں، دو ہزار ٹنکے اور خلعت عطا کی۔

ایک بار ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ میں نے حج کی نیت کی ہے۔ آپ سلطان کو لکھ دیں کہ مجھ کو زادِ راہ عنایت کرے۔ یہ سن کر منشیوں کو فرمایا، سلطان کو لکھ دو۔ لیکن یہ بھی فرمایا کہ فقہ میں ہے کہ جو شخص بادشاہوں سے خرچ لے کر حج کو جاتا ہے، اس کا حج قبول نہیں ہوتا۔ (الدرالمنظوم ص ۳۵۵) اسی قیام کی مدت میں عیدالضحیٰ بھی آگئی۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے عیدالضحیٰ کا دن جس طرح گزارا اس کی تفصیل ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

عیدالضحیٰ کی صبح صادق ہوئی تو صبح کی نماز ادا کی۔ ننانوے اسمائے الٰہی کے ورد سے فارغ ہوئے تو طلوع آفتاب سے پہلے مصلے سے اٹھے۔ غسل فرمایا اور جب آفتاب کسی قدر بلند ہوا تو پالکی میں سوار ہو کر عیدگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ معتقدین بھی ساتھ تھے۔ تکبیر کہتے جاتے اور ہمراہیوں سے بھی تکبیر کہلواتے، راستہ آہستہ آہستہ طے کرتے، عیدگاہ کے قریب پہنچے تو پالکی سے اتر پڑے۔ تازہ وضو کیا، ریش مبارک میں کنگھی کی، پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ اس وقت تک کچھ زیادہ لوگ نہیں آئے تھے۔ محراب کے سامنے پہلی صف میں جاکر تشریف فرما ہوئے۔ معتقدین پیچھے بیٹھ گئے۔ فجر کی نماز کے بعد کے اوراد و وظائف پڑھتے رہے۔ خطیب نے آنے میں تاخیر کی، تو فرمایا، الفرعید

کی نماز جلد ہونی چاہیئے تاکہ قربانی جلد ہو اور جانور بے چارے قید میں نہ بندھے رہیں۔ ذبح ہو کر وہ اپنی منزل مراد کو پہنچ جائیں۔ پھر خادم خاص کو بلا کر کہا کہ داروغہ مطبخ سے تاکید کر دو کہ سلام پھیرتے ہی جا کر قربانی کرے تاکہ ہم یاروں کے ساتھ قربانی کے گوشت سے افطار کریں، اس لیئے کہ یہ مستحب ہے۔ اس اثنا میں سلطان فیروز شاہ کا وزیر خان جہان آیا اس کو دیکھ کر پوچھا کہ تمہاری قبا مشروع ہے۔ جواب دیا، مشروع ہے۔ پھر پوچھا کہ موئے بند سوتی ہے یا ریشمی۔ جواب دیا، سوتی۔ پھر فرمایا، تم اپنے بال کے جوڑے کھول کر آگے ڈال دینا ورنہ نماز مکروہ ہو جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم اپنے بال کو کھول دو، تاکہ وہ بھی تمہارے ساتھ سجدہ کریں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا بعض نادان ریشم کے کپڑے پہن کر نماز پڑھتے ہیں۔ ایسی نماز اس کے منہ پر ماری جاتی ہے۔ اسی درمیان میں سلطان فیروز شاہ کے قاضی القضاۃ صدر جہان نے قدم بوسی حاصل کی اور نماز کے بعد اپنے یہاں مدعو کیا۔ نماز شروع ہوئی تو خطیب سے دوسری رکعت کی تکبیروں میں سہو ہو گیا۔ نماز کے بعد علماء نے سہو کے بارہ میں حضرت مخدوم جہانیاں سے رجوع کیا۔ فرمایا، عیدین کی تکبیریں واجب ہیں۔ مناسب تو یہ ہے کہ نماز پھر سے پڑھی جائے لیکن مجمع کثیر ہے، اعادہ میں لوگوں کو زحمت ہو گی۔ اس لیئے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ خطیب کے خطبہ کے بعد حضرت مخدوم نے چار رکعت نماز اور پڑھی اور اپنے ہمراہیوں سے بھی پڑھوائی۔ ابھی وہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ دست بوسی کے لیئے لوگوں کا ہجوم ہوا ہر طرف ایک شور بپا ہو گیا۔ مشکل سے پالکی لائی گئی اور جب سوار ہو کر روانہ ہوئے تو لوگ پالکی کے ساتھ دوڑتے تھے۔ کوئی پالکی کو چومتا اور کوئی پالکی اٹھانے والوں کو چومتا۔ ہجوم زیادہ بڑھا تو خدام نے لوگوں کو منتشر کیا کہ ہجوم کی کثرت سے کوئی ہلاک نہ ہو جائے۔ صدر جہان بھی پالکی کے ساتھ ساتھ تھے اور جب ان کے گھر پہنچے تو وہاں ائمہ، علماء، قضاۃ، صدور اور دوسرے اکابر پہلے سے موجود تھے جنہوں نے اٹھ کر تعظیم کی۔ اثنائے گفتگو میں حضرت مخدوم نے صدر جہان کو مخاطب کر کے فرمایا، مکبر اکبار رمد کہتے ہیں۔ ان کو منع کرو۔ یہ لفظ کفر کا ہے۔ اکبار شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ پھر فرمایا، مستحب یہ ہے کہ مؤذن صاحب علم

اور مفتی ہو تاکہ فتویٰ بھی دے سکے۔ گفتگو مختلف موضوع پر ہوتی رہی۔ اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھی۔ اشراق پڑھ چکے تو صدر جہان نے شربت کا ایک پیالہ پیش کیا۔ شربت دیکھ کر فرمایا، عید الضحیٰ میں قربانی کے گوشت سے افطار کرنا سنت ہے۔ صدر جہان نے فوراً کباب کی ایک سیخ سینکوائی۔ اسی سے افطار کیا اور ہمراہیوں کو بھی افطار کرنے کو کہا۔ اس کے بعد صدر جہان نے دستر خوان بچھوایا۔ کھانے کے بعد تمام لوگ رخصت ہوئے۔

سلطان فیروز شاہ جب جہم سے واپس آیا تو اس نے شہزادہ محمود خان کو حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس بھیجا کہ جا کر ان کو شاہی محل میں لے آئے تاکہ ان کی زیارت جلد جلد ہو سکے۔ لیکن حضرت مخدوم کے ساتھ بہت سے لوگ تھے۔ اس لئے انہوں نے شاہی محل میں جانا پسند نہیں فرمایا۔ شہزادہ جب واپس رخصت ہونے لگا تو حضرت نے اس کو کلاہ پہنائی اور کچھ شیرینی بطور تبرک دی۔ سلطان فیروز شاہ نے پھر دوسرے شہزادوں و ارکان سلطنت کو بھیجا کہ وہ شاہی محل میں ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ اس اصرار کے بعد وہ شاہی محل میں منتقل ہو گئے۔ جہاں شہزادے اور عمائدین سلطنت برابر خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ایک روز شہزادہ مبارک خان اپنے لڑکوں کے ساتھ قدم بوسی کے لئے آیا تو اس کی ٹوپی پر نظر پڑی۔ فرمایا، ایسی ٹوپی پہننا روا نہیں۔ لڑکے بھی اسی طرح کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، یہ تو بچے ہیں۔ ان سے مواخذہ نہیں ہوگا لیکن ان کے ولی سے بازپرس ہوگی۔ (الدر المنظوم ۷۹۸ و ۸۰۱)

ایک روز جامع مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لے گئے تو مؤذن نے اذان میں اکبر کی جگہ "اکبار" کہا۔ فرمایا یہ کفر ہے۔ سید الحجاب اور صدر جہان کی توجہ اس طرف دلائی۔ سلطان کو خبر ہوئی تو مؤذن کو طلب کیا اور اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ مؤذن حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہی عتاب کا ذکر کیا۔ حضرت مخدوم نے اس کی دلجوئی کی اور فرمایا، میں سلطان سے کہوں گا کہ تمہاری روٹی موقوف نہ کرے لیکن اکبار نہ کہنا اور نہ حیّ علی الصلوٰۃ کے بجائے حیا علی الصلوٰۃ کہنا کیونکہ اس سے معنی بدل جاتے ہیں۔

کئی بار سلطان فیروز شاہ نے بھی حاضری دی۔ پہلی دفعہ آیا تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ

اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے، جب تک نماز پڑھتے رہے، سلطان کھڑا رہا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ سلطان نے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری پیش کی۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے ان پھولوں کو حاضرین میں تقسیم کر دیا۔ پھر سلطان کے آنے کا شکریہ ادا کیا اور دعائیں دیں۔ اس کے بعد ساتھیوں سے دو رکعت نفل نماز باجماعت ادا کرنے کو کہا۔ مولانا سراج الدین نے امامت کی۔ سلطان بھی جماعت میں شریک ہوا۔ نماز ختم ہو گئی تو حضرت مخدوم جہانیاں نے فرمایا، امام شافعیؒ کے نزدیک نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جا سکتی ہے۔ پھر فقہ کی کتاب "کافی" کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ؛ عبادات میں غیر کے مسلک پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اگر کوئی حنفی ہے تو شافعی کی عبادات میں شریک ہو سکتا ہے لیکن معاملات میں غیر مسلک پر عمل کرنا بالکل جائز اور درست نہیں۔ اس کے بعد سلطان سے نماز کی نیت، خانہ کعبہ کی زیارت، حضرت شیخ بہاؤ الدین کی بزرگی، خرقۂ مشائخ، دشمن نفس وغیرہ پر گفتگو رہی۔ اسی اثنا میں حضرت شیخ بہاؤ الدینؒ زکریا کے پوتوں اور دوسرے لوگوں کے لئے سلطان سے کہہ کر وظائف مقرر کرائے۔ جب سلطان رخصت ہونے لگا تو اس نے حضرت مخدوم جہانیاں سے اپنے پوتوں کے لئے دعا کرنے کو کہا۔ انہوں نے ان کے لئے وہی دعائیں کیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو دیا کرتے تھے۔ سلطان کو رخصت کرنے کے لئے حضرت مخدوم جہانیاںؒ نردبان سے نیچے آنا چاہتے تھے لیکن سلطان نے دست مبارک پکڑ کر نیچے آنے سے روکا۔ حضرت مخدوم نے کہا، تم جب مجھ سے ملنے آتے ہو تو کچھ تو تمہاری تعظیم کروں۔ سلطان نے کہا، واجب التعظیم تو آپ ہی ہیں میں تعظیم کا مستحق نہیں۔ سلطان جا چکا تو اس کے ساتھ آنے والے ارکانِ سلطنت بھی اسی طرح تعظیم و تکریم کا اظہار کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔

سلطان دوسری دفعہ آیا تو اس ملاقات میں کسی موقع پر حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے بعض اشعار پڑھے جو سلطان کو پسند آئے۔ ان کو خود بھی لکھا اور سید المحجاب سے بھی لکھوایا۔ وہ اشعار یہ ہیں ؎

همت بس بلند روزی کن ! | که من از تو همیں ترا خواهم
هر آنکو غافل از وے یکزمان ست | دراں دم کافر ست اما نهان است
مبادا غائبے پیوستہ باشد | در اسلام بر روے بستہ باشد
حضوری بخش اے پروردگارم | کہ من غائب شدن طاقت ندارم

فیروز آباد یعنی دہلی سے رخصت ہوتے وقت دو روز پہلے لوگوں کے ہجوم سے بچنے کی خاطر سلطان خانہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد سلطان سے ملے بعض فقہی مسائل پر گفتگو ہوئی۔ پھر لوگوں نے کچھ عرضداشتیں سلطان کی خدمت میں پیش کیں جن کو اُس نے قبول کیا۔ اسی اثنا میں سلطان خانہ میں آخری ملاقات کے لیئے لوگوں کا ہجوم بڑھا تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ایک دریچہ سے روئے مبارک نکال کر لوگوں سے فرمایا، السلام علیکم! میں نے تمہارے بھائی (یعنی سلطان) اور تمہارے دین کو خدا کو سونپا۔ تم بھی مجھ کو خدا کو سونپو۔ پھر لوگوں کے لیئے دعائیں کیں۔ اتوار کے روز اشراق کے بعد فیروز آباد سے نکل کر کوشک شکار عرف جہان نما آئے۔ اس وقت سلطان کی طرف سے کھانا آیا۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ایام بیض کا روزہ رکھا تھا لیکن اور لوگوں نے کھانا کھایا۔ اس موقع پر فرمایا، مقطع اور دوسرے ملوک کو رشوت دینا یا ان کی مالی مدد کرنا بالکل جائز نہیں۔ بادشاہ کے لیئے بھی یہ باتیں حرام ہیں۔ ہدیہ لینا روا بلکہ سنت ہے بشرطیکہ یہ ہدیہ رشوت نہ ہو، کسی احسان یا معاوضہ کی خاطر نہ دیا گیا ہو۔ صرف خدا کی خوشنودی کے لیئے پیش کیا گیا ہو۔ البتہ ہدیہ میں کفار کا کھانا قبول کرنا ممنوع ہے۔

کچھ لوگ ساتھ تھے، تہجد کے وقت ان کو رخصت کیا لیکن پھر بھی کچھ رہ گئے۔ چاشت کی نماز کے بعد چھوٹے شہزادے رخصت کرنے کے لیئے آئے۔ ان کے جسم پر ریشم کا لباس دیکھ کر فرمایا، ریشم کا لباس پہننا حرام ہے۔ اس لباس کے پہننے کا وبال چھوٹے شہزادوں کے ولی پر ہوگا۔ پھر ۱۰ محرم ۷۸۵ھ کی صبح کی نماز کے بعد اُچ کی طرف روانہ ہو گئے۔ بعض معتقدین نے قدم چومنا چاہا، لیکن چومنے

نہ دیا۔ (الدر المنظوم ص ۵۵ - ۱۵۱)

فیروز شاہ پر بزرگانِ دین کے اثرات ـــــ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی صحبت سے سلطان فیروز میں جو جلا ہوئی اُس کے اثرات اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ظاہر ہوتے رہے۔ وہ حضرت فریدالدینؒ گنج شکر کے نواسے شیخ الاسلام شیخ علاؤالدین کا مرید تھا لیکن اپنے تمام معاصر مشائخ و صوفیاء سے بھی بڑی عقیدت و محبّت کے ساتھ ملتا رہا۔ انہوں نے جو نصیحتیں کیں ان پر عمل کرنے کی بھی کوشش کی۔ شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے :-

"سلطان نے اپنے تمام عہدِ حکومت میں اولیائے کرام کی متابعت کی۔ آخر زمانے میں مخلوق بھی ہو گیا تھا۔ اس نے ہر وقت مشائخ کی پیروی کی اور ان کی محبّت کا دم بھرتا رہا۔" (ص ۳۷۱)

سلطان حضرت شرف الدین احمد منیریؒ، حضرت چراغ دہلیؒ اور حضرت قطب الدینؒ منور کے پند و نصائح سے بھی مستفیض ہوتا رہا۔ اور ان تمام بزرگانِ دین ہی کے فیوض و برکات کی وجہ سے اس میں شریعت و سنت کی پابندی کا جذبہ پیدا ہوا اور اُس نے اپنے دورِ حکومت میں شریعت کے احیاء اور بدعات کے قلع قمع کرنے میں پوری کوشش کی۔ اس سلسلہ میں اُس نے ایک رسالہ "فتوحاتِ فیروز شاہی" قلمبند کیا۔ اس کا آغاز اس طرح کرتا ہے :-

"حمد بے حد اور شکر بے شمار اس خالق غفور و شکور کا ہے جس نے مجھ بے چارے مسکین فیروز بن رجب محمد شاہ بن تغلق شاہ کے غلام کو سُنتِ رسولؐ کو زندہ کرنے، بدعتوں کو مٹانے، بُری باتوں کو دُور کرنے، حرام چیزوں کو روکنے اور فرائض و واجبات کی پابندی کی توفیق بخشی۔"

فیروز شاہ نے شریعت کی پابندی کی خاطر جو اقدام کیئے اس کی پوری تفصیل "فتوحاتِ فیروز شاہی" میں ملتی ہے۔ ایک جگہ رقمطراز ہے :-

"گزشتہ زمانے میں بیت المال میں نامشروع اور حرام مال جمع کیا جاتا تھا مثلاً ترکاریوں کی منڈی، دلالوں کے بازار، قصاب، طرب و نشاط، پھولوں کی فروخت، پان

غلّہ، مچھلی، صابون سازی، ریسمان فروشی، روغن گری، خشک چنے، تربازاری، قمار بازی، دادبیگی، چراگی وغیرہ پر چنگی لی جاتی تھی۔ ہم نے دفاتر دیوان کو ہدایت کر دی کہ ان تمام چونگیوں کی وصولی کو ختم کر دیں اور کوئی وصول کرے تو اس کو سزا دیں۔ بیت المال میں جو مال آئے وہ شرع مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتب دینیہ کے مطابق ہو اور وہ یہ ہیں۔ خراج اراضی، عشور، زکوٰۃ، جزیہ، لاوارثوں کا مال، غنیمت اور معدنیات کا خمس۔ اور جو مال کلام پاک کے حکم کے مطابق نہ ہو وہ بیت المال میں جمع نہ کیا جائے۔" (فتوحات فیروز شاہی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ ص ۶)

معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں اُس کی مساعی جمیلہ ملاحظہ ہوں:۔

"شہر کے مسلمانوں میں ایک ایسا رواج ہو گیا تھا جس کو اسلام جائز نہیں رکھتا ہے۔ متبرک دنوں میں عورتیں پالکی، چھکڑے، ڈولے، گھوڑے اور اونٹ پر سوار ہو کر اور پاپیادہ جوق جوق شہر سے باہر آتی تھیں اور مزاروں پر جاتی تھیں۔ بدمعاش اور اوباش لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کی خاطر ان عورتوں کو چھیڑ کر فتنہ و فساد پیدا کرتے۔ عورتوں کا باہر جانا شرعاً ممنوع ہے۔ ہم نے حکم دیا کہ کوئی عورت مزار کی زیارت کو نہ جائے۔ اگر کوئی جائے تو اس کو سزا دی جائے۔ حق تعالیٰ کی عنایت سے اب مخدرات اور مستورات باہر نہیں آتی ہیں اور نہ زیارت کو جاتی ہیں۔ اب یہ بدعت دور ہو گئی ہے۔" (فتوحات فیروز شاہی مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ)

کھانے پینے، لباس و پوشاک اور روزمرّہ کی دوسری چیزوں میں بھی شریعت کی پابندی کا لحاظ رکھتا۔ چنانچہ لکھتا ہے:۔

"گزشتہ زمانے میں دستور یہ تھا کہ چاندی اور سونے کے برتنوں کو دسترخوان پر استعمال کرتے تھے اور تلواروں کے قبضہ اور ترکش کو سونے سے مرصع کرتے تھے۔ اس کی ممانعت کر کے میں نے اپنے ہتھیاروں کو شکاری جانوروں کی ہڈی سے مرصع کیا۔ اور وہ برتن استعمال کئے جو شریعت میں جائز ہیں۔ گزشتہ زمانے میں یہ دستور تھا کہ کپڑوں پر تصویر بناتے تھے اور ان کو شاہی خلعت کے طور پر لوگوں کو پہناتے تھے۔ اسی

طرح لگام، زین، سواری کے پٹے، عود کی انگیٹھیوں، طشت، پیالہ، صراحی، لوٹا، خیموں، پردوں، تخت، کرسی اور تمام ساز و سامان پر تصویریں بناتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے حکم و ہدایت کی بنا پر میں نے حکم دیا کہ ان چیزوں سے تصویروں کو مٹا دیں اور جو چیزیں شریعت میں جائز ہیں اُن کو بنائیں اور گھروں اور محلوں اور دیواروں پر جو تصویریں بنائی گئی ہیں ان کو بھی مٹا دیں۔

اس سے پہلے بڑے لوگوں کا لباس ریشمی اور زردوزی کا ہوتا تھا جو شرعاً جائز نہیں۔ خدا کی توفیق سے تمام لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق ہو گئے۔ اور زردوزی کے جھنڈے، زربفت کی ٹوپیاں جن کا عرض چار انگلی سے زیادہ نہ ہو جائز قرار دی گئیں۔ اور جو لباس خلاف شریعت اور ناجائز تھے وہ مٹا دیئے گئے۔

مندرجہ بالا تمام حقائق کی تصدیق شمس سراج عفیف بھی کرتا ہے۔ اپنی "تاریخ فیروز شاہی" میں رقمطراز ہے :-

"سلطان فیروز شاہ نے خدا کی عنایت و مہربانی سے ممالک محروسہ سے تمام غیر مشروع امور کو جو خلاف احکام شرع ملک میں رائج تھے، دور کیا۔ فیروز شاہ نے ہر رسم و رواج کو جو خلاف شرع نظر آیا، قطعاً موقوف کر دیا۔

سلاطین کے خلوت خانہ میں مصور نقاشی کیا کرتے تھے تاکہ خلوت کے وقت بادشاہ کی نظر ان تصاویر پر پڑے۔ فیروز شاہ نے خوف خدا کی وجہ سے حکم دیا کہ اس خلوت خانہ میں اس قسم کی نقاشی نہ کی جائے بلکہ بجائے تصاویر کے باغات و مناظر قدرت کے نقش و نگار بنائے جائیں۔ سلاطین قدیم کے محلات میں لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کے بُت اور دوسری مورتیں رکھی جاتی تھیں۔ بادشاہ نے ان کو خلاف شرع خیال فرما کر ان کو دُور کیا۔ اسی طرح پہلے سلاطین سونے اور چاندی کے ظروف میں خورد و نوش کرتے تھے لیکن فیروز شاہ نے ان کو بھی خلاف شرع خیال کر کے اپنے یہاں سے علیحدہ کر دیا اور پتھر و مٹی کے برتن استعمال کرنے شروع کئے۔ اسی طرح مراتب کے علم و نشانات پر تصویریں بنائی جاتی تھیں۔ بادشاہ نے اس رسم کو بھی قطعاً موقوف کر دیا۔ وجہ یہ ہے کہ علماء و مشائخ ہر وقت بادشاہ کے قریب رہتے تھے اسی لئے

فیروز شاہ کو ہمیشہ مکروہ وحرام اشیاء و افعال کا علم رہتا تھا بلکہ یہ مقدس گروہ ممالک محروسہ کے ہر محصول کے متعلق جواز و عدم جواز کی رائے سے بادشاہ کو مطلع کرتا تھا اور فیروز شاہ ہر نامشروع محصول سے دست کش ہو جاتا اور اس طرح بے حد نقصان برداشت کرتا۔" (ص ۴۷۳)

فیاضی ـــــ بادشاہ یا معتقدین کی طرف سے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس ہدیے آتے تو اُن کو قبول کر لیتے۔ ایک موقع پر فرمایا، کہیں سے فتوح آجاتی ہیں تو میں قبول کر لیتا ہوں کیونکہ شیخ مکہ عبداللہ یافعیؒ و شیخ مدینہ عبداللہ مطری اور دوسرے مشائخ نے فرمایا کہ فتوح قبول کر کے دوسروں تک پہنچا دو اور کچھ اپنی ضرورت کے لئے بھی رکھو۔ اسی پر برابر عمل رہا۔

مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے تو ایران کے بادشاہ نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کئے، لیکن یہ تمام سکے ان ہمراہیوں کو دے دیئے جو مقروض تھے (ص ۴۶۶) شیراز ہی میں ایک شاگرد نے جو حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے مصابیح پڑھتا تھا، کئی ہزار دینار پیش کئے، لیکن یہ تمام دینار ان ہمراہیوں کے حوالے کر دیئے جن کو اپنی لڑکیوں کی شادیاں سرانجام دینی تھیں۔ (ص ۴۵۲)

رشد و ہدایت کے زمانہ میں دن بھر جتنی چیزیں آتیں رات تک تقسیم کر دی جاتیں، یہاں تک کہ خانقاہ میں پانی بھی نہیں رہتا۔ فرماتے ہیں ترک و تجرید باطن میں محبت پیدا کرتی ہے، پھر محبوب کے سوا کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی۔ (ص ۶۸۰) جب کوئی چیز پاس نہیں ہوتی، تو قرض لے کر مدد فرماتے۔ ایک بار ایک وظیفہ خوار سید شمس الدین مسعود عراقی نامی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آج ان کو وظیفہ نہیں ملا ہے۔ خادم خاص کو بلا کر پوچھا تو اُس نے کہا کہ ابھی تک کہیں سے فتوح نہیں آئی ہے۔ فرمایا بقال سے قرض لے کر وظیفہ دے دو۔ سید شمس الدین مسعود عراقی نے کہا کہ کافر سے قرض لینا مکروہ ہے۔ فرمایا، حاجت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے۔ (ص ۱۷۸) ایک بار ایک سید آئے۔ انہوں نے اپنے لئے کفن کا کپڑا مانگا۔ اس وقت کوئی کپڑا نہ تھا اور نہ دام تھے۔ جاڑے کا بستر موجود تھا۔ خادموں سے فرمایا جاڑے کا موسم ختم ہو چکا ہے۔ بستر سے روئی نکال لو اور کپڑا کفن کے لئے دے دو۔ روئی بیچ کر دام رکھ لو تاکہ درویشوں کے وظیفے کے لئے

کام آئے ۔ یہ کہہ کر نماز پڑھنے لگے ۔ خادم خاص نے ایسا ہی کیا اور کہنے لگا قطب عالم کیسی شفقت رکھتے ہیں ۔ پھر یہ آیت پڑھی وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعلمین ۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے یہ آیت سنی تو نماز توڑ دی اور فرمایا یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے کسی اور کے لئے نہیں ہو سکتی ہے ۔ (ص ۶۸۷)

ایک بار ایک عرب آیا ، اس نے کہا کہ میں لکھنوتی کی طرف جانا چاہتا ہوں ۔ مجھ کو زادِ راہ اور کپڑے دیجئے ۔ اسی وقت ایک مرید ایک طشت میں بھر کر مصری تحفۃً لایا ۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے عرب سے کہا کہ تم یہ لے لو ۔ اس نے لے لیا اور پھر کپڑے کا طلب گار ہوا ۔ جسم مبارک پر جو کپڑا تھا ، وہ کسی نے عاریۃً پہنا دیا تھا کہ وہ تبرک ہو جائے ۔ اس لئے عرب سے فرمایا کہ یہ کپڑے میری ملک ہوتے تو میں تم کو دے دیتا لیکن وہ عرب کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا ۔ خادموں نے اس پر غصے کا اظہار کیا ۔ عرب نے کہا اے مخدومؒ آپ کے خادم مجھ کو مارنا چاہتے ہیں ۔ فرمایا اگر وہ تمہیں ماریں تو مجھے مار ڈالنا ۔ میں نے اپنا خون تجھے معاف کیا اور اپنی گردن مبارک جھکا دی ۔ عرب یہ خلق دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور قدموں پر گر پڑا ۔ حضرت مخدومؒ نے اس کو اپنی بغل میں لے لیا اور اپنی ٹوپی پہنا کر رخصت کیا ۔ (ص ۱۸۷)

جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اس کا بدلہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور ادا کرتے ۔ ایک بار ایک معتقد نے سونے اور چاندی کے ٹنکے پیش کئے ۔ جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس کو اپنی بارانی دے دی اور فرمایا حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص تمہارے لئے کوئی ہدیہ لائے تو تم اس کو بدلہ ضرور دو ۔ اگر اس کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو تم اس کے لئے دعائیں کرتے رہو ، یہاں تک کہ تم کو یقین ہو جائے کہ ہدیہ کا بدلہ ہو گیا (ص ۵۸۶) جب کوئی ملنے آتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے ۔ فرماتے جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی ۔ کہیں سے کوئی مہمان آتا تو جب تک مقیم رہتا اس کے لئے کھانے پینے کا سامان اور نقد وظیفہ کا انتظام کر کے ایک حجرہ علیحدہ کر دیا جاتا ۔ (ص ۳۵)

خانقاہ اور قیام گاہ سے کبھی چیزیں چوری ہو جاتیں تو صبر و تحمل سے کام لیتے۔ ایک بار دہلی کے قیام کے زمانے میں کسی نے چادر چرالی۔ ایک معتقد نے کہا کہ چور کے لئے آپ بددعا کریں۔ بار بار چیز چرا لے جاتے ہیں۔ فرمایا، ہرگز بددعا نہ کروں گا بلکہ چور اگر آجائے تو میں چادر اس کو بخش دوں گا۔ میری بہت سی چیزیں مثلاً مٹکا اور مسجد وغیرہ چورا ٹھا کر لے گئے لیکن میں نے کبھی بددعا نہیں کی۔ (ص ۱۷۴)

غیر شرعی تعظیم سے پرہیز ــــــ معتقدین غایت تعظیم و تکریم میں پاؤں چومنے کی کوشش کرتے، لیکن چومنے نہیں دیتے۔ بعض مریدین تعظیم میں سجدہ کرنے کی کوشش کرتے، لیکن ان کو سجدہ کرنے نہیں دیتے۔ فرماتے غیر حق کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے۔ ہمارے مذہب میں سجدہ تحیت جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کے یہاں پیر، استاد، والدین اور خسر کے لئے سجدہ روا ہے لیکن ہمارا ہی مسلک صحیح ہے۔ ایک مرید نے مدح لکھی اور قطب عالم، شیخ الشیوخ اور سید السادات کے القاب لکھے۔ سن کر فرمایا، مجھ کو گدائے عالم کہو۔

معاصر صوفیاء کا احترام ــــــ ایک بار حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیریؒ نے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس کفش بھیجی جس کا مطلب تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اس کے بدلے میں اپنی دستار بھیجی جس سے مراد یہ تھی کہ آپ میرے سرتاج ہیں۔ (مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الشرف ص ۱۵۱) سمنان سے آکر حضرت جہانگیر سمنانی نے ان کی قدم بوسی کی تو بہت ہی شفقت سے ملے اور فرمایا، "ایک مدت کے بعد طالب صادق کی بُو ان کے دماغ نے پائی اور ایک عرصہ کے بعد سرداری و سیادت کے باغ سے نسیم چلنے لگی ہے۔" اس کے بعد حضرت جہانگیر کو بنگالہ حضرت شیخ علاؤ الدین لاہوری کی خدمت میں بھیجا۔ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۴، خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۰ اور مراۃ الاسرار میں ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے حضرت شیخ علاؤ الدین لاہوری کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی اور حضرت شیخ علاؤ الدین کا وصال ۸۰۰ھ میں ہوا۔) آخر میں حضرت شیخ جمال الدین بھی ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔ ان کے فضائل و مناقب کا ذکر ملفوظات

میں اکثر آیا ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے والد بزرگوار کو حضرت شیخ جمال الدین سے کچھ خلش تھی، لیکن حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اپنے عنفوانِ شباب میں درمیان میں پڑ کر یہ خلش دور کرا دی تھی۔ حضرت شیخ جمال الدین کی اولاد سے برابر شفقت و محبت سے پیش آتے رہے اور ان کے لئے فیروز شاہ سے وظائف بھی مقرر کرائے۔

سماع سے پرہیز کرتے اور فرماتے کہ سماع میں اختلاف ہے لیکن اس شخص کے لئے مباح ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے۔ (ص ۷۹۸)

(غیر مسلم خصوصاً ہندو خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے۔ ایک ہندو عورت مسلمان ہو کر ولیہ ہو گئی۔ تمام رات بیدار رہ کر عبادت کرتی اور اکثر مکہ معظمہ جا کر خانہ کعبہ کے طواف میں روحانی لذت حاصل کرتی۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ اُچ سے دہلی تشریف لاتے تو راستے میں بہت سے غیر مسلم ان کے دست مبارک پر اسلام لاتے)۔ (ص ۸۰۸ ۔ ۷۹۱)

ازدواجی زندگی ـــــ حرم محترم بھی بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔ ایک موقع پر فرمایا، لڑکوں کی ماں تہجد کے وقت مجھ سے پہلے اٹھتیں اور جب وہ تہجد کی نمازیں پڑھ لیتیں تو دعا گو کو بیدار کرتیں۔ بی بی ایسی ہی چاہیئے۔ ایک اور موقع پر ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ایک بار وہ عبادت میں مشغول تھیں کہ بیہوشوں کی طرح سجدہ میں گر پڑیں۔ جب ہوش میں آئیں تو سجدہ سے اٹھیں۔ میں نے اُن سے کہا جا کر وضو کر لو کیونکہ بیہوشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کہنے لگیں، مجھ کو بیہوشی نہ تھی۔ میں نے دل کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کو دیکھا، پھر تعظیم میں کیوں نہ سجدہ کرتی۔ بادشاہ مجازی کے لئے تو ہزاروں تعظیم کی جاتی ہے، بادشاہ حقیقی کی تعظیم سجدے سے کیوں نہ کرتی۔ (الدر المنظوم ص ۵۰)

بعض لڑکوں کے نام یہ تھے۔ سید شمس، سید ماہ، سید صدر الدین، سید ناصر الدین۔ ان کی قبریں سکر اور بھکر میں ہیں (دیباچہ الدر المنظوم) سید ناصر الدین کے متعلق مرآۃ الاسرار میں ہے:-

حضرت سید جلال کی بہت سی اولاد تھی۔ ان کے اکثر فرزند ولایت کے مرتبہ کو پہنچے

ان میں سے ایک شاہ جلال بھی تھے۔ جو اپنے بھائیوں کے جھگڑے کی وجہ سے اُچ سے قنوج آ گئے تھے اور اسی شہر میں سکونت اختیار کر لی۔ اپنے کشف و کرامات کی وجہ سے بڑی شہرت پائی۔ ان کے صاحبزادے بھی صوری و معنوی کمالات کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ قنوج اور نواح قنوج کے لوگ ان ہی کے سلسلۂ ارادت سے منسلک رہے۔ اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ حضرت کے بعض فرزند دہلی کے نواح شکارپور میں محو خواب ہیں۔ ان میں شاہ عمر، شاہ محمود اور شاہ کبیر بڑے صاحب کشف و کرامات تھے اور بہت مشہور ہوئے۔ حضرت کے ایک فرزند شاہ قطب عالم گجرات میں مدفون ہیں۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پوتے حضرت شیخ کبیرالدین بڑے صاحب دل تھے۔ ان کا شمار برگزیدہ اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔

وصال ـــــ لطائف اشرفی میں ہے کہ رحلت کے وقت اٹھتر سال ایک مہینہ اور چھبیس روز کے تھے۔ سال وفات ۷۸۵ھ ہے۔ چہار شنبہ کا دن تھا۔ اسی روز عیدالضحیٰ بھی تھی۔ عیدالضحیٰ کی نماز پڑھ کر طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور غروب آفتاب کے وقت مالک حقیقی سے جا ملے۔ (ج اول ص ۳۹۲) مزار اقدس اُچ شریف میں ہے، جو ریاست بہاولپور میں ملتان سے ستر میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں واقع ہے۔

ملفوظات ـــــ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے مختلف ملفوظات کے مجموعوں کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ خزانہ جلالی ۲۔ سراج الہدایہ ۳۔ جامع العلوم۔

خزانہ جلالی کا ذکر تذکروں اور کتب خانوں کی فہرستوں میں ہے۔ (فہرست مخطوطاتِ فارسی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۵۷۶) لیکن یہ مجموعہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ سراج الہدایہ کا ایک قلمی نسخہ ریاست رامپور کے کتب خانہ میں ہے۔ اس کے مرتب کا نام احمد برنی ہے، جو حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے مرید تھے۔ اس میں ۷۶۲ھ کے دس مہینوں کے ملفوظات ہیں جو حسب ذیل مختلف ابواب میں منقسم ہیں۔

باب اوّل دربیان احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ، باب دوم دربیان روایت پیر و مرید گرفتن و مسائل دینی ۔ باب سوم دربیان فوائد و احکام شرع جملہ بصحت کتب و قصہ قوم لوط[۲] باب چہارم حکایات ۔ باب پنجم دربیان قصص انبیاء دبیان دُعا و نماز برائے برآمدن حاجت باب ششم دربیان احادیث مصابیح ۔ باب ہفتم و ہشتم دربیان اشعار عربی و نظم و فضائل سورہ فاتحہ باب نہم مسائل متفرقہ ۔

تمام ملفوظات میں سب سے زیادہ مفید ، دلچسپ اور مفصل جامع العلوم ہے ۔ جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں بار بار آچکا ہے ۔ اس میں دہلی کے قیام ۸ ربیع الآخر ۷۸۱ھ سے ۱۷ محرم ۷۸۲ھ تک کے ملفوظات ہیں ۔ اس کا اُردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم کے نام سے مولوی ذوالفقار احمد نقوی نے نواب سید نور الحسن صاحب کی فرمائش پر کیا جو مطبع انصاری دہلی میں چھپا اور ۵۸۵ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس میں تصوف کے تمام حقائق و معارف ہیں ۔ ان کے علاوہ بکثرت ایسے شرعی فقہی ، اخلاقی اور معاشرتی مسائل بھی ہیں جن کے مطابق ایک مسلمان آج بھی اپنی روزمرہ زندگی کو روحانی ، مذہبی اور اخلاقی طور پر سنوار سکتا ہے ۔

تعلیمات ـــــ گزشتہ صفحات میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی زندگی کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے ان سے ان کی تعلیمات کا اندازہ ہوگا ۔ ملفوظات میں ایسے اوراد و وظائف بکثرت ہیں جن کی مداومت سے روحانی مدارج طے کئے جاسکتے ہیں ۔ ان میں بعض خاص خاص باتوں کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔

فقر کے لئے حسب ذیل پچاس چیزیں ضروری بتائی ہیں ۔ ۱ ۔ توبہ ۲ ۔ علم ۳ ۔ حلم ۴ ۔ عقل ۵ ۔ معرفت ۶ ۔ عافیت ۷ ۔ رحمت ۸ ۔ قناعت ۹ ۔ صدق ۱۰ ۔ یقین ۱۱ ۔ عبادت ۱۲ ۔ ذکر ۱۳ ۔ زہد ۱۴ ۔ تقویٰ ۱۵ ۔ توکل ۱۶ ۔ تفکر ۱۷ ۔ رجا ۱۸ ۔ صبر ۱۹ ۔ شکر ۲۰ ۔ سخاوت ۲۱ ۔ خلوت و عزلت ۲۲ ۔ رضا ۲۳ ۔ اخلاص ۲۴ ۔ بے چارگی ۲۵ ۔ اخلاق ۲۶ ۔ تواضع ۲۷ ۔ خوف ۲۸ ۔ اعتقاد ۲۹ ۔ افلاس ۳۰ ۔ تحمل ۳۱ ۔ شوق ۳۲ ۔ تجرد ۳۳ ۔ لطف ۳۴ ....[۱]

---

[۱] سراج الہدایہ کے قلمی نسخہ میں الفاظ پڑھے نہیں جاسکے ۔

۳۵۔ خشوع ۳۶۔ ......[1] ۳۷۔ ......[2] ۳۸۔ ریاضت ۳۹۔ شرف ۴۰۔ ......[3]
۴۱۔ سرمستی ۴۲۔ ہیبت ۴۳۔ محبت ۴۴۔ ......[4] ۴۵۔ وصل ۴۶۔ قرب ۴۷۔ ادب
۴۸۔ اشتیاق ۴۹۔ تسلیم ۵۰۔ دیدار۔

اگر مندرجہ بالا تمام چیزیں حاصل نہ ہو سکیں تو حسب ذیل چیزوں کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔ ۱۔ توبہ ۲۔ توکل ۳۔ حمد ۴۔ صبر ۵۔ شرم ۶۔ زہد ۷۔ قناعت ۸۔ تسلیم ۹۔ صدق ۱۰۔ رضا ۱۱۔ دیدار ۱۲۔ تفکر ۱۳۔ ہیبت ۱۴۔ شکر ۱۵۔ عصمت۔ اگر یہ بھی حاصل نہ ہوں تو پھر مندرجہ ذیل چیزیں اختیار کی جائیں۔ ۱۔ توبہ ۲۔ عبادت ۳۔ زہد ۴۔ صبر ۵۔ عرفان ۶۔ شکر ۷۔ توکل ۸۔ طلب دوست۔ ان میں سے ہر ایک صفت ایک ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے۔ اگر یہ چیزیں بھی حاصل نہ ہوں تو ایک سالک کے لئے سجادہ پر بیٹھ کر مشائخ کے گروہ میں شامل ہونا کسی طرح جائز نہیں۔

فقر کے ابتدائی دور میں مذکورہ بالا چیزوں کے حاصل کرنے میں مشکلات درپیش ہوں تو دل سے حسب ذیل چیزوں کو دُور کرنا چاہیئے۔ ۱۔ غصہ ۲۔ حسد ۳۔ بخل ۴۔ عجب ۵۔ نفاق ۶۔ شہرت پسندی ۷۔ حرام چیزوں کے کھانے، پینے، لینے، سننے اور دیکھنے کا خیال ۸۔ کاہلی ۹۔ انتقام۔ ان کو دُور کر کے تواضع اختیار کرنا چاہیئے (سراج الہدایہ)

ذکر کے لئے چار شرطیں ضروری ہیں ۱۔ تصدیق: یعنی جو کچھ ذاکر کی زبان پر ہو اس کا یقین اس کے دل سے بھی ہو۔ اگر یہ تصدیق نہیں تو ذاکر منافق ہے۔ ۲۔ تعظیم۔ یعنی زبان پر جو کچھ ہو اس کی عظمت بھی دل میں ہو۔ اگر یہ تعظیم نہیں تو ذاکر بدعتی ہے ۳۔ حلاوت یعنی ذاکر ذکر سے پوری لذت اٹھائے ورنہ وہ ریاکار ہے۔ ۴۔ حرمت۔ اگر ذکر کے وقت اس کی حرمت کا خیال نہ ہو تو ذاکر فاسق ہے۔

راہِ سلوک میں مختلف قسم کی گھاٹیاں آتی ہیں۔ پہلی گھاٹی دنیا ہے۔ جب سالک راہِ سلوک میں گامزن ہوتا ہے تو دنیا کہتی ہے تو کہاں جاتا ہے۔ لوٹ آ، میرے پاس کتنے لذائذ ہیں۔ یہ میوے، یہ کپڑے، یہ عورتیں ہیں، ان کو چھوڑ کر کہاں جاتا ہے۔ لیکن سالک ان سے منہ موڑ کر ان کو محض فانی چیزیں سمجھتا ہے، تو وہ منزلِ مقصود کی

[1] [2] [3] [4] سراج الہدایہ کے قلمی نسخہ میں الفاظ پڑھے نہیں جا سکے۔

طرف بڑھتا ہے ۔ ایک سالک کو ہمیشہ حق تعالیٰ سے التجا کرتے رہنا چاہئے کہ ان گھاٹیوں سے پار کر دے ۔ (الدر المنظوم ص ۱۰۱)

سالک کے دو مقامات ہیں ۔ ابتدا اور انتہا ۔ مقام ابتدا توبہ ہے ۔ توبہ دو طرح کی ہے ۔ ایک تو یہ کہ شریعت و طریقت کی معصیتوں سے توبہ کرے ۔ یعنی حرام ، مکروہ چیزوں بے ادبی اور اخلاق ذمیمہ سے پرہیز کرے ۔ دوسرے ماسوائے اللہ سے توبہ کرے ۔ مقام انتہا تمکین مع اللہ ہے اور یہ قدیم یعنی باری تعالیٰ کو حاصل کرنے اور محدث یعنی دنیا کو چھوڑ دینے سے حاصل ہوتا ہے ۔ وہ شخص کبھی غافل نہیں جو نعمتوں سے لطف اٹھائے اور نعمتوں کے دینے والے یعنی باری تعالیٰ سے غافل ہو جائے ۔ (الدر المنظوم)

ان مقامات کو طے کرنے کے ایک سالک میں تین حالتیں پیدا ہوتی ہیں ۔ سلوک ، وقوف ، رجوع ۔ سلوک سے مراد وہ حالت ہے جس سے منزل مقصود کے مقامات طے ہوتے ہیں ۔ ان مقامات کو طے کرنے میں توقف بھی ہوتا ہے جس کو وقوف کہتے ہیں ۔ سالک جب کسی مکروہ یا حرام چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے یا اس میں کسل پیدا ہو جاتا ہے یا وہ دنیا سے اختلاط شروع کر دیتا ہے تو پھر مقامات طے نہیں ہوتے ۔ وقوف کا علاج رجوع ہے ۔ یعنی سالک کو صابر و شاکر رہ کر پھر ایک بار تائب ہونا چاہیئے اور وقوف کو دور کرنے کے لیے مفید مشاغل مثلاً درس و تدریس ، امامت مساجد ، کسب مکاسب اور تعلیم صبیان اختیار کر لینا چاہیئے ۔ لیکن ان مشاغل میں اللہ اور اس کے رسول ؐ کے احکام کو بجا لانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو ۔ (الدر المنظوم ص ۲۵۸)

ایک سالک کی چار منزلیں ہیں ۔ ناسوت ، ملکوت ، جبروت ، لاہوت ۔ منزل ناسوت نفس کی جگہ ہے ۔ جب ایک سالک کے نفس سے اوصاف ذمیمہ زائل ہو جاتے ہیں ، تو وہ عالم ملکوت میں پہنچتا ہے ۔ یہ دل کی جگہ ہے جس میں فرشتوں کی صفتیں پائی جاتی ہیں ۔ اس منزل سے گزر کر سالک عالم جبروت میں پہنچتا ہے جو روح کی جگہ ہے ۔ اس میں روح کی وہ تمام صفتیں پائی جاتی ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات سے قریب کرتی ہیں ۔ اس منزل کے بعد لاہوت ہے جہاں "خود" سے رہائی حاصل ہو جاتی ہے ۔

یہ تمام منزلیں نفس، دل اور رُوح کے ذریعہ سے طے ہوتی ہیں۔ نفس شیطان کی جگہ ہے، دل فرشتوں کا مقام ہے اور رُوح "محل نظرِ رحمان" ہے۔ جو نفس کی پیروی کرتا ہے وہ دوزخ کی آگ میں جلتا رہے گا۔ جو دل کی متابعت کرے گا اس کو جنت نعیم حاصل ہوگی اور جو رُوح کی فرمانبرداری کرتا ہے اس کو خداوند کریم کے پاس جگہ ملے گی۔ (الدر المنظوم)

جس کو معرفت حاصل ہوتی ہے وہ خداوند تعالیٰ کی حکمت کے لطائف اور اس کی محبت کے حقائق سے واقف ہو جاتا ہے یہ معرفت کا نور ہر قسم کے انوار پر غالب آتا ہے، نہ اس پر گناہوں کی تاریکیاں چھا سکتی ہیں، نہ اس کو شہوتوں کی خواہشیں کثیف بنا سکتی ہیں، نہ اس کو افکار اور غفلت کا غبار چھپا سکتا ہے۔ (الدر المنظوم ص ۲۳۲)

خلفاء ـــــ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رح نے اپنے آپ کو حضرت مخدوم جہانیاںؒ کا بھی خلیفہ بتایا ہے۔ بعض دوسرے خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

سید صدر الدین راجو قتال، حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے سگے بھائی تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت میں صاحب کرامت ہوئے۔ وفات ۸۲۷ھ میں ہوئی۔ مزار دہلی میں ہے۔

شیخ اخی راجگیری۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ "حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ مخدوم انہیں اخی کے خطاب سے یاد فرماتے تھے۔ سرکار اودھ کے پرگنہ دریا باد میں شمال موضع زہران کا وطن تھا۔ خرقۂ خلافت پانے کے بعد قنوج کے علاقہ کی ولایت پائی اور جب وہاں پہنچے تو حلقۂ عقیدت مندان بہت زیادہ بڑھ گیا اور وہاں سے دریائے گنگا کے کنارے واقع موضع راجگیر میں رہائش اختیار کی۔"

حضرت سید علم الدین، سادات ترمذی تھے۔ قنوج وطن تھا۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے مرید ہو کر ان کے حکم کے بموجب جونپور آئے اور سلطان ابراہیم شرقی کی ملازمت میں منسلک ہو کر امراء میں داخل ہوئے۔ پرٹہ بلاوٗں (؟) جاگیر میں ملا۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ "حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے کامل ترین مرید و خلیفہ تھے۔" (ج ۲ ص ۶۴)

شیخ سراج الدین، حافظ قرآن تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ان کے پیچھے برسوں نماز پڑھی (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۸) وفات ۸۳۰ھ میں ہوئی۔ مزار کالپی

ہیں ہے۔

سیّد اشرف الدین مشہدی، شیخ بابو تاج الدین بکری، سیّد محمود شیرازی، سیّد سکندر بن مسعود، سیّد علاؤ الدین بن سیّد حسینی (مرتب جامع العلوم) سیّد شرف الدین ساجی اور مولانا عطاء اللہ بھی اکابر خلفاء میں تھے۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۲)

حضرت

سیّد اشرف جہانگیر سمنانیؒ

وطن و خاندان
تعلیم
اورنگ نشینی
ترکِ سلطنت
سفر
بیعت
فیوض
اربابِ ثروت کی اصلاح
بلادِ اسلامیہ کی سیاحت
سفرِ آخرت
رُوحانی مرتبہ
علمی مرتبہ
تعلیمات

سید محمد اشرف اسم گرامی اور جہانگیر لقب تھا۔

آل سمنان میں تھے۔ ولادت باسعادت سمنان میں ہوئی۔ والد بزرگوار محمد ابراہیم سمنان کے سلطان[1] تھے۔ والدہ ماجدہ خدیجہ بیگم خواجہ احمد یسوی کی لڑکی تھیں۔ ان کے زہد و عبادت کا حال یہ تھا کہ ان سے تہجد کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ پوری رات عبادت میں گزارتیں اور صائم الدہر[2] رہیں۔

تین بہنوں کے بعد حضرت ابراہیم مجذوب کی دعاؤں کی برکت سے حضرت سید اشرف پیدا ہوئے۔ سات سال کے ہوئے تو سات قرائتوں کے ساتھ کلام پاک حفظ کیا۔ چودہ سال کی عمر میں معقولات و منقولات کی تعلیم ختم کی جس سے تمام عراق میں مشہور ہو گئے۔

اورنگ نشینی —— والد بزرگوار کی وفات کے بعد سمنان کی عنان حکومت سنبھالی۔ ان کے زمانۂ حکومت کے عدل و انصاف کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔ لطائف اشرفی کے مؤلف نے اس عدل و انصاف کا ذکر اشعار میں کیا ہے۔

چو اورنگ سمنان بدو تازہ گشت — جہان از عدالت پُر آوازہ گشت
بدوران عدلش ہمہ روزگار — گلستان شدہ عدل آورد بار
زہے عدل و انصاف آن دادگر — کہ بر میش گرگے نہ بندد نظر

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۷۸ ۔ [2] ایضاً ج ۲ ص ۹۰

بشاہین زند بال بازی کلنگ — کبوتر سوئے باز آورد جنگ
اگر فیل بر فرق موری گزر — کند مور بر فیل آرد نظر
کہ ایں دور سلطان اشرف بود — چساں ظلم تو بر سرِ من آورد

ترکِ سلطنت — حکومت کے زمانہ میں بھی حضرت سید محمد اشرف فرائض و سنن اور واجبات و نوافل کے پابند تھے۔ راہِ سلوک کی طرف طبیعت صغر سنی سے مائل تھی۔ اس لئے خواب میں بزرگانِ دین ہی کو دیکھتے اور ان سے فیوض حاصل کرتے۔ بالآخر ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خضرؑ فرما رہے ہیں کہ سلطنت الہٰی چاہتے ہو تو یہ دنیا وی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ۔ اس خواب کے بعد والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ والدہ نے فرمایا تمہاری پیدائش سے پہلے میرے والد بزرگوار نے بشارت دی تھی کہ میرے گھر میں ایک فرزند پیدا ہوگا جس کے نورِ ولایت سے تمام عالم منور ہوگا۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ وقت آپہنچا، سفر مبارک ہو۔

والدہ ماجدہ کی اجازتِ سفر کے بعد سلطنت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے (لطائف اشرفی ص ۹۳-۹۲) تین منزل تک بارہ ہزار سپاہی اور نورچی رخصت کرنے آئے۔ یہاں سے وداع ہو کر حضرت سید محمد اشرف ماوراء النہر ہوتے ہوئے بخارا پہنچے۔ بخارا سے سمرقند آئے۔ سمرقند تک کچھ گھوڑے سواری میں ساتھ تھے لیکن ان گھوڑوں سے راحت کے بجائے رسوائی محسوس کی۔ اس لئے فقراء کو دے دیئے۔ سمرقند سے اوچ وارد ہوئے جہاں حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاںؒ جہاں گشت کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت جہانیاںؒ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا:

"ایک مدت کے بعد طالبِ صادق کی بُو ان کے دماغ نے پائی ہے۔ اور عرصہ کے بعد سرداری و سیادت کے باغ سے نسیم چلنے لگی ہے۔ اے میرے عزیز! مبارک ہو کہ تم ایک بہت جواں ہمت برخوردار ثابت ہوئے ہو۔ جلد راہِ سلوک میں قدم رکھ دو کہ برادرم علاؤ الدین تمہارے پہنچنے کے منتظر ہیں۔ دیکھنا کہیں راستے میں ہی نہ رُک جانا۔"

حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے فیض یاب ہو کر دہلی میں نزول اجلال فرمایا۔ یہاں کے مشائخ سے متمتع ہو کر بہار کی طرف رُخ کیا۔ قصبہ بہار شریف اس وقت پہنچے جب حضرت مخدوم الملک شرف الدینؒ احمد منیری کا جنازہ رکھا ہوا تھا۔ حضرت مخدوم نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز وہی شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارک مملکت ہو اور سات قرأتوں کا قاری ہو۔ یہ تمام شرطیں حضرت سید محمد اشرف میں موجود تھیں۔ اس لیے انہی نے حضرت مخدوم الملک کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ کچھ دنوں حضرت مخدوم کے مزار اقدس پر مراقبہ کر کے روحانی فیوض و برکات بھی حاصل کیے۔ اس کے بعد بنگالہ کی طرف آگے بڑھ گئے۔ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۴)

بیعت ــــ اس زمانہ میں اہل بنگالہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت شیخ علاءالدینؒ علاءالحق بن السعد الاہوری بنگالی کی مذہبی و روحانی تعلیمات سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ یہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کے مشہور خلیفہ حضرت شیخ سراج الدین اخی عثمان کے خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ علاءالدینؒ کے خاندان کے لوگ وزارت اور دوسرے بڑے بڑے شاہی عہدوں پر مامور تھے لیکن خود انہوں نے درویشی اختیار کی تھی۔ جید عالم بھی تھے۔ اس لئے مذہبی اور روحانی تعلیمات کے لیے ان کے پاس لوگ بکثرت آتے۔ ان کی سخاوت بھی مشہور تھی۔ ان کی خانقاہ کے اخراجات پر سلاطین کو بھی رشک ہوتا تھا۔ روضہ پنڈوہ شریف (ضلع مالدہ) میں ہے۔ لیکن قیام سنار گاؤں اور بنگال کے دوسرے مقامات پر بھی رہا۔ (تفصیل کے لئے اخبار الاولیا ص ۱۳۵ دیکھیں) لطائف اشرفی (ج ۲ ص ۹۵) میں ہے کہ حضرت سید اشرف کے آنے سے پہلے حضرت علاءالدین نے اپنے مریدوں کو بشارت دی تھی کہ "وہ شخصیت جس کا دو سال سے انتظار ہے اور جس کے شرف ملاقات کے لئے ہم چشم براہ ہیں، آج کل میں پہنچ رہے ہیں۔" اور جب حضرت سید اشرف پنڈوہ کے قریب پہنچے تو حضرت علاءالدین قیلولہ فرما رہے تھے۔ لیکن یکایک بول اٹھے، "بُوئے یار می آید۔" اور اس محافہ پر جو حضرت سراج الدین اخی سے ان کو ملا تھا، شہر سے باہر نکلے۔ شہر سے باہر جاتے دیکھ کر مریدوں اور معتقدوں کا ہجوم بھی اُن کے ساتھ

ہو گیا۔ بعض پا پیادہ اور بعض گھوڑوں پر سوار تھے۔ حضرت سیّد اشرف کے استقبال کے لئے یہ جلوس شہر سے ایک کوس باہر گیا۔ جب حضرت سیّد اشرف کی نظر حضرت شیخ علاء الدینؒ پر پڑی تو دُور سے دوڑے اور ان کے قدموں پر جا گرے۔ حضرت شیخ علاء الدین نے والہانہ انداز سے ان کو اٹھا کر گلے سے لگایا اور فرمایا :

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے	بامیدے رسد امیدوارے

(ترجمہ : یہ کیسا دل خوش کن خیال ہے کہ طویل انتظار کے بعد انتظار کرنے والا کامران و بامراد ہوا۔)

حضرت علاء الدین کے محافہ خاص پر حضرت سید محمد اشرف خانقاہ تشریف لائے جہاں ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی گئی۔ اور جب مرشد نے بیعت سے مشرف کیا تو حضرت سید محمد اشرف نے فی البدیہہ یہ اشعار کہے ؎

نہادہ تاج دولت بر سرِ من	علاء الحق والدین گنج نابات
زہے پیرے کہ ترک از سلطنت ام	برآوردہ مرا از چاہ آفات

(ترجمہ : حق اور دین کو سربلند کرنے والے، شیرینیوں کے خزانے نے مجھے تاج اور دولت سے سرفراز فرمایا۔ کیا کہنے اس پیر و مرشد کے جس نے مجھے آفات کے (اندھے) کنوئیں سے نکالا۔)

مرشد کی خدمت میں بارہ سال رہے۔ خرقۂ خلافت کے علاوہ ان ہی سے جہانگیر کا لقب پایا۔ خود فرماتے ہیں ؎

مرا از حضرتِ پیر جہان بخش	خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر
کنون گیرم جہانِ معنوی را	کہ فرمان آمد از شاہم جہانگیر

(ترجمہ : ایک دنیا بخش دینے والے مرشد کی طرف سے مجھے (فقیر) کو "اشرف جہانگیر" کا خطاب ملا ہے۔ اس (پیر معنی) عنایت کا مطلب میں اب سمجھا ہوں کہ مرشد کی طرف سے "جہانگیری" کا حکم نامہ جاری ہوا ہے۔)

ایک موقع پر حضرت اشرف جہانگیر کمر باندھ رہے تھے کہ مرشد نے پوچھا، کیا

کر رہے ہو؟ حضرت جہانگیر نے جواب دیا۔ "میان برائے خدمت می بندم" یعنی خدمتِ خلق کے لئے کمر کس رہا ہوں۔ مرشد نے فرمایا "اگر می بندی محکم بر بند کہ ہیچ درمیان نداری" یعنی اگر کمر کس رہے ہو تو مضبوط کسو تاکہ پھر درمیان میں کوئی چیز باقی نہ رہے۔ حضرت اشرف جہانگیر نے عرض کیا "آرزوئے نفس از میان بیرون کشیدہ ام تا زندہ ام" یعنی اپنی میان سے نفس کی آرزو کو دور کر دیا ہے جب تک زندہ ہوں نفس کی آرزو کو دور رکھوں گا۔ مرشد نے یہ سن کر فرمایا "مبارک باد" (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۰)

جب ہر قسم کے روحانی فیوض سے متمتع ہو چکے تو مرشد نے اپنے جلیل المرتبت خلیفہ کو نواح جونپور کی طرف جانے کا حکم دیا۔ حضرت جہانگیر دل پر جبر کر کے مرشد سے رخصت ہوئے۔ سفر میں اونٹوں اور گھوڑوں کی کافی تعداد ساتھ رہی۔ راستے میں لوگوں نے ان کی درویشی میں یہ امارت دیکھ کر اعتراض کیا تو فرمایا "میخ طویلہ در گل زدہ ام نہ در دل" ترجمہ: (یہ اونٹ اور گھوڑے جو آپ دیکھ رہے ہیں) ان کو باندھنے یعنی محفوظ کرنے کے لئے جو میخ گاڑی ہے وہ زمین میں گاڑی ہے اپنے دل میں نہیں۔

سیر ہوتے ہوئے قصبہ محمد آباد گہنہ (اعظم گڑھ) پہنچے۔ یہاں کے تمام علماء و فضلا ملنے آئے تو رسولؐ کے چار یار پر گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اشرف جہانگیر نے خلفائے راشدینؓ کی مدح میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ اس میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی مدح دیگر خلفاءؓ سے نسبتاً زیادہ کی تھی۔ محمد آباد گہنہ کے علماء نے اس پر بحث کرنی شروع کی اور حضرت جہانگیر پر رفض کا الزام عائد کیا۔ دوسرے دن جمعہ تھا۔ جمعہ کی نماز کے بعد علماء کا محضر ہوا۔ انہوں نے حضرت اشرف جہانگیر کے خلاف فتویٰ دیا لیکن قصبہ کے مفتی اور سر حلقۂ علماء مولانا سید خان نے تمام علماء سے اختلاف کیا۔ اور حضرت جہانگیر کی حمایت میں کہا کہ وہ سید ہیں۔ اگر انہوں نے اپنے جدِ امجد کی شان میں کچھ اچھے کلمات استعمال کئے تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر علماء شرمندہ ہوئے۔ حضرت اشرف جہانگیر نے سید خان کو دعائیں دیں۔ رفتہ رفتہ دوسرے علماء بھی حضرت اشرف جہانگیر کی بزرگی کے قائل ہوتے گئے۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۸)

غالباً محمد آباد گہنہ سے ظفر آباد پہنچے۔ یہاں پہلے تو لوگوں کا سلوک اچھا نہ رہا لیکن بالآخر ان کی بعض کرامتیں دیکھ کر لوگ ان کی طرف ملتفت ہوئے۔ یہیں حضرت شیخ کبیر سرور پوری مرید ہوئے۔ جو بڑے صاحب علم اور صاحب ثروت تھے اور آگے چل کر حضرت اشرف جہانگیر کے محبوب خلیفہ ہوئے۔ کچھ دنوں بعد حضرت جہانگیر ظفر آباد سے جونپور آئے اور وہاں کی ایک مسجد میں نزول اجلال فرمایا۔ ان کی تشریف آوری پر قاضی شہاب الدین دولت آبادی ملنے آئے۔ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۲-۱۰۳)

قاضی شہاب الدین اپنے زمانہ کے بڑے جید عالم تھے۔ ان کو اپنے زمانہ میں جو شہرت اور مقبولیت حاصل تھی اُن کے معاصر علماء میں کسی اور کو نہ ہوئی۔ اصل وطن تو غزنی تھا لیکن دولت آباد دکن میں نشو و نما پائی۔ دہلی آکر اس عہد کے ممتاز علماء مثلاً قاضی عبدالمقتدر اور مولانا خواجگی دہلوی سے مختلف قسم کے علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی۔ قاضی عبدالمقتدر کو ان کی ذات پر فخر تھا۔ ان کے بارہ میں ایک بار فرمایا کہ میرے یہاں ایک طالب علم آیا ہے جس کا پوست بھی علم ہے، مغز بھی علم ہے اور استخوان بھی علم ہے۔ امیر تیمور کے ہنگامہ کے زمانہ میں مولانا شہاب الدین نے دہلی کو خیرباد کہا۔ سلطان ابراہیم شرقی کی دعوت پر جونپور پہنچے۔ سلطان نے ان کی بڑی تعظیم و توقیر کی اور قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور کیا۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ مثلاً (۱) شرح کافیہ: جو شرح ہندی کے نام سے ان کی زندگی ہی میں بہت مقبول اور مشہور ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ملا عبدالرحمٰن جامی نے جب کافیہ کی شرح لکھی اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ ملا جامی نے میری شرح ہندی کا خلاصہ لکھا ہے۔ ۲۔ ارشاد در نحو۔ جو ایک نئے طرز پر نحو کی ایک کتاب ہے۔ ۳۔ بدیع البیان۔ علم بلاغت پر ایک رسالہ ہے۔ ۴۔ بحر المواج۔ یہ فارسی زبان میں کلام پاک کی ایک تفسیر ہے۔ ۵۔ اصول ابراہیم شاہی۔ اس میں عربی زبان میں اصول شرع پر بحث ہے۔ یہ ابراہیم شاہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ ۶۔ رسالہ در تقسیم علوم ۷۔ رسالہ در صنائع (بزبان فارسی) شعرگوئی میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ (اخبار الاخیار ص ۱۶۹، خزینۃ الاصفیا ج ۲ ص ۳۹۰)

قاضی شہاب الدین جب حضرت اشرف جہانگیر سے ملے تو ایسے گرویدہ ہوئے

کہ کبھی تو روزانہ اور کبھی دوسرے تیسرے دن خدمت میں حاضر ہوتے۔ حضرت اشرف جہانگیر
نے بھی ان کے علم و فضل کی بڑی قدر دانی کی۔ قاضی شہاب الدین نے حضرت اشرف جہانگیر کی
صحبت میں باطنی اور روحانی کمالات بھی حاصل کئے۔ چنانچہ حضرت اشرف جہانگیر نے ان
کو خرقۂ خلافت اور ملک العلماء کا خطاب عطا کیا۔ (لطائف اشرفی ج اص ۱۰۱) قاضی شہاب الدین
ہی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شاہ اپنے خوانین و امراء کے ساتھ کئی بار حضرت اشرف جہانگیر
کی قدم بوسی کے لئے آیا۔ ان ملاقاتوں کی تفصیل لطائف اشرفی میں اس طرح درج ہے۔

"حضرت قاضی نے عرض کیا کہ آج سلطان شرف ملاقات سے مشرف ہونا چاہتے ہیں
لیکن اس خادم کی خواہش ہوئی کہ آج جیسے فقیر خدمت میں حاضر ہوئے تو کل پھر سلطان کے ساتھ
قدم بوسی کا شرف حاصل کرے گا۔ حضرت جہانگیر نے فرمایا، اس فقیر کے نزدیک تم سلطان سے
بہت بہت بہتر ہو۔ اگر سلطان آتے ہیں، آنے دو۔ [redacted] حاکم ہیں۔ جب قاضی کو رخصت کیا تو
فرمایا کہ ہندوستان میں اتنی فضیلت (جتنی کہ قاضی میں ہے) کم دیکھی گئی ہے۔ دوسرے دن
حضرت اپنے وظائف میں مشغول تھے کہ معلوم ہوا کہ سلطان خوانین اور دوسرے لوگوں کے
ساتھ آرہا ہے۔ جب مسجد کے دروازے پر یہ جماعت پہنچی تو حضرت قاضی نے سلطان سے
عرض کی کہ اتنے اژدحام کے ساتھ حضرت سید کی ملاقات کے لئے جانا مناسب نہیں، اُن کو
تکلیف ہوگی۔ آخر سلطان نیچے اُتر آیا اور اپنی جماعت سے بیس اہل فضیلت و اہل فراست
کو منتخب کر کے پائے بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ اُس نے حضرت کے دل کو ہاتھ میں لینے
کے لئے حد سے زیادہ ادب و احترام کیا۔ اُس نے قلعہ جنادہ کی فتح کے لئے ایک بہت
بڑا لشکر بھیجا تھا۔ اُس کے لئے وہ متردد تھا۔ اُس نے حسب حال حضرت کے سامنے یہ
اشعار پڑھے ؎

دلی کاں انور است از جام جمشید — رواں روشن تر از خورشید باشد
چہ حاجت عرض کردن بر ضمیرش — کسے کو را یقیں امید باشد

(ترجمہ: دل (پایا تو) ایسا کہ جام جمشید کی طرح پُر نور اور روح (ملی تو) ایسی کہ
جو خورشید سے بھی زیادہ روشن۔ وہ جسے یقین کی حد تک امید حاصل ہو

اُسے اپنی حاجت بیان کرنے کی ضرورت کب پیش آئے گی۔)

اور جب سُلطان رخصت ہونے لگا تو حضرت نے ایک مسند عطا کی جس سے وہ بہت خوش ہوا اور جب قیام گاہ پر پہنچا تو بولا: "چہ سید لیست عالی جناب و مقاصد مآب الحمدللہ کہ در ہندوستان چنیں مردم در آمدہ اند" (ترجمہ: ایسا بلند مرتبہ سردار اور مقصدیت کا علمبردار میسر آیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہندوستان میں ایسی شخصیت کا نزول اجلال فرمایا) تین روز بعد سلطان تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ حضرت کی خدمت میں پھر آیا۔ روٹی کا ٹکڑا اور شربت ساتھ لایا۔ لوگوں نے قلعہ کی فتح پر مبارک باد دی لیکن حضرت نے فرمایا! سلطان کو مبارک باد دو کہ بند دروازے کو کھولا ہے۔ اس مرتبہ سُلطان کی عقیدت ہزار گنی زیادہ ہوگئی۔ اور عرض کیا کہ بندہ تو جناب کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا، بندہ زادے بھی حلقۂ بیعت میں داخل ہوں گے اور اسی روز تین شہزادے شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ سلطان نے بہت سے نذرانے دینے کی کوشش کی لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا پھر حضرت سے وہیں مستقل اقامت کے لئے بہت ہی اصرار کے ساتھ استدعا کی لیکن حضرت نے فرمایا، تمہاری سلطنت کی حدود سے باہر نہ جاؤں گا۔ اس جواب سے سُلطان بہت ہی پُرامید ہوا۔ حضرت وہاں دو مہینے سے زیادہ مقیم رہے۔ چھوٹے بڑے لوگ شرف بیعت سے مشرف ہوتے رہتے۔"

لطائف اشرفی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جونپور سے رخصت ہو کر بہار پہنچے اور وہاں سے بحدونڈ (؟) آئے جہاں ملک الامراء محمود نے پُرجوش خیر مقدم کیا۔ اس مقام پر

لہ لطائف اشرفی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جہانگیر اور سُلطان ابراہیم شاہ کی ملاقات جونپور میں حضرت کی آمد کے ابتدائی زمانہ میں ہی ہوئی۔ لیکن جب یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت جہانگیر کے وصال کا سال ۸۰۸ھ اور ابراہیم شاہ کی تخت نشینی کا سال ۸۰۴ھ ہے تو گمان ہوتا ہے کہ یہ ملاقات حضرت جہانگیر کے آخری زمانہ میں ہوئی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک ہندو جوگی سے حضرت اشرف جہانگیر کا مقابلہ ہوا۔ جوگی کو ہوا میں اڑنے کا دعویٰ تھا۔ لیکن وہ حضرت جہانگیر کی روحانیت سے ایسا مرعوب اور مغلوب ہوا کہ اپنے تمام باطل دعووں سے باز آیا اور اپنی ساری مذہبی کتابوں کو جلا کر پانچ ہزار چیلوں کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ اسلام لانے کے بعد جوگی نے بابا کمال پنڈت کے نام سے شہرت پائی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ جوگی سے مقابلہ کچھوچھہ میں ہوا اور اسی کی مڑھی میں خانقاہ بنوائی گئی۔ لیکن لطائف اشرفی میں کچھوچھہ کا نام نہیں آیا۔ اس تذکرہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ جوگی کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد ملک الامراء محمود نے اپنی اولاد اور دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت جہانگیر سے بیعت کی۔ ان کی وساطت سے روح آباد قائم ہوا، جو آج کل کچھوچھہ شریف کہلاتا ہے۔ یہاں ایک خانقاہ بنائی گئی، جس کا نام کثرت آباد رکھا گیا اور ایک چھوٹا سا حجرہ بھی تعمیر کرایا گیا جو وحدت آباد کے نام سے موسوم ہوا اور اس کے مشرقی حصہ میں ایک جگہ بیٹھ کر حضرت اشرف جہانگیرؒ اصحاب خاص کے سامنے سلوک و عرفان کے رموز و نکات بیان کیا کرتے تھے۔ اس لئے اس جگہ کا نام دارالامان رکھا گیا۔ اس کے شمال میں ایک پُر ذوق جگہ رُوح افزا کے نام سے مشہور ہوئی۔ جہاں اکثر بزرگانِ دین روحانی فیوض حاصل کرتے تھے۔ (لطائف اشرفی ص ۱۰۸)

فیوض ـــــ حضرت اشرف جہانگیر کا معمول تھا کہ وہ مختلف مقامات پر جا کر رُشد و ہدایت فرماتے۔ چنانچہ کچھوچھہ کے آس پاس اور کبھی دُور کے قصبوں اور قریوں میں نزول اجلال فرما کر خواص و عوام کی اصلاح و تربیت کرتے۔ جب اودھ یعنی اجودھیا تشریف لے گئے تو وہاں کے ملوک و امراء مرید ہو کر متمتع ہوئے۔ خود اودھ کے حاکم نواب سیف خاں کو حضرت سے بڑی عقیدت ہو گئی۔ چنانچہ تربیت پا کر صوری و معنوی اوصاف سے متصف ہوئے۔ حضرت نے ان کو خرقۂ خلافت عطا کیا۔ (لطائف اشرفی ص ۱۱۴)

اودھ ہی میں حضرت شمس الدین نے جن کا شمار علمائے نامدار اور فصحائے روزگار میں ہوتا تھا، حضرت اشرف جہانگیر کی صحبت کیمیا اثر سے راہِ سلوک کے تمام مدارج بہت جلد طے کر لئے اور حضرت اشرف جہانگیر کے بڑے محبوب خلیفہ ہوئے۔ حضرت جہانگیر کو ان پر

بڑا ناز تھا۔ فرماتے تھے "اشرف بشمس وشمس اشرف از ہم جدا نزاند۔" (ایضاً ص ۴۰۲)

ردولی پہنچے تو شیخ صفی الدین صفی اور شیخ سماء الدین صحبت خاص سے فیض یاب ہوئے۔ شیخ صفی الدین علوم ظاہری میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ حضرت اشرف جہانگیر کے ہاتھ پر جب شیخ صفی الدین نے بیعت کی تو حضرت جہانگیر نے ان کے لئے دعا کی کہ ان کو نور الانوار حاصل ہو اور ان کی اولاد میں تحصیل علم کا سلسلہ برابر جاری رہے۔ پھر صرف ان ہی کی خاطر ردولی میں چالیس روز قیام فرمایا اور اس عرصہ میں ان کو سلوک کی تمام تعلیمات دیں اور خلافت بھی عطا کی۔ ان کا شمار حضرت اشرف جہانگیر کے اجل خلفاء میں ہوتا ہے۔

شیخ سماء الدین بھی حضرت جہانگیر کے ممتاز خلفاء میں تھے۔ ان کے بارے میں حضرت اشرف جہانگیر فرماتے ہیں "انوار سبعہ کے مقامات حیرت سے ہمارے دوستوں میں سے دو کو نکلنے میں مشکل پیش آئی۔ ایک تو شیخ ابوالمکارم کو کہ جس کی طرف پوری پوری توجہ دی گئی یہاں تک کہ وہ (ورطہ بھنور) "مقام ہلاکت" سے باہر نکلا۔ دوسرے شیخ سماء الدین کو بہت محنت ومشقت اٹھا کر اس مقام (بھنور) سے نکل سکا۔" (ج ا ص ۴۰۵)

ردولی کے پاس ایک گاؤں میں ایک ممتاز بزرگ مولانا کریم الدین رہتے تھے۔ مولانا جب حضرت اشرف جہانگیر سے ملے تو فرمایا، سبحان اللہ! سید اشرف جہانگیر ایک ایسے شہباز ہیں جس کے کونین دو بازو ہیں۔ وہ دریا ہیں جس کا کوئی ساحل نہیں۔ (ج ۲ ص ۳۸۲)

حضرت اشرف جہانگیر کا ورود مسعود اسموؤ (آسوموؤ) میں ہوا تو وہاں ایک ہزار آدمی ان سے مرید ہو کر فیض یاب ہوئے۔ (ایضاً)

قصبہ جائس کو اپنی آمد سے شرف بخشا تو وہاں کے دو تین ہزار آدمی حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے (ایضاً ص ۳۸۴) جائس کے ایک بزرگ مولانا غلام الدین متبحر عالم اور فقیہ تھے۔ انہوں نے حضرت سے تعلیم پا کر خلافت بھی پائی۔ (ایضاً ج ا ص ۴۰۷) یہاں ایک دوسرے بزرگ شیخ کمال بھی حضرت اشرف جہانگیر کے خلیفہ تھے۔ جو جائس کے لوگوں کو روحانی تعلیم وتربیت دیتے تھے۔ ایک بار ان کے یہاں دعوت تھی۔ دعوت

کا انتظام قصبہ کے کچھ لوگوں کے سپرد تھا لیکن عین وقت پر شیخ کمال کو معلوم ہوا کہ دعوت کا انتظام نہیں ہو سکا۔ غصہ میں بد دعا دی کہ یہ جل کر خاک ہو جائیں۔ اتفاق سے اسی روز قصبہ میں آگ لگی اور تقریباً چار ہزار آدمی جل کر ہلاک ہو گئے۔ حضرت شیخ کمال کو بڑی ندامت ہوئی۔ مرشد کے پاس روح آباد یعنی کچھوچھہ پہنچے لیکن مرشد نے ان سے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا کہ وہ میرے فرزندوں کو نذر آتش اور خانماں برباد کر کے مجھ سے ملنے کیا آئے ہیں۔ ایک مدت تک معتوب رہے مگر مرشد کے آستانہ سے علیحدہ نہیں ہوئے۔ بعض لوگوں کی سفارش پر ایک طشت میں ہزار چنگاریوں کی راکھ سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقصیر کی معافی چاہی۔ مرشد نے یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ تمہارا ایمان تو سلامت رہے گا لیکن تم اور تمہاری اولاد پریشان رہے گی۔

جب قصبہ انہونہ پہنچے تو وہاں کے تمام سادات نے بیعت ہونے کی سعادت حاصل کی۔ حضرت اشرف جہانگیر نے ان کے لئے دعا کی کہ وہ ہمیشہ آرام سے رہیں۔ (ایضاً)

جب قصبہ سدھورہ میں نزول اجلال فرمایا تو وہاں شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری نے پُر جوش استقبال کیا۔ شیخ خیر الدین اپنے وقت کے جید علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ لیکن اصول و فقہ کے بعض مسائل پر علمائے وقت سے سوالات کئے تو کسی سے تشفی بخش جواب نہیں پایا۔ حضرت اشرف جہانگیر سے ملاقات کے بعد ان مسائل کی تشریح چاہی، تو حضرت نے ان کی تشریح اس طرح کی کہ شیخ خیر الدین کو پوری تسکین ہو گئی اور اسی وقت حضرت جہانگیر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے ساتھ بارہ اشخاص اور بھی حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ ان ہی میں قاضی سدھوری بھی تھے۔ شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری دونوں حضرت اشرف جہانگیر کے اجل خلفاء میں ہوئے۔ ان ہی کی وساطت سے سدھور کے چھوٹے بڑوں کی اولادیں بھی حضرت جہانگیر کی تعلیمات سے مستفیض ہوتی رہیں۔ سدھور کے ایک اور بزرگ قاضی ابو محمد عرف معین جہین بھی روحانی تعلیم و تربیت پاکر ممتاز خلفاء میں ہوئے (رج اص ۲۹۰ بہ)

ایک بار بنارس بھی تشریف لے گئے اور وہاں کے بُت خانوں کے پجاریوں سے مناظرے کئے۔ دونوں طرف سے کرامت اور استدراج کے مظاہرے ہوئے اور آخر میں

وہاں کے ایک ہزار ہندو حضرت اشرف جہانگیر کی کرامت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ (ج ۱ ص ۱۲۴)

ارباب ثروت کی اصلاح ــــــ حضرت اشرف جہانگیر نے نواح جونپور کے قیام کے زمانہ میں مشرقی سلطنت کے معاصر حکمران اور امرائے کبار سے گہرے تعلقات رکھے ذکر آچکا ہے کہ سلطان ابراہیم شاہ اور اودھ کے حاکم نواب سیف خاں اور وہاں کے امرا کس طرح حلقہ ارادت میں داخل ہو کر مستفیض ہوتے رہے۔ حضرت اشرف جہانگیر سلاطین، وزرا اور امرا سے ارتباط رکھنے کے مخالف نہیں لیکن فرمایا کہ کوئی درویش سلاطین و امرا سے حظ نفسانی اور لذت شہوانی کی غرض سے ملتا ہے تو وہ درویش نہیں۔ درویش کو ہر حال میں متوکل باللہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ نواب سیف خاں نے اودھ کا ایک قریہ نظر کرنا چاہا، جس کی آمدنی ایک لاکھ تنکہ تھی، تو اس کو قبول کرنا اپنی درویشی کی شان قناعت کے خلاف سمجھا۔ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۲)

حکمران طبقہ کے ظاہری اور باطنی اخلاق سنوارنے میں برابر کوشاں رہتے۔ ایک ملفوظ میں فرمایا، جہانداری اور شہریاری کو چار چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے۔ ۱۔ سلاطین کا لذائذ دنیا میں مستغرق ہو جانا۔ ۲۔ اپنے مقربین کے ساتھ بدخلقی سے پیش آنا۔ ۳۔ سزا دینے میں زیادتی کرنا۔ ۴۔ رعیت پر ظلم کرنا۔ (ایضاً ص ۱۶۶)

بادشاہوں اور حکمرانوں کے اوقات کے نظم و نسق کی بھی تفصیل بتائی کہ وہ اپنے روزمرہ کے مشاغل کو کس طرح ترتیب دیں اور اسی کے ساتھ بعض مفید ہدایتیں بھی دیں۔ فرماتے ہیں:

"بادشاہ اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیں کہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد اشراق تک وظیفہ پڑھیں۔ پھر علماء و صلحا کے ساتھ صحبت رکھیں اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل و انصاف کے متعلق قرآنی آیتوں کے مطالب پوچھیں۔ اسی جگہ وزیروں اور ندیموں کو بلائیں اور یہ لوگ فوجوں کے جو معروضات پیش کریں ان کا مناسب جواب دیں ہر شخص کے مدعا کو پورا کریں۔ اس کے بعد دربار عام ہو جس میں رعایا اور مسلمانوں کے قضایا اور دعاوی پیش ہوں۔ اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو۔

مشائخ اور ملوک کے معروضات کو حتی الوسع کسی کے توسط سے سنیں۔ سادات، قضات اور مشائخ کی درخواستوں کو صدر پہنچائے۔ اس گروہ کے لئے ایک ایسے شخص کو صدر مقرر کریں جو متدین اور ہمدرد ہو۔ بلکہ اس کو صوفی مشرب بھی ہونا چاہیئے۔ وزیر تمام علوم و فنون سے آراستہ ہونے کے علاوہ خصوصیت سا تھ دین دار ہو۔ وکالت کا منصب ایسے شخص کو دیں جو پسندیدہ اخلاق کا حامل، نہایت عقلمند، سریع الفہم اور حاضر جواب ہو اس قسم کے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مناسب جگہ دیں۔ حکومت کے چلانے میں تخلیط مناصب سے کام نہ لیں۔ ایک کے کام کے متعلق دوسرے سے نہ پوچھیں۔ قیلولہ کے وقت آرام کے لئے چلے جائیں۔ قیلولہ کے بعد نماز پڑھیں اور کبھی نماز نہ چھوڑیں۔ ظہر کی نماز کے بعد جس قدر ہو سکے قرآن مجید کی تلاوت کریں۔ خصوصاً سورہ قد سمع اللہ کی مواظبت کریں کیونکہ سلاطین اس سورہ کی مواظبت کرتے آئے ہیں۔ سلطان محمود غازی انار اللہ برہانہ برابر اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ کو دولت اور شوکت اسی سورہ کی بدولت نصیب ہوئی۔ حضرت ابراہیم شاہ (یعنی ابراہیم شاہ شرقی) بھی ایسا ہی فرماتے تھے۔ خود میں نے جو سلطنت چھوڑی تو پہلی چیز جو میں نے اپنے برادر عزیز محمد شاہ سے کہی وہ یہ تھی کہ اس سورہ کی برابر تلاوت کریں۔ اور رجال الغیب کے مقابلے سے اجتناب کریں اور کوئی کام شریعت کے خلاف انجام نہ دیں۔ اور عدل و انصاف کے اصول میں ایک نقطہ سے بھی انحراف نہ کریں تاکہ سلطنت میں خلل واقع نہ ہو۔ (لطائف اشرفی)

ایک اور موقع پر فرمایا:

"تمام ارکان دولت اور اعوان مملکت ایک نہ ایک عضو اور ایک نہ ایک حاسہ یا قوت کے مرتبہ میں ہیں۔ مثلاً مستوفی، مشرب، ناظر، عارض، طغرائی، منشی، دبیر، حاجب، خازن، استاذ الدار اور دوسرے عہدے دار، حواس خمسہ و قوائے بشری مثلاً آنکھ، کان، ناک، زبان، لمس، فکر، خیال، وہم، حافظ، ذاکرہ اور حس مشترک کے مانند ہیں۔ امرائے سلطنت اپنی قوت، شوکت، ہمت، رجولیت وغیرہ کے ساتھ اعضائے رئیسہ ہیں اور ادنیٰ درجہ کے امراء مثل ہاتھ، بازو، ران، پنڈلی اور پاؤں کے ہیں۔ حاشیہ نشین، قوم اور عام رعایا

وغیرہ اپنے مدارج کے مطابق رگ اور پٹھے وغیرہ ہیں جس طرح ایک انسان اپنے ہر عضو کا محتاج ہے اور ایک کے بغیر اس کے جسمانی نظام کو نقصان پہنچ جاتا ہے، اسی طرح ایک بادشاہ کو چاہیئے کہ ارکانِ دولت واصحاب مناصب کو ان کی اہلیت واستعداد کے مطابق ان کی دیانت اور نیک سیرت کو معلوم اور اچھی طرح پرکھ کر ان کو مختلف حصوں میں مقرر کرے اور اختیار دے تاکہ وہ اپنے کاموں کو پورے شرائط کے ساتھ ملک کے مصالح اور دربار کی بہبودی کے مطابق انجام دیں اور بادشاہ ان کے کاموں سے باخبر رہے۔"

حضرت اشرف جہانگیر کی مذکورہ بالا تعلیمات کا اثر ان کے مرید سلطان ابراہیم شاہ شرقی پر نہایت گہرا پڑا۔ اوپر کے ایک اقتباس سے ظاہر ہوا ہوگا کہ یہ سلطان سورہ قد سمع اللہ کی مواظبت کیا کرتا تھا۔

چنانچہ اس سورہ کی برکت سے اس کی سلطنت گل گلزار اور لالہ زار بن گئی تھی۔ مؤرخین اور تذکرہ نویس اس سلطان کو "دین پناہ" — "علمائے شریعت محمدی کا قدردان" — "درویش دوست" — اور "رعیت پرور" لکھتے ہیں۔ تاریخ فرشتہ (ج ۲ ص ۳۰۶ نیز اردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ ص ۶۸۶) میں ہے:- "ابراہیم شرقی کے زمانہ میں جونپور کا ہر چھوٹا بڑا، بادشاہ کے وجود کو باعث برکت سمجھتا اور بے حد عیش وآرام کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ شاہ و گدا سب خوش و خرم تھے اور ملک میں حزن واندوہ کا نام ونشان نہ تھا — ابراہیم شرقی قاضی شہاب الدین کی بے حد تعظیم وتوقیر کرتا تھا۔ چنانچہ متبرک ایام میں قاضی صاحب شاہی مجلس میں چاندی کی کرسی پر بیٹھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی صاحب بیمار ہوتے۔ ابراہیم ان کی عیادت کو گیا۔ مزاج پرسی اور ضروری باتوں کے دریافت کرنے کے بعد پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ منگوایا۔ مولانا کے سر پر سے پیالہ کو تصدق کر کے پانی خود پی لیا۔ اور دعا کی کہ اے خدا! جو بلا مولانا کے لئے مقرر ہے وہ مجھ پر نازل فرما اور ان کو شفا دے۔ اس روایت سے بادشاہ دین پناہ کا مذہبی خلوص اور علمائے شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی عقیدت مندی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔"

اپنی مملکت میں شریعت کی ترویج کی خاطر اس نے فتاویٰ ابراہیم شاہی مرتب کرایا

جس کو مولانا قاضی شہاب الدین نے مدوّن کیا تھا۔

بلاد اسلامیہ کی سیاحت ـــــــ کچھوچھہ میں کچھ دنوں کے قیام کے بعد حضرت اشرف جہانگیر، شیخ بدیع الدین مدار کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ شیخ بدیع الدین مدار تو ہندوستان واپس آ گئے لیکن حضرت اشرف جہانگیر مدینہ منورہ کی زیارت کو چلے گئے۔ وہاں سے نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ آئے پھر روم پہنچے جہاں مولوی جلال الدینؒ رومی کے سجادہ نشین اور لڑکے سلطان ولد اور دوسرے مشائخ سے ملاقات کی۔ روم سے شام آئے۔ دمشق میں شیخ فخر الدینؒ عرلی کی زیارت کی۔ وہاں سے پھر مکہ معظمہ آکر حج کی سعادت حاصل کی۔ حج کے بعد بغداد پہنچ کر حضرت غوث الاعظمؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مزاروں کی زیارت کی۔ پھر کاشان میں رونق افروز ہوئے جہاں شیخ عبدالرزاق کاشانیؒ سے ملاقات کی۔ کاشان سے اپنے اصلی وطن سمنان کو رونق بخشی۔ اس وقت ان کی ہمشیرہ زندہ تھیں۔ ان سے مل کر ان کی دل جوئی کی۔ اور وہاں سے مشہد مقدس آئے جہاں امام علی رضاؒ کے آستانے میں معتکف رہے۔ ان ہی دنوں امیر تیمور گورگانی بھی حضرت امام علی رضاؒ کے مزار کی زیارت کو آیا تھا۔ وہ حضرت اشرف جہانگیر سے بہت ہی عقیدت مندانہ طریقہ پر ملا۔ مشہد مقدس سے ہرات وارد ہوئے۔ ہرات سے چل کر ماوراء النہر پہنچے۔ جہاں حضرت شیخ بہاء الدینؒ نقشبندی کی صحبت میں رہ کر خرقۂ خلافت پایا۔ وہاں سے ترکستان تشریف لائے اور اپنے نانا شیخ احمد یسوی کی اولاد سے ملے۔ ترکستان سے بخارا میں نزول اجلال فرمایا۔ پھر قندھار، غزنی اور کابل میں قیام کرتے ہوئے ملتان پہنچے۔ ملتان سے اجودھن پہنچ کر حضرت گنج شکرؒ کے مرقد مبارک کی زیارت کی۔ اجودھن سے دہلی اور دہلی سے اجمیر آکر حضرت خواجہ معین الدینؒ کے آستانے سے برکت حاصل کی۔ اجمیر سے دکن کی طرف بڑھ گئے۔ گلبرگہ میں حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ سے ملے۔ گلبرگہ سے سراندیپ چلے گئے۔ وہاں سے گجرات آئے۔ پھر گجرات سے اپنی خانقاہ کچھوچھہ شریف واپس ہوئے۔

دوسری بار میر کبیر سید علی کے ساتھ تمام دنیا کی سیاحت کی۔ لطائف اشرفی جلد دوم

(لطیفہ سی و پنجم) میں غالباً اسی سیاحت کا ذکر ہے۔ اس باب میں حضرت اشرف جہانگیر کی زبانی جن خاص خاص مقامات، جزیرے اور پہاڑی علاقوں کی تفصیل درج ہے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ جزیرہ صہف، ایلاق، سیلان، جبل الفتح، بیت المقدس، دمشق، جبل لبنان، جبل النہاوند، جبل الطور، جبل القدم، بغداد، گاذرون، جبل القاف، حصلان، جبل الابواب، ولایت جھنکھر، ولایت خفچاق، جبل القرون، جبل البہ وغیرہ۔ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ اس سیاحت میں ایک سو تیس اولیاء اللہ سے فیوض حاصل کئے۔ اس سیاحت کے زمانہ میں تیسری بار حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ؒ سے بھی ملے۔ حضرت مخدوم ؒ نے چار سو کاملین وقت سے جو کچھ حاصل کیا تھا وہ سب حضرت جہانگیر ؒ کے سینے میں منتقل کر دیا۔ (خزینۃ الاصفیا (ج ا ص ۳۷۶) اس سفر میں حضرت اشرف جہانگیر اپنے مرشد کے آستانے پر بھی پہنچے اور وہاں سے تبرکات لے کر کچھوچھہ واپس ہوئے، جہاں آخر وقت تک قیام پذیر رہے۔

سفر آخرت ــــ وصال کی تاریخ ۲۷۔ محرم ۸۰۸ھ ہے۔ "اشرف المومنین" سے مادۂ تاریخ نکلتا ہے۔ وفات سے کچھ روز پہلے سکر کا عالم طاری رہا۔ نماز کے وقت عالم صحو میں آتے۔ مرض الموت میں بھی رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔

وفات کے روز حضرت نور العین، شیخ نجم الدین اصفہانی، شیخ محمد در یتیم، خواجہ ابو المکارم، شیخ احمد ابو الوفا خوارزمی، شیخ عبد السلام ہروی، شیخ ابو الواصل، شیخ معروف العبر نموی، شیخ عبد الرحمٰن خجندی، شیخ ابو سعید خزرجی، ملک محمود، شیخ شمس الدین اودھی اور دوسرے اکابر کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور ان کے مراتب و مدارج کے مطابق ان کو نصیحتیں کیں اور تبرکات دیئے۔ حضرت سید عبد الرزاق الملقب بہ حضرت نور العین کو حضرت جہانگیر نے اپنا دینی فرزند بنایا تھا۔ اس لئے وصال کے وقت ان کو اپنا جانشین اور سجادہ نشین مقرر فرمایا اور ان کو وہ خرقے عطا کئے جو ان کو (یعنی حضرت اشرف جہانگیر کو) حضرت شیخ علاؤ الدین ؒ لاہوری، شیخ الاسلام ؒ شام اور حضرت مخدوم جہانیاں ؒ جہاں گشت سے ملے تھے۔ بزرگان چشت کے وہ تبرکات بھی دیئے جو ان کو ان کے مرشد

کے ذریعہ سے دستیاب ہوئے تھے۔ پھر حضرت نور العین کے لڑکوں کو بلا کر ان کے لئے دُعائیں کیں۔ اسی طرح اپنے مختلف خلفا کو بھی نصیحتیں کر کے خاص خاص ہدایتیں دیں اور تبرکات دیئے۔ پھر ظہر کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد قوالوں کو طلب کر کے محفل سماع کی خواہش کی۔ قوالوں نے سعدیؒ کی غزل شروع کی۔ جب انہوں نے یہ شعر گایا:

گر بدستِ تو آمدہ است اجلم — قد رضینا بما جرے القلم

تو ان پر وجد طاری ہوا اور جب قوالوں نے یہ اشعار پڑھے ؎

خوب تر زین دگر نباشد کار — یار خندان رود بجانبِ یار
سیر بیند جمالِ جاناں را — جان سپارد نگارِ خندان را

تو مُرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے اور اسی حالت میں جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ وصال کے وقت عمر ایک سو بیس برس کی تھی۔ روضہ مبارک کی تعمیر زندگی میں ہو گئی تھی۔ اس میں نحوِ خواب ابدی ہیں۔ روضہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جو کوئی آسیب زدہ یہاں آ کر کچھ دنوں قیام کرتا ہے اس کا آسیب جاتا رہتا ہے۔ چنانچہ آج بھی وہاں مختلف گوشوں سے آ کر آسیب زدوں کی ایک بڑی تعداد مقیم رہتی ہے۔

رُوحانی مرتبہ ـــــ حضرت اشرف جہانگیر صوفیائے کرام میں امام السالکین، برہان العاشقین، قطب ربانی، غوث الانام اور محی الاسلام کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ لطائف اشرفی کے مؤلف نے ان کے لئے قدوۃ الکبراء کا لقب استعمال کیا ہے۔

علمی مرتبہ ـــــ علمی حیثیت سے بھی حضرت اشرف جہانگیر کا مرتبہ بلند تھا۔ وہ معقولات و منقولات کے بھی جید عالم تھے اور جب کبھی علماء و فضلا سے علمی بحث کرتے تو اس میں بڑی گہرائی ہوتی۔ لطائف اشرفی میں بعض علمی مسائل پر بھی مباحث ہیں۔ ان مباحث سے ان کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ صوفیانہ رموز و نکات بیان کرنے میں بھی عالمانہ انداز اختیار کرتے تھے اور کسی حال میں بھی جادۂ شریعت سے تجاوز کرنا پسند نہیں فرماتے تمام علوم و فنون میں علم شریعت کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ اور علم کے ساتھ اس کی متابعت کی بھی پوری تاکید کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک ولی

نہیں ہو سکتا جب تک وہ ظاہراً، باطناً، قولاً، فعلاً، اعتقاداً اور حالاً شریعت کا پابند نہیں ہے۔

زندگی کا زیادہ تر حصہ سیاحت میں گزرا لیکن سفر میں بھی شریعت کی پابندی کا التزام رکھا۔ حتیٰ کہ نماز جمعہ تک ترک نہیں ہوئی۔ لطائف اشرفی میں ہے: "حضرت قدوۃ الکبرا کا مقررہ قاعدہ تھا کہ سفر و حضر میں بھی نماز جمعہ ترک نہیں فرماتے تھے۔"

خلفاء ــــ حضرت اشرف جہانگیر کے خلفاء میں زیادہ تر علماء و فضلا تھے۔ ان میں سے ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی، شیخ شمس الدین اودھی، شیخ صفی الدین ردولوی، شیخ سماء الدین ردولوی، مولانا علم الدین جائسی، شیخ خیر الدین سدھپوری، قاضی محمد سدھپوری کے علم و فضل کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ دوسرے خلفاء میں شیخ سلیمان نہایت ممتاز محدث اور فقیہ تھے۔ شیخ معروف العربوی کو ہر قسم کے علوم و فنون میں مہارت تھی۔ علم، زہد، تقویٰ، عبادت، ریاضت کی وجہ سے اپنے وقت کے جنیدؒ و شبلیؒ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت قاضی حجت معقولات و منقولات کے متبحر عالم تھے۔ کچھوچھہ کے پاس ہی ایک گاؤں میں رہ کر عوام الناس کی دینی اصلاح اور روحانی تربیت کیا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام گجراتی کو اپنے علم کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل تھی۔ شروع میں ان کو ہیئت، نجوم، حکمت اور دوسرے فنون پر بڑا غرور تھا۔ حضرت اشرف جہانگیر کا ورود مسعود جب احمد آباد میں ہوا تو شیخ الاسلام نے ان سے بڑی بے باکی سے علمی مباحثے کئے بلکہ ادب کا لحاظ بھی نہ رکھا۔ بعد میں بڑی ندامت محسوس کی تائب ہو کر حضرت جہانگیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور روحانی مدارج طے کر کے حقائق و معارف کے سرچشمہ بنے۔ اس لئے خلیفہ بھی بنائے گئے۔ گجرات کے مریدوں کی تربیت ان ہی کے ذمہ تھی۔ انہوں نے ایک رسالہ بھی اشرف الفوائد و فوائد الاشرف کے نام سے لکھا۔ گجرات کے ایک دوسرے جید اور ممتاز عالم شیخ مبارک بھی حضرت اشرف جہانگیر کے خلیفہ تھے۔

تمام خلفاء شریعت کے پابند ہوتے۔ ان میں سے شیخ راجا کو زہد و تقویٰ اور شریعت کی پابندی میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ وہ تارک صلوٰۃ سے ملنا جلنا، لوٹا چاٹنا اور اس کے ساتھ کھانا پینا کسی حال میں بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ خلفاء میں حضرت سید عبدالوہاب کو اپنے مرشد سے بڑا والہانہ لگاؤ تھا۔ ایک

بار حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو کسی کام سے دہلی بھیجا۔ وہاں سے واپس آئے، تو ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو اپنا جُوتا عنایت کیا۔ حضرت سید عبدالوہاب نے غایت احترام سے جُوتے کو اپنے سر پر رکھ لیا اور اس کو اپنا تاج بنا کر چالیس روز تک گھومتے رہے۔

بعض امراء بھی خلیفہ ہوئے۔ نواب سیف خاں حاکم اودھ کی خلافت کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ حضرت اشرف جہانگیر جب حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی سے نیاز حاصل کرنے کے لئے ماوراءالنہر تشریف لے گئے تو وہاں امیر علی بیگ کے گھر پر امیر تیمور صاحبقران کے ایک امیر شیخ ابوالمکارم سے ملاقات ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں شیخ ابوالمکارم کا دل سلطنت کے کاروبار سے منحرف ہو گیا اور امارت و شوکت چھوڑ کر راہ سلوک میں گامزن ہوئے۔ بارہ سال تک ریاضت شاقہ کی اور جب مکاشفات و واردات کی منزلیں طے کر لیں تو مرشد نے ان کو خلافت دی۔ اپنے مکارم اخلاق کی وجہ سے ابوالمکارم کہلائے۔ مرشد کے حکم کے بموجب سمرقند میں سکونت اختیار کی، جہاں ان کے مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ "ان کے ملفوظات اور دوسری تصانیف حقائق و معارف کے رموز و نکات سے پُر ہیں۔" (لطائف اشرفی ج ا ص ۴۰۸-۴۰۹)

امیر تیمور کے ایک دوسرے امیر شیخ جمشید بیگ کو بھی حضرت اشرف جہانگیر نے خلافت دی۔ حضرت اشرف جہانگیر اپنی سیاحت کے زمانہ میں جب یاغستان پہنچے، تو ہزاروں اوزبک، برمک، خفچاق، لاچین اور قوچین قبیلوں کے خواص و عوام ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور ان کی خدمت میں گھوڑے اور دوسرے جانور پیش کئے اس طرح ان کے اردگرد ایک لشکر کا سامان جمع ہو گیا۔ اس زمانہ میں امیر تیمور سمرقند میں تھا۔ بعض لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ حضرت اشرف جہانگیر ایک لشکر جمع کر کے تیمور کے خلاف فوج کشی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن تیمور حضرت جہانگیر کو پہلے سے جانتا تھا۔ اس لئے اس خبر سے پریشان ہونے کی بجائے اپنے ایک درباری امیر جمشید بیگ کو نذرانے دے کر حضرت اشرف جہانگیر کی خدمت میں بھیجا۔ نذرانے میں بہت سامان و اسباب تھا لیکن

جب یہ سامان حضرت اشرف جہانگیر کے پاس پہنچا تو انہوں نے تمام چیزوں کو فقراء و مساکین میں تقسیم کرا دیا۔ جمشید بیگ حضرت اشرف جہانگیر سے مل کر اس قدر متاثر ہوئے کہ تیمور کے دربار سے علیحدہ ہو کر درویشی اختیار کر لی اور مرید ہو کر حضرت کے ساتھ ہندوستان آئے اور جب پوری تعلیم و تربیت کے بعد ان کو خلافت ملی تو کچھوچھہ سے پھر اپنے وطن واپس کر دیئے گئے۔ جہاں انہوں نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایک خلجی امیر شیخ حسین بھی دنیاوی جاہ و حشم چھوڑ کر راہ سلوک میں گامزن ہوئے اور حضرت اشرف جہانگیر سے خلافت پائی۔ دویزی (؟) میں رہ کر اطراف و جوانب کے لوگوں کے اخلاق و کردار سنوارتے تھے۔ بنگالہ کا معاصر حکمران ان کا بہت معتقد تھا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۹ - ۴۱۱)

خلفاء میں حضرت سیّد عبدالرزاق کہ حضرت اشرف جہانگیر کے دینی فرزند کہلاتے تھے اس لیئے ان کا لقب نورالعین تھا، بارہ سال کی عمر میں بیعت کی۔ ۶۸ سال تک مرشد کی خدمت کی۔ چنانچہ مرشد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔

سب سے زیادہ چہیتے خلیفہ شیخ کبیر مسرور پوری تھے، جن پر حضرت اشرف جہانگیر اس قدر نظر التفات رکھتے کہ خود حضرت سیّد عبدالرزاق نورالعین کو ان پر رشک ہوتا تھا ان کے فرزند شیخ محمد کو بھی خلافت ملی۔ حضرت اشرف جہانگیر ان کو اپنے حجرۂ خاص میں روحانی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کا لقب دُرِّ یتیم تھا۔

بعض اور دوسرے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں :- سیّد عثمان، شیخ رکن الدین و شیخ قیام الدین (دونوں لاچین ترک تھے، عراق سے ہندوستان آئے تھے) شیخ اصیل الدین شیخ جمیل الدین، مولانا ابوالمظفر لکھنوی، شیخ فخر الدین، قاضی شیخ رکن الدین، شیخ آدم عثمان شیخ تاج الدین، شیخ محمود کنتوری، شیخ عبداللہ بنارسی، شیخ کمال جائسی، ابو محمد عرف معین محقق سدھوری۔

تعلیمات ـــ حضرت اشرف جہانگیر کی تعلیمات ان تین کتابوں میں پائی جاتی ہیں :-

۱۔ بشارت المریدین ۲۔ مکتوبات اشرفی ۳۔ لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی
لطائف اشرفی کے مولف کا بیان ہے کہ حضرت اشرف جہانگیر اپنے وصال سے پہلے ایک شبانہ روز قبر میں جاکر رہے اور وہیں اپنی کیفیات کو قلمبند کیا جس کا نام بشارت المریدین رکھا۔ (ج ۲ ص ۱۰۴) اخبار الاخیار میں ان کا ایک طویل مکتوب منقول ہے جو انہوں نے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو تحریر فرمایا تھا۔ اس میں فرعون کے ایمان کے متعلق بحث ہے۔

حضرت اشرف جہانگیر کی تعلیمات واضح اور مبسوط طریقہ پر لطائف اشرفی میں ملتی ہیں۔ جن کو حضرت نظام الدین یمنی الملقب بہ نظام حاجی غریب الیمنی نے مرتب کیا ہے۔ وہ حضرت اشرف جہانگیر کے مرید تھے اور ان کی صحبت میں تیس سال رہے۔
لطائف اشرفی ۱۲۹۵ھ میں نصرت المطابع دہلی میں چھپی ہے اور نو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ حضرت اشرف جہانگیر کی سوانح عمری بھی ہے اور اُن کی تعلیمات کا آئینہ بھی۔ اس میں کہیں تصوف کی اصطلاحات کی پوری تشریح و توضیح ہے تو کہیں ذکر و فکر کی تمام تفصیلات ہیں۔ کہیں صوفیانہ غوامض پر مباحث ہیں تو کہیں صوفیائے کرام کے مختلف خانوادوں کی مختصر تاریخ۔ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کہیں آل رسولؐ، کہیں خلفائے راشدین اور کہیں ائمہ کبار کے حالات ہیں تو کہیں صوفی شعراء پر دلچسپ تبصرہ ہے۔ غرض کہ اس کو تصوف کا ایک قاموس کہا جاسکتا ہے۔
حضرت اشرف جہانگیر چشتیہ سلسلہ سے منسلک تھے اس لئے ان کی تعلیمات وہی ہیں جو اکابر بزرگانِ چشت کی تھیں اور جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ پھر بھی انہوں نے بہت سے ایسے مسائل کی وضاحت اور تشریح کی ہے جن کو ہم اپنی حقیر تالیف کے گذشتہ اوراق میں پیش نہیں کر سکے ہیں۔ اس لئے ان کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔
علم کی اہمیت ـــــ حضرت اشرف جہانگیر نے حضرت خواجہ ممشاد چشتی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ علم کے بغیر ایک زاہد شیطان کا مسخرہ ہے۔ اس لئے راہِ سلوک میں توحید معرفت، ایمان، شریعت، طریقت وغیرہ سے پوری واقفیت رکھنا ایک سالک کے لئے

ضروری قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ اس کی زندگی کے صرف سات دن باقی رہ گئے ہیں تو اس کو صرف علم فقہ حاصل کرنا چاہیئے۔ علم دین کا ایک مسئلہ جاننا ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے۔ (ج ۱ ص ۱۰-۱۳)

توحید ـــــ حضرت اشرف جہانگیر نے مسئلہ توحید پر بڑی عمیق اور عالمانہ بحث کی ہے۔ جس شرح وبسط کے ساتھ یہ مباحث لطائف اشرفی میں ہیں ان کو ہو بہو یہاں پیش کرنا آسان نہیں، پھر بھی ہم اپنی کم مائگی کے باوجود ان کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

ان مباحث میں توحید کی کئی قسمیں بتائی گئی ہیں۔ ۱۔ توحید ایمانی۔ یعنی قرآن مجید اور احادیث نبوی ؐ کی صداقت پر اعتماد کر کے یہ عقیدہ رکھنا کہ خدا ایک ہے۔ ۲۔ توحید علمی۔ ادراک باطن سے درجہ یقین تک پہنچنا کہ خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی "موحد حقیقی" اور "موثر مطلق" نہیں۔ یہ توحید مراقبہ سے حاصل ہوتی ہے۔ ۳۔ توحید رسمی۔ اپنی ذہانت یا مطالعہ اشیاء یا سنی سنائی باتوں کی بنا پر خدا کو ایک سمجھنا۔ حضرت اشرف جہانگیرؒ کے نزدیک توحید کا یہ تصور کوئی اثر نہیں رکھتا۔ یہ توحید اعتبار کے درجہ سے ساقط ہے۔ ۴۔ توحید حالی۔ اس توحید میں موحد واحد کے وجود کے جمال میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اس کو واحد کی ذات وصفات کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ وہ واحد کی صفات کو اپنی تمام صفتوں سے ماوراء ہو کر دیکھتا ہے۔ اور بحر توحید میں اپنے کو صرف ایک قطرہ پاتا ہے۔ توحید حالی کا یہ احساس مشاہدہ کے نور سے ہوتا ہے۔ اس میں بشریت کے اکثر لوازم فنا ہو جاتے ہیں اور جو باقی رہ جاتے ہیں ان سے اقوال وافعال سرزد ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت جہانگیرؒ کے نزدیک اصلی اور حقیقی توحید توحید الٰہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کوئی موحد ہو یا نہ ہو مگر خدا ازل الازال سے بذات خود وحدانیت اور فردانیت سے متصف ہے۔ یعنی وہ تھا، اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی اور وہ ہے اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں ہے اور ابدالاباد تک اسی طرح رہے گا۔ اس حقیقت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کوئی موحد اس کو واحد بتائے۔

وحدت وجود ـــــ لطائف اشرفی کی جلد دوم میں ایک مستقل باب (لطیفہ لبست و ہفتم) وحدت وجود پر ہے۔ حضرت اشرف جہانگیرؒ جب دوسری بار دنیا کی سیاحت

کے لیئے نکلے تو بخارا کے اکابر سے ملاقات کے دوران میں ان کو معلوم ہوا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر علماء و فضلا وحدت وجود کے منکر ہیں۔ انھوں نے ان سے بحث کر کے دلائل و براہین سے ان کو وحدت وجود کا قائل کیا۔ اس بحث کو لطائف اشرفی کے مؤلف نے نقل کیا ہے۔ یہ دقائق و غوامض سے پُر ہے۔ پھر بھی اختصار کے ساتھ اس کو ہدیہ ناظرین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

فلسفیانہ طریقہ پر وحدت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ وحدت مطلقہ من حیث الذات والصفات ۲۔ وحدت مقیدہ من حیث الصفات لا من حیث الذات۔ ذات اور صفات کی حیثیت سے وحدت مطلقہ یہ ہے کہ صرف ایک ذات اپنی صفات کے ساتھ موجود ہو اور دوسری تمام ذاتیں اپنی ذات وصفات کے ساتھ معدوم ہوں۔ مثلاً وحدت باری یہ ہے کہ جب خدا موجود تھا تو اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہ تھی۔ صفات کی حیثیت سے وحدت کے مقید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ذات تنہا ایسی صفات سے متصف ہو کہ کوئی دوسرا ان صفات میں اس کا شریک نہ ہو۔ جیسے وحدت باری قدم اور تخلیق کی صفت کے ساتھ متصف بنے۔ وحدت مطلقہ میں غیر کا وجود بالکل معدوم ہونا ہے اور وحدت مقیدہ میں مثل کا وجود معدوم ہو جاتا ہے۔

شریعت میں صفات کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اطلاق اور اثبات چند طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے واحد ہے کہ اس کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ مشرکین اس توحید کے منکر ہیں۔ دوسرا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ وہی ساری اشیاء کا خالق اور کائنات کا موجد ہے۔ ثنویہ، افلاکیہ، طالعیہ اس توحید کے منکر ہیں۔ تیسرا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ کوئی اس کا شبیہ نہیں۔ مشبہہ اس توحید کے منکر ہیں۔ چوتھا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ کوئی اور ذات قدیم نہیں۔ اس کے علاوہ ہر چیز حادث ہے۔ دہریئے اس کے منکر ہیں۔ پانچویں یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ اس کی ذات ترکیب سے پاک ہے۔ کیونکہ ترکیب اجسام کے عوارض سے ہے اور باری تعالیٰ جسم نہیں۔ مجسمہ اس توحید کے منکر

ہیں۔

شریعت میں ذات وصفات دونوں حیثیتوں سے باری تعالیٰ کی توحید کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے۔ مجازی یعنی باری تعالیٰ اس معنی میں واحد ہے کہ اس کے وجود کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کا وجود گویا نہیں ہے۔ حقیقی یعنی خدا کے سوا کوئی چیز موجود نہیں۔ جو کچھ ہے وہی ہے۔ ہمہ اوست۔ عوام اور بعض علماء اس توحید کے منکر ہیں لیکن حضرت اشرف جہانگیرؒ کے نزدیک حقیقی توحید یہی ہے اور انہوں نے اس کو آیات قرآنی، احادیث نبویؐ اور دوسرے دلائل سے ثابت بھی کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں وجود کی بھی بحث آگئی ہے۔ حضرت اشرف جہانگیر نے وجود کی تین منزلیں قرار دی ہیں۔

۱۔ وجود بشرط شے یا وجود مقید یعنی ایک چیز کا پایا جانا، اس شرط کے ساتھ کہ ایک چیز اور بھی ہو۔ اس میں ہمہ اوست کی گنجائش نہیں اور کوئی اس کا قائل نہیں۔ ۲۔ وجود لابشرط شے۔ یعنی وجود تو ہے لیکن اس کے ساتھ دوسری شے کا وجود ضروری نہیں۔ ۳۔ وجود بشرط لاشے، یعنی وجود مطلق۔ یہ وجود اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ وجود کی اس منزل میں ہمہ اوست مانا جاتا ہے۔ حضرت اشرف جہانگیرؒ کے خیال کے مطابق اس پر سب کو اتفاق ہے۔ وجود بشرط لاشے کے ماننے پر اعتراض ہوتا ہے اور معترضین کو اسی سے غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ (لطائف اشرفی)

ولایت ــــ توحید کا واقف اور اللہ کا واصل ولی کہلاتا ہے۔ ولی کے لئے ضروری ہے کہ وہ عالم ہو جاہل نہ ہو (لطائف اشرفی ج ا ص ۴۰) اس کے افعال و حرکات پسندیدہ ہوں اور شریعت و طریقت کے مطابق ہوں۔ وہ سیرت نبویؐ اور اوصاف مصطفویؐ کا متبع ہو (ج ا ص ۶۴) اس میں لطافت زبان، حسن اخلاق، شگفتگی، فیاضی اور بے غرضی ہو (ج ا ص ۶۴) وہ اوصاف ذمیمہ کی پستی سے نکل کر اوصاف حمیدہ کی بلندی پر پہنچ گیا ہو اور خدا کے علاوہ ہر چیز سے بے نیاز ہو چکا ہو۔ یہی اس کی معراج ہے۔

حضرت اشرف جہانگیر کا خیال ہے کہ اولیاء اللہ کی خواہ کوئی قسم بھی ہو، خواہ وہ غوث ہوں یا امامان یا اوتاد یا ابدال یا اخیار یا ابرار یا نقبا یا نجبا یا مکتومان یا مفردات

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۹۶ — ۱۱۸ میں ان اولیاء اللہ کی علیحدہ علیحدہ خصوصیات ہیں) وہ فنا فی اللہ والبقاء باللہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے ہیں جب تک کہ وہ ظاہراً، باطناً، قولاً، فعلاً اور حالاً محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع نہ ہوں (ج ۱ ص ۱۲۵) ایک موقع پر فرمایا: "ہر کہ ازیں طائفہ خلافِ روشِ نبوی و غیر متابعت مصطفوی پیش گرفتہ بمقصود نرسیدہ است"

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محالست سعدی کہ راہِ صفا | تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

(ترجمہ: جس کسی نے بھی سنت پیغمبر کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ منزل تک ہرگز ہرگز نہ پہنچ پایا۔ اے سعدی! یہ ناممکن ہے کہ راہِ صفا میں کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ کو چھوڑ دے اور پھر سفر بخیر و خوبی مکمل کر لے۔)

ولایت کے شرائط — ایک ولی اللہ کے منجملہ فرائض میں ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ پر لے چلے لیکن وہ یہ فرض اسی وقت انجام دے سکتا ہے جب کہ ۱۔ اس کے شیخ نے اس کو شیخوخت کی اجازت دی ہو (ج ۱ ص ۱۴۸) ۲۔ وہ دل میں خدا کا حضور اور آگاہی حاصل کر چکا ہو۔ ۳۔ وہ اپنے مرید کے تمام ہفوات کا مواخذہ کرتا ہو۔ (ج ۱ ص ۱۴۹) ۴۔ وہ اپنے مرید سے اس کے افعال کا محاسبہ کر سکتا ہو (ج ۱ ص ۱۵۱) ۵۔ اپنے مرید کے سامنے تقدس کی پوری شان میں ظاہر ہوتا ہو (ج ۱ ص ۱۵۲) ۶۔ مریدوں کو دوسرے شیخ کی صحبت میں بیٹھنے کی اجازت نہ دیتا ہو (ج ۱ ص ۱۵۴) ۷۔ مریدوں کو اُن کی قوت زکیہ کا یقین دلاتا ہو (ج ۱ ص ۱۵۶) ۸۔ اگر کسی شیخ کو اپنے سے برتر پاتا ہو تو اس کی صحبت اختیار کر لیتا ہو (ج ۱ ص ۱۵۷) ۹۔ وہ عالم ہو (ج ۱ ص ۱۶۱) ۱۰۔ مریدوں کے ساتھ چوبیس گھنٹے میں ایک دفعہ بیٹھتا ہو (ج ۱ ص ۱۶۲)

ارادت کے شرائط — مریدوں کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں:۔
۱۔ وہ اپنے شیخ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھیں (ج ۱ ص ۱۶۲) ۲۔ وہ اپنے شیخ

پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کریں (ج ا ص ۱۶۳) ۳۔ طلب شیخ میں صادق ہو (ج ا ص ۱۶۶) ۴۔ شیخ کو جو کچھ کرتے دیکھیں اس کی اقتداء بلا اجازت نہ کریں۔ (ج ا ص ۱۶۹) ۵۔ شیخ کے کلام اور احکام کی تاویل نہ کریں (ج ا ص ۱۷۰) ۶۔ شیخ کے حکم کے خلاف کوئی بات نہ کریں۔ (ج ا ص ۱۷۰) ۷۔ اپنے آپ کو ہر شخص سے کمتر سمجھیں (ج ا ص ۱۷۲) ۸۔ شیخ کے احکام میں خیانت نہ کریں (ج ا ص ۱۷۳) ۹۔ دونوں جہان میں سے کسی چیز کی خواہش نہ کریں (ج ا ص ۱۷۸) ۱۰۔ شیخ جس کو اپنے سے افضل سمجھے اس کی وہ بھی اطاعت کریں (ج ا ص ۱۷۵)

یہ شرائط تھے۔ شیخ اور مرید کے آداب بھی الگ الگ بتائے ہیں۔ شیخ کے آداب حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ مرید کی استعداد اس کی نظر میں ہو یعنی اس کی انفرادی صلاحیت اور قابلیت کو پیش نظر رکھ کر راہ سلوک میں اس کی تربیت کرتا ہو۔ (ج ا ص ۱۸۱) ۲۔ وہ مرید کے مال و متاع سے استفادہ کرنے کی لالچ سے بالکل پاک ہو۔ (ج ا ص ۱۸۵) ۳۔ وہ صاحب ایثار ہو۔ (ج ا ص ۱۸۶) ۴۔ اس کے فعل اور قول میں مطابقت ہو۔ (ج ا ص ۱۸۸) ۵۔ وہ کمزوروں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہو۔ (ج ا ص ۱۸۹) ۶۔ اس کی گفتگو نفسانیت کے شائبہ سے پاک ہو۔ (ج ا ص ۱۹۰) ۷۔ وہ کنایہ میں گفتگو کرتا ہو اور تصریح سے اجتناب کرتا ہو۔ (ج ا ص ۱۹۱) ۸۔ اس کے احوال کا غلبہ اس کے اعمال صالحہ کا مانع نہ ہو۔ (ج ا ص ۱۹۴) ۹۔ وہ اپنے مرید سے تعظیم کی توقع نہ رکھتا ہو (ج ا ص ۱۹۶) ۱۰۔ وہ مرید سے نہ زیادہ قریب ہو اور نہ زیادہ دور (ج ا ص ۱۹۸)

مرید کے آداب حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ وہ شیخ کی صحبت کو اپنے لئے فتح الباب سمجھتا ہو۔ (ج ا ص ۲۰۰) ۲۔ وہ شیخ سے تسلیم و رضا کا تعلق رکھتا ہو۔ (ج ا ص ۲۰۱) ۳۔ دنیا اور آخرت کا کوئی کام شیخ کی اجازت کے بغیر نہ کرتا ہو۔ (ج ا ص ۲۰۲) ۴۔ شیخ کی جگہ پر نہ بیٹھتا ہو۔ (ج ا ص ۲۰۳) ۵۔ اپنے خواب اور بیداری کے واقعات میں شیخ سے رجوع کرتا ہو۔ (ج ا ص ۲۰۴) ۶۔ شیخ کی

صحبت میں بلند آواز سے گفتگو نہ کرتا ہو۔ (ج ۱ ص ۲۰۵) ۷۔ شیخ سے کسی موقع پر بھی کوئی بات دلیرانہ طریقہ پر نہ پوچھتا ہو اور نہ کہتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۶) ۸۔ شیخ جس چیز کو مخفی رکھتا ہو اُس کو افشا نہ کرتا ہو۔ (ج ۱ ص ۲۰۶) ۹۔ شیخ سے اپنے اسرار بیان کر دیتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۹) ۱۰۔ شیخ کی کوئی بات نقل کرتا ہو تو اپنی فہم کا خیال رکھتا ہو۔ (ج ۱ ص ۲۱۰)

شیخ میں حسب ذیل اوصاف ہونے چاہئیں:۔

۱۔ اس میں خاص قسم کی عبدیت ہو۔ ۲۔ اس کو خدا سے براہِ راست حقائق حاصل ہوں۔ ۳۔ اس پر خاص قسم کی رحمت مقام عبدیت (یعنی قربت) ہو۔ ۴۔ علوم کی تعلیم خدا سے حاصل کی ہو۔ ۵۔ علم لدنی کی دولت سے مالا مال ہو (ج ۱ ص ۲۵۵)

مرید کی تعلیم دل کی صفائی سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے دل کی تاریکی جتنی کم ہو جاتی ہے، اتنی ہی زیادہ اس کی رُوح میں نور پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی چشم بینا سے دیکھتا ہے تو شروع میں یہ نور سرخ معلوم ہوتا ہے۔ پھر دل کی صفائی کی زیادتی سے سفید ہو جاتا ہے۔ آخر میں مزید صفائی سے سبز ہو جاتا ہے۔ اور جب دل بالکل صاف ہو جاتا ہے، تو یہ نور آفتاب کی مانند چمک اٹھتا ہے اور اس پر مشکل سے نظر جمتی ہے اور جب اس نور کا عکس نورِ روح پر پڑتا ہے تو دل اور رُوح کے سارے حجابات نظر سے دُور ہو جاتے ہیں۔ پھر ایسے نور کا شہود ہوتا ہے جس میں نہ رنگ ہے نہ کیفیت، نہ حد ہے نہ مثل، نہ تمکین ہے نہ تمکن اور اس کے لئے نہ طلوع ہے نہ غروب، نہ تحت ہے نہ فوق، نہ مکان ہے نہ زمان، نہ قرب ہے نہ بُعد، اور نہ عرش ہے نہ فرش۔ یہ منزل ذکر اور فکر سے طے ہوتی ہے ذکر و فکر کی پہلی شرط توبہ ہے۔

توبہ سے مراد افعال ناپسندیدہ یعنی غل وغش، حسد، نفاق، کذب، بخل، حرص، طمع، غصب، تلبیس، ریا، بہتان اور غیبت وغیرہ سے قطعی اعراض ہے (ج ۲ ص ۱۵۰) پھر توبہ کے ساتھ شریعت کی ساری پابندیوں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کو لازمی قرار دیا ہے البتہ ان چیزوں میں ایک عام مسلمان اور ایک سالک کی پابندی میں جو فرق ہے اس کو بہت واضح طور پر بتایا ہے۔

نماز کے لئے ایک سالک وضو کرتا ہے ، تو اس لئے کہ ۱ - اس کی جسمانی طہارت ۲ - اس کی دماغی طہارت یعنی اس کا ذہن اوہام و وساوس سے پاک ہو - ۳ - اس کے حواس باطن پاک ہوں - ۴ - اس کی روح پاک ہو (ج ۲ ص ۱۵۵) نماز میں خضوع و خشوع ضروری ہے ورنہ اس کی مثال قالب بے جان کی ہو گی - نماز میں حسب ذیل چیزوں سے لذت ملتی ہے - ۱ - حضور قلب ۲ - فہم معانی ۳ - تعظیم ماہیت ۴ - خوف و رجا ۵ - حیا - لذت بھری نماز میں سالک نور کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس کے تمام جسم میں سرایت کر جاتا ہے - اس سے اس پر سکر کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے - (ج ۲ ص ۱۵۶)

سالک روزہ رکھتا ہے تو گویا وہ حواس ظاہر و باطن کو مغلوب کر کے ہوا و نفس کو اپنے سے دُور کرنے کی کوشش کرتا ہے - اس طرح اپنے باطن کو منور کر کے کشف حاصل کرتا ہے - (ج ۲ ص ۱۵۸)

شریعت کی زکوٰۃ کے علاوہ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ سالک کا دل ذمائم سے پاک ہو - اولیاء و مشائخ علم سلوک کو سمجھائیں - مرید کو دل کی صفائی ، رُوح کی تجلی ، عشق ، محبت ، معرفت ، قربت اور حقائق و معارف کی تعلیم دیں -

ایک سالک کا حج یہ ہے کہ وہ احرام باندھتا ہے تو دنیا کے علائق و عوائق سے تجرید حاصل کرتا ہے - عرفات میں آتا ہے تو اسرار و معارف سے واقف ہوتا ہے - جب مزدلفہ پہنچتا ہے تو اس کی مرادیں پوری ہونی شروع ہو تی ہیں اور جب طواف کرتا ہے تو دل خدا کی طرف گردش کرنے لگتا ہے - جب صفا و مروہ میں سعی کے لئے جاتا ہے تو گویا بشری کدورت سے نکل کر ملکوتی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے - جب منیٰ آتا ہے تو اس کے خیالات تمام خطروں اور وسوسوں سے پاک ہوتے ہیں - جب قربانی کرتا ہے تو اپنے نفس کے دیو کو ہمیشہ کے لئے ذبح کر دیتا ہے - (ج ۲ ص ۱۶۳)

حضرت اشرف جہانگیر نے جہاد کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ جب کفار مسلمانوں کے مقابلے میں خروج کریں تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا تمام مسلمانوں کا فرض ہے (ج ۲ ص ۱۶۵) اور اگر کوئی معذور ہو تو وہ حج کرے اور وہ حج بھی نہ کر سکے تو جمعہ کی نماز میں

شرکت کرے کیونکہ جمعہ کی نماز مسکینوں کا حج ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم ہے۔

اسلام کے ان ارکان کی پابندی کے ساتھ توکل، تسلیم و رضا، جود و ایثار وغیرہ کی بھی تعلیم دی ہے۔

اگر سالک ان چیزوں کو قبول کرتا ہے جو شریعت کی رو سے حرام ہیں تو وہ عاصی اور فاسق ہے۔ توکل کی علامت یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے کسی سے سوال نہ کیا جائے اور جب غیب سے فتوح آئے تو قبول کر لے اور جب قبول کرے تو اس کو اپنے پاس نہ رکھے۔

ایک سالک کا توکل یہ ہے کہ وہ سمجھے کہ خداوند تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے اور واپس لے لیتا ہے۔ لیکن وہ بہرحال روزی پہنچاتا ہے۔ اس لئے اس کو یقین رکھنا چاہئے کہ روزی اس کے پاس پہنچے گی لیکن اس کا دل روزی کے عدم و وجود کو برابر سمجھے۔ (ج ۲ ص ۲۴۲) خدا کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہو تو وہ خوش رہے لیکن کوئی بلا نازل ہو تو اس سے غمگین نہ ہو۔ یہی تسلیم و رضا ہے لیکن ہر حال میں روزی کے لئے کسب کرنا لازم ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت اشرف جہانگیر کے ملفوظات ملاحظہ ہوں۔

"حضرت قدوۃ الکبرا نے فرمایا، اکثر مشائخ ہمیشہ کوئی پیشہ کرتے تھے اور دل و جان سے اس کی طرف بڑھتے تھے۔ اگلے مشائخ و علماء بھی پیشے میں مشغول رہتے تھے۔ اور ان کو موجب عزت سمجھتے تھے۔ ہندوستان میں پیشہ کرنا بدترین خصلت سمجھا جاتا ہے، اسی وجہ سے محتاجی اور فقیری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اکثر انبیاء کسی نہ کسی پیشہ کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے پیشہ کی توہین کرنا ایک قسم کا کفر ہے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ جو لوگ توکل کے آخری درجہ تک نہیں پہنچتے ہیں، اگر وہ پیشے میں مشغول رہیں تو اُن کے لئے جائز بلکہ لازم ہے۔" (ج ۲ ص ۲۴۳)

کسب روزی کے ساتھ ضروری ہے کہ سالک میں سخاوت، جود اور ایثار ہو۔ وہ اپنے مال میں سے تھوڑا سا کسی کو دے دیتا ہو اور تھوڑا سا رکھ لیتا ہو تو وہ سخی ہے لیکن

اگر کچھ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ جواد ہے اور سب کچھ دے کر اپنے اُوپر تکلیف اٹھاتا ہو، تو وہ صاحب ایثار ہے ۔ (ج ۲ ص ۲۴۷)

حضرت اشرف جہانگیر نے ایک سالک کو معاشرتی حیثیت سے بھی اعلیٰ قسم کے اوصاف سے متصف ہونے کی تلقین کی ہے ۔ مثلاً کھانے پینے کے آداب یہ بتائے ہیں:

۱۔ زندہ رہنے کے لئے کھانا فرض ہے ۔ خداوند تعالیٰ کی عبادت اور کسب معاش کے لئے کھانا سنت ہے ۔ سیر ہو کر کھانا مباح ہے لیکن سیری سے زیادہ کھانا حرام ہے۔

ایک سالک کے لئے کھانے میں چار چیزیں فرض ہیں :۔

۱۔ جو چیزیں کھاتا ہو وہ حلال ہوں ۔ ۲۔ کھاتے وقت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ چیز خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے ۔ ۳۔ راضی برضا ہو کر کھاتا ہو ۔ ۴۔ کھانا عبادت و طاعت کے لئے کھاتا ہو۔

اسی طرح اس کے لئے چار چیزیں سنت ہیں :۔

۱۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہے ۔ ۲۔ کھانا ختم کرنے کے بعد الحمدللہ کہے ۔ ۳۔ کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ دھوئے ۔ ۴۔ کھانے کے وقت دایاں پاؤں اٹھا دے اور بایاں پاؤں گرا دے ۔

کھاتے وقت کھانا اس کے سامنے ہو، لقمہ چھوٹا ہو، اس کو خوب چبا تا ہو، دوسروں کے لقمے نہ دیکھتا ہو، کوئی ٹکڑا اگر جاتا ہو تو اُس کو کھا لیتا ہو، انگلیاں چاٹ کر صاف رکھتا ہو، کھانا سونگھ کر نہ کھاتا ہو۔ (ج ۲ ص ۱۸۷)

سالک پر مہمانداری کے فرائض یہ ہیں :۔

وہ مہمان کو اپنے لئے باعث برکت سمجھے ۔ وہ آئے تو ماحضر یا شربت حاضر کرے ۔ کھانے کے وقت جو موجود ہو مہمان کے سامنے رکھ دے ۔ اس کی خاطرداری میں اپنے اُوپر تکلیف نہ اٹھائے ۔ اگر قدرت ہو تو حسب طاقت تکلیف اٹھائے ۔ اور اعزہ و اقربا کو بھی بلائے لیکن ان کو بلانے میں امیر و غریب کا امتیاز نہ کرے ۔ مہمان سے بہ نہ پوچھے کہ کھانا لایا جائے بلکہ خود کھانا لے آئے ۔ کھانے کا آغاز مہمان

ہی کرے ۔ کھانے میں مہمان کو جلدی کرنے کی فہمائش نہ کرے ۔ مہمان کے سامنے بچوں پر غصہ کا اظہار نہ کرے ۔ مہمان کو وضو اور استنجا کرنے کی جگہ دکھلا دے ۔

(ج ۲ ص ۱۹۴)

مہمان کو لازم ہے کہ وہ میزبان کے گھر پہنچ کر نفل روزہ نہ رکھے ۔ دائیں بائیں نہ دیکھے ۔ ہر چیز کو دیکھتا نہ رہے ۔ اس سے دناءت کا اظہار ہوتا ہے اور میزبان یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان چیزوں کا طلب گار ہے ۔ (ج ۲ ص ۱۹۵)

حضرت سیّد محمد گیسودراز رح

نسب نامہ
ابتدائی تعلیم
تربیت
خدمت مرشد
علماء اور حضرت گیسودراز
مقبولیت
معمولات
وصال
تصانیف

خاندان
بیعت
ریاضت
سجادہ نشینی
سفر دکن
طریقہ بیعت
ازدواجی زندگی
رتبہ بلند
تعلیمات
خلفاء

اسم گرامی سید محمد، کنیت ابوالفتح، القاب صدر الدین ولی الاکبر الصادق ہیں۔ عام طور پر خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسو دراز کہلاتے ہیں۔ خواجہ گیسو دراز کے لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک بار اپنے مرشد حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی۔ ان کے بال بڑے بڑے تھے۔ پالکی کے پایہ میں الجھ گئے۔ پالکی کو کندھے پر لے کر دور نکل گئے۔ بال کے الجھ جانے سے تکلیف ہوتی رہی لیکن مرشد کے عشق و محبت میں خاموش رہے اور غایت تعظیم میں بال کو پالکی کے پایہ سے نہ نکال سکے۔ جب حضرت شیخ نصیر الدین کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے مرید کی اس محبت اور عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور اسی وقت یہ شعر پڑھا ؎

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد　　واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

(ترجمہ: ہر وہ شخص جو سید گیسو دراز کا مرید ہوا لازماً اس نے راہِ عشق اختیار کر لی۔)

اس کے بعد سے گیسو دراز مشہور ہوئے۔ (اخبار الاخیار ص ۱۲۳)

نسب نامہ ــــ خاندانی شجرہ یہ ہے: ولی الاکبر الصادق ابو الفتح محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف بن حسن بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابو الحسن الجنیدی ابن حسین بن ابی عبد اللہ بن محمد بن عمر بن یحیٰ بن حسین بن زید المظلوم بن علی اصغر زین العابدین بن امام حسین رضی ابن سیدنا علی رض ابن ابی طالب ۔

لے سیر محمدی مصنفہ مولانا شاہ محمد علی سامانی مرید حضرت سید گیسو دراز (بقیہ بر ص ۳۶۵)

خاندان ـــــ حضرت گیسو دراز کے مورث اعلیٰ ہرات سے دہلی آئے تھے ۔ یہیں ۷۲۱ھ میں ان کی ولادت با سعادت ہوئی ۔ (سیر محمدی ص ۹) ان کے والد بزرگوار سید یوسف حسینی عرف سید راجا کو حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء سے ارادت تھی ۔ اپنے ملفوظات جوامع الکلم میں خود فرماتے ہیں "میرے والد بزرگوار حضرت شیخ نظام الدینؒ کی خدمت میں منسلک رہے "۔ ان کے نانا بھی حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کے مرید تھے ۔ (ص ۹)

جب حضرت گیسو دراز کی عمر چار سال کی تھی تو ان کے والد بزرگوار سلطان محمد تغلق کے عہد میں دہلی سے دیوگیر منتقل ہو گئے ۔ اس زمانہ میں دولت آباد کے صوبہ دار حضرت گیسوؒ دراز کے ماموں ملک الامراء سید ابراہیم مستوفی تھے ۔ یہاں ایک بزرگ شیخ بابو رہا کرتے تھے جن کی صحبت میں حضرت گیسوؒ دراز کے والد ماجد برابر شریک رہتے ۔ والدِ بزرگوار کے ساتھ حضرت گیسوؒ دراز بھی ان کی خدمت میں تشریف لے جاتے ۔ یہ بڑی شفقت سے پیش آتے ۔ چنانچہ انہوں نے بچپن ہی میں ان کے لئے اچھے کلمات استعمال کئے (سیر محمدی ص ۹) آٹھ ہی سال کی عمر میں حضرت گیسو دراز سے دینی شغف کا اظہار ہونے لگا ۔ وضو اور نماز میں خاص اہتمام کرتے ۔ چھوٹے بچے ان کی خدمت میں جمع رہتے اور بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کے سامنے اٹھتے بیٹھتے ۔ وضو کے لئے پانی کا گھڑا بھر کر ان کے لئے رکھتے ۔ حضرت گیسو دراز اس کم عمری میں بھی مشائخ کی طرح ان کو تبرک عنایت کرتے جب دس سال کے ہوئے تو ان کے والد ماجد کا انتقال ۷۳۱ھ میں دولت آباد میں ہو گیا اور یہیں سپرد خاک ہوئے ۔ آج بھی ان کے مزار پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے ۔ (ص ۹)

ابتدائی تعلیم ـــــ اپنے نانا سے پائی اور پھر دوسرے استاد سے مصباح اور قدوری پڑھیں ۔ نانا اور والد ماجد کی صحبت میں حضرت نظام الدینؒ اولیاء اور حضرت نصیر الدین چراغؒ دہلی کا ذکر برابر سنتے تھے ۔ چنانچہ ایام طفلی ہی میں خواجگانِ چشت سے عقیدت پیدا ہو گئی اور حضرت چراغ دہلی کے دیدار اور ملاقات کے مشتاق ہو گئے ۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۳۶۴) مطبوعہ یونانی دواخانہ پریس ۔ سبزی منڈی ۔ الہ آباد ۔

مراجعت دہلی ــــ جب حضرت گیسو دراز کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو کچھ دنوں بعد ان کی والدہ کو اپنے بھائی ملک الامراء سید ابراہیم مستوفی سے رنجش پیدا ہو گئی اور دل برداشتہ ہو کر دولت آباد کی سکونت چھوڑ دی۔ بچوں کو لے کر ۷۳۶ھ میں دہلی چلی آئیں۔ اس وقت حضرت گیسو دراز کی عمر پندرہ سال تھی۔

بیعت ــــ دہلی پہنچنے کے بعد حضرت گیسو دراز جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں گئے۔ وہاں حضرت چراغ دہلی کو دور سے دیکھا تو اُن کے چہرۂ مبارک کے جمال وانوار سے مسحور ہو گئے اور ۱۶ رجب ۷۳۶ھ کو اپنے بڑے بھائی سید چندن کے ساتھ حضرت چراغ دہلی کے دست مبارک پر بیعت کی۔

تربیت ــــ بیعت کے بعد حضرت گیسو دراز کی خواہش ہوئی کہ مرشد کی جلد جلد قدم بوسی کریں لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہ ہوتی۔ پھر بھی مرشد ان سے بڑی شفقت سے پیش آتے۔ ایک مرتبہ مرشد نے ان سے فرمایا، تم جب بھی میرے پاس آتے ہو تو بے وقت آتے ہو۔ میں اس وقت ملول رہا کرتا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم سے کچھ بات چیت کیا کروں۔ حضرت گیسو دراز اس شفقت کو اپنے لئے بڑی دولت تصور کرتے رہے۔

مرشد کی ہدایت کے مطابق عبادت و ریاضت میں تدریجی ترقی کی۔ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:-

"ایک بار اشراق کے بعد پابوسی کے لئے حاضر ہوا۔ (حضرت خواجہ نے) فرمایا، صبح کی نماز کے لئے جو وضو کرتے ہو کیا وہ آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد تک باقی رہتا ہے۔ میں نے عرض کی، جی ہاں! آپ کے صدقہ میں باقی رہتا ہے۔ فرمایا اچھا ہو جو اسی وضو سے دوگانہ اشراق بھی پڑھ لیا کرو۔ میں نے کھڑے ہو کر عرض کی، آپ کے صدقہ میں پڑھوں گا

---

[1] جوامع الکلم ملفوظات خواجہ گیسو دراز مرتبہ سید حسین المعروف سید محمد اکبر حسینی مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج۔ ص ۳۸۔

پھر فرمایا، اسی کے ساتھ شکر النہار اور استخارہ بھی پڑھ لیا کرو۔ جب چند روز اس کی پابندی کر چکا تو ایک روز فرمایا، دوگانہ اشراق پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا بلا ناغہ پڑھتا ہوں۔ ارشاد فرمایا، اگر اس میں چاشت کی بھی چار رکعت ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔ میں نہیں کہتا کہ اور کسی وقت پڑھو بلکہ بعد اشراق اسی وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔"

"میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا۔ ایک بار پوچھا، کیا تم رجب میں روزے رکھا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! پھر پوچھا شعبان میں بھی؟ میں نے کہا، نو روزے رکھتا ہوں۔ فرمایا، اگر اکیس دن اور رکھ لیا کرو تو پورے تین مہینے کے روزے ہو جایا کریں گے۔ میں نے گزارش کی، آپ کے صدقہ میں رکھوں گا۔ میں نے اپنی والدہ کو بتایا۔ وہ اس وقت تک حضرت شیخ سے بیعت نہیں ہوئی تھیں۔ مجھ پر برہم ہوئیں، کچھ سخت سست بھی کہا۔ میں نے ان سے عرض کیا، آپ جو چاہیں کہیں، لیکن شیخ نے جو کچھ فرمایا ہے اس پر عمل کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔ میں رمضان کے بعد شش عید کے چھ روزے بھی رکھا کرتا تھا۔ ان ہی ایام میں ایک دن قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ ارشاد فرمایا، ہمارے خواجگان صوم داؤدی نہیں رکھا کرتے بلکہ صوم دوام رکھتے تھے۔ تم بھی صوم دوام رکھا کرو۔" (جوامع الکلم ص ۲۲۸)

باطن کو آراستہ کرنے کے علاوہ علوم ظاہری کی تعلیم کا بھی سلسلہ جاری رکھا۔ کچھ کتابیں مولانا سید شرف الدین کیتھلی، کچھ مولانا تاج الدین بہادر اور کچھ مولانا قاضی عبدالمقتدر سے پڑھیں۔

ریاضت ——— ذکر وفکر میں زیادہ لذت ملنے لگی تو گھر چھوڑ کر خطیرۂ شیر خان پناہ کے ایک حجرہ میں آکر مراقبہ کرنے لگے اور یہاں دس برس تک ریاضت کی۔ یہیں سے مولانا قاضی عبدالمقتدر سے تعلیم حاصل کرنے جاتے اور وہاں سے مرشد کی پابوسی کے لئے پہنچتے۔ علوم باطن کے حاصل کرنے میں علوم ظاہر کی تحصیل سے دل برگشتہ رہنے لگا۔ اس لئے مرشد سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو علم ظاہر کی تعلیم اب چھوڑ دوں اور علم باطن کی تعلیم

حاصل کرنے میں مشغول رہوں۔ لیکن مرشد نے فرمایا، ہدایہ، بزدوی، رسالہ شمسیہ، کشاف اور مصباح خوب غور سے پڑھ لو۔ تم سے ایک کام[1] لینا ہے۔ مرشد کے حکم کے مطابق تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور انیس سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ جب ان علوم سے فراغت ہو گئی تو ریاضت شاقہ کی طرف توجہ کی۔ پنجگانہ، دہ گانہ، پانزدہ گانہ ادا فرماتے اور طی کے روزے رکھتے۔

حضرت چراغ دہلی اپنے مرید کی ریاضت سے بہت متاثر ہوئے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ میں شوریدگی پیدا کر دی ہے اور پہلے زمانہ کے واقعات مجھے یاد دلا دیئے ہیں۔ چنانچہ ان کی شفقت روز بروز بڑھتی گئی۔ ایک بار خود خطیرۂ شیر خاں تشریف لے گئے اور اپنے محبوب مرید کو کچھ روپے بھی نذرانے میں پیش کئے جس کے بعد سے حضرت گیسو دراز کی بڑی شہرت ہوئی۔ باکمال صوفیاء کہا کرتے تھے کہ اس شخص کو جوانی میں "مقام پیران واصل و مقتدایان کامل" کا درجہ حاصل ہے۔ (سیر محمدی ص ۱۶) ریاضت کا ذوق اتنا بڑھ گیا کہ انسانی آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں جا کر مجاہدہ کرنے لگے۔

خدمت مرشد — عزلت و خمول کی ریاضت کے بعد مرشد کی خدمت میں آ کر ایک عرصہ تک رہے۔ اس زمانہ میں ان کے معمولات یہ تھے۔ علی الصبح اٹھ کر مرشد کو وضو کراتے۔ پھر خود وضو کر کے نماز صبح با جماعت ادا کرتے اور جب تک مرشد اوراد و وظائف میں مشغول رہتے طالبانِ حق کو سلوک کی تعلیم دیتے اور جب مرشد کی مجلس منعقد ہوتی تو اس میں شریک ہوتے اور جب برخاست ہوتی اور مرشد حجرہ میں عبادت میں مشغول ہوتے تو خود بھی ایک گوشہ میں بیٹھ کر یادِ حق میں مصروف رہتے۔ پھر چاشت کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر قیلولہ کرتے۔ اس کے بعد کلام پاک کی تلاوت فرماتے۔ ظہر کا وقت آتا تو پہلے خود وضو کرتے پھر مرشد کو وضو کراتے۔ ظہر کی نماز کے بعد مرشد حجرہ میں تشریف لے جاتے تو خود بھی اپنے حجرہ

---

[1] سیر محمدی ص ۱۶ "تم سے ایک کام لینا ہے" سے مراد تصنیف و تالیف کا کام ہے

میں آکر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ سہ پہر کا وقت ہو جاتا۔ مرشد کی مجلس پھر منعقد ہوتی، اس مجلس میں وضو کر کے شرکت کرتے اور مرشد کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر مغرب تک تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے۔ مغرب کی نماز اور اوابین ادا کر کے عشاء تک طالبانِ سلوک کو تعلیم دیتے پھر بقدر سد رمق کھانا تناول فرما کر سو جاتے اور نصف شب کو بیدار ہو کر پہلے خود وضو کرتے پھر مرشد کو وضو کراتے اور جب مرشد حجرہ میں داخل ہو کر حق کی یاد میں مشغول ہو جاتے تو خود بھی نماز تہجد ادا کر کے حجرہ کے باہر دروازہ سے پشت لگا کر ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے۔ اس وقت بھی پانی کا آفتابہ وغیرہ ساتھ رکھتے کہ جب مرشد صبح کی نماز کے لئے حجرہ سے باہر آئیں تو اس وقت وضو کے لئے سامان تیار ملے۔ (سیر محمدی ص ۶۵ - ۶۴)

پہلے ذکر آچکا ہے کہ ایک بار پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی تو اُن کے گیسو پالکی میں اُلجھ گئے لیکن تکلیف کے باوجود مرشد کے تعشق و محبت میں خاموش رہے اور غایت تعظیم میں بال پالکی کے پایہ سے نکالنا پسند نہ کیا۔ جب مرشد کو اس کی خبر ہوئی تو مرید کی اس محبت و عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور ایک شعر پڑھا جس میں ان کو گیسو دراز کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔ مرشد کو بھی اپنے مرید سے ہمیشہ بڑی محبت رہی۔ چنانچہ جب وہ اپنی وفات سے ایک سال پہلے باسور بادی کے مرض میں مبتلا ہوئے، تو غایت تکلیف میں حضرت سید گیسو دراز ہی سے اپنی صحت کے لئے دعا کرائی اور ان ہی کی دعاؤں کی برکت سے شفا پائی۔ (سیر محمدی ص ۱۸)

حضرت سید گیسو دراز اپنی عمر کے ۳۷ ویں سال غلہ کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور خون تھوکنے لگے، اسی کے ساتھ ہچکیاں بھی آتی تھیں۔ مرشد نے ان کے لئے دوا، طبیب اور تیمار دار بھیجے اور روزانہ ایک آدمی ان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے روانہ فرماتے۔ جب ان کو شفا ہوئی تو ان سے مل کر بے حد خوش ہوئے اور اپنا کمبل عطا فرمایا۔ اس ملاقات کے بارہ میں سیر محمدی کے مؤلف رقم طراز ہیں :-

"اپنا کمبل اپنے سامنے سے اٹھا کر حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور

حضرت مخدوم کے ہاتھ مضبوط پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے لئے محنت و مشقت کرتا ہے تو کسی چیز کے واسطے کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ سید محمد اس کام کو میری طرف سے قبول کرو، یعنی لوگوں سے بیعت لیا کرو۔ حضرت مخدوم نے سر نیچا کر لیا اور خاموش رہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے قبول کر لیا؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا، قبول کیا۔ اس کے بعد آپ نے دو وصیتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے ظاہری اوراد ترک نہ کرنا۔ دوسرے یہ کہ میرے متعلقین کے ساتھ رعایت و مراعات کرنا۔" (ص ۳۱)

سجادہ نشینی ——— حضرت چراغ دہلی کا وصال ہوا تو اُن کی میت کو حضرت سید گیسو دراز ہی نے غسل دیا اور جس پلنگ پر غسل دیا تھا اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈال لیں کہ یہ میرا خرقہ ہے۔ (سیر العارفین ج ۲ ص ۲۵) حضرت چراغ دہلی کے سوانح حیات کے سلسلہ میں ذکر آ چکا ہے کہ انہوں نے کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنا پسند نہیں فرمایا۔ لیکن سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ انہوں نے رحلت کے وقت حضرت سید گیسو دراز کو اپنی جانشینی کے لئے منتخب کیا (سیر محمدی ص ۲۵-۲۴) چنانچہ ان کی وفات کے بعد اُن کے جانشین ہو کر سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے۔ سیر محمدی میں ہے:۔

"بعد زیارت سیوم بندگی شیخ (یعنی حضرت چراغ دہلی) سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے اور اپنا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھا دیا۔ طالبان حق کو تلقین و ارشاد فرمانے لگے جیسے کہ حضرت بندگی شیخ نصیر الدین محمود تلقین و ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ زمانہ شیخوخت میں بہت سے علماء، صلحاء، سلاطین، خوانین اور قسم قسم کی مخلوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھی۔" (ص ۲۵)

علماء اور حضرت سید گیسو دراز ——— دہلی کے علماء میں جب مولانا حسین حضرت گیسو دراز کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے تو مولانا حسین کی بہن کے ایک داماد نے حضرت گیسو دراز سے اپنی بدعقیدگی کا اظہار کیا اور مولانا حسین سے کہا کہ آپ سید محمد کے کیا مرید ہوئے انہوں نے جواب دیا تم نے سید محمد کو دیکھا ہی نہیں۔ اگر دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ وہ کیا چیز

ہیں ۔ دوسرے دن مولانا حسین بہن کے داماد کے ساتھ حضرت گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ ایک تخت پر تشریف فرما تھے ۔ سر پر عمامہ تھا اور ہاتھ میں سُرخ چمڑے کا پنکھا لئے ہوئے تھے ۔ مولانا حسین کی بہن کے داماد کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ صاحب نعمت ہوں گے تو پنکھا اور عمامہ مجھ کو عنایت فرمائیں گے ۔ حضرت گیسو درازؒ کو کشف ہو گیا ۔ اسی وقت ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ۔ مولانا سنو! بغداد میں ایک بازی گر تھا ۔ وہ مجمع میں ایک گدھے کو لا کر کھڑا کر دیتا اور اس کی دونوں آنکھیں کپڑے سے باندھ دیتا ۔ اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہتا کہ تم میں سے کوئی کسی کی کوئی چیز چرا لے، تو میں اس کو پکڑ لوں گا ۔ اس تماشہ میں ایک شخص کسی کی کوئی چیز چرا لیتا ۔ اور وہ بازی گر گدھے کی آنکھ کھول کر اُس سے کہتا کہ فلاں کی چیز کوئی چرا لے گیا ہے ۔ تو اُس کو پکڑ لا ۔ گدھا سب کو سونگھتا پھرتا اور جب چور کے پاس پہنچتا تو چور کے کپڑے دانتوں سے پکڑ لیتا اور اس کو کھینچ کر بازی گر کے پاس لے آتا ۔ اس قصہ کو بیان کر کے حضرت گیسو دراز نے فرمایا، بڑی مشکل ہے اگر کوئی اظہار کرامت کرے تو اس گدھے کی مانند ہے اور اگر اظہار کرامت نہ کرے تو لوگ اسے کب نعمت کہیں ۔ یہ کہہ کر مولانا حسین کے داماد کو پنکھا اور عمامہ دیا اور فرمایا لیجئے اور لے جائیے ۔ مولانا حسین کے داماد متحیر ہوئے اور اسی وقت بیعت میں داخل ہو کر ذکر حق میں مشغول رہنے لگے ۔ (سیر محمدی ص ٦٠)

دہلی کے مولانا نصیر الدین قاسم اپنے علم اور تقویٰ میں بہت مشہور تھے ۔ اُن کے استاد مولانا معین الدین کو ان پر فخر تھا ۔ حضرت سید گیسو دراز کے بچپن اُن سے درسی کتابیں پڑھتے تھے ۔ کبھی وہ مولانا نصیر الدین قاسم کے گھر پر چلے جاتے اور کبھی مولانا خود خانقاہ ہی میں آ کر ان کو پڑھاتے ۔ مولانا کو اپنی ابتدائی زندگی میں کسی سے اعتقاد نہ تھا لیکن آخر میں حضرت سید گیسو دراز سے بیعت کر لی ۔ مولانا معین الدین کو بیعت کی خبر ہوئی تو مولانا نصیر الدین قاسم کو بلا کر کہا، تم تو خود عالم تھے پھر سید محمد سے مرید کیوں ہو گئے مولانا نصیر الدین نے عرض کیا، پہلے عالم تھا اب حضرت مخدوم کے سامنے مسلمان ہوا ہوں ۔ (سیر محمدی ص ٦١)

ملک زادے بھی مذہبی اور روحانی استفادہ کے لیئے برابر خدمت میں حاضر ہوتے رہتے۔ ایک بار ایک ملک زادہ آیا تو حضرت گیسو دراز کے ہاتھوں میں ان ہی کا لکھا ہوا ایک رسالہ تھا۔ ملک زادہ نے اس کو مانگ کر دیکھا تو اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ساتھ معیت ذاتی ہے۔ ملک زادہ کو یہ بات کھٹکی۔ وہ دہلی کے مولانا قاضی عبدالمقتدر کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کہ حضرت گیسو درازؒ نے لکھا ہے کہ مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت ذاتی ہے، حالانکہ کتابوں میں ہے کہ مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت علمی ہے۔ مولانا قاضی عبدالمقتدر ملک زادہ کو کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے تو اس نے یہ بات سلطان فیروز شاہ تغلق کے کان تک پہنچائی۔ سلطان فیروز شاہ نے ملک عمادالملک کو بلایا اور اس سے دریافت کیا کہ سید محمد جادۂ شریعت سے ہٹ تو نہیں گئے۔ عمادالملک نے عرض کیا کہ حضرت مخدوم کو جانتا ہوں۔ میرے دو بچے میاں جیون اور میاں شاہین ان سے مرید بھی ہیں۔ پھر بھی حکم ہو تو تحقیق کروں۔ سلطان نے کہا کہ علماء کو جمع کرو اور اس مسئلہ کی تحقیق کراؤ۔ جمعہ کے روز عمادالملک پرانی دہلی کی اس مسجد میں علماء کے ساتھ گیا جہاں حضرت گیسو دراز جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیئے تشریف لاتے۔ لیکن عمادالملک علماء کے ساتھ مسجد میں اس وقت پہنچا جب حضرت گیسو درازؒ نماز پڑھ کر واپس جا چکے تھے۔ عمادالملک نے دہلی کے مشہور عالم مولانا سید علاؤالدین کو حضرت گیسو دراز کی خانقاہ میں بھیجا کہ مسئلہ مذکور کے بارے میں ردّ و قدح کر لیں۔ چنانچہ مولانا علاؤالدین خانقاہ آئے اور حضرت گیسو دراز سے بحث شروع کی کہ بعض اشخاص کہتے ہیں کہ آپ نے معیّت سے معیّتِ ذاتی مراد لی ہے۔ حضرت گیسو دراز نے فرمایا، ہاں یہی مراد ہے۔ علماء نے معیّت صفتی کہا ہے۔ صفت ذات سے علیحدہ نہیں ہے اور نہ جدا ہو سکتی ہے۔ تو اللہ کی جو معیّت از روئے صفت ہوئی وہ از روئے ذات بھی ہوئی۔ اس کے علاوہ یہ معیت صفتی اعتباری ہے حقیقی نہیں۔ پس اعتبار ذات میں ہو یا صفات میں، اس میں کیا ہرج ہے۔ مولانا علاؤالدین کو اس جواب سے تشفی ہو گئی اور ان کے ساتھی بھی اس دلیل کو رد نہ کر سکے۔ (ص ۶۲)

سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ بعض لوگوں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو یہ بھی خبر پہنچائی کہ حضرت گیسو دراز کی مجلس سماع میں مریدین اپنا سر زمین پر رکھا کرتے ہیں۔ اور بڑا شور مچاتے ہیں۔ سلطان نے یہ سن کر حضرت گیسو دراز کو یہ کہلا بھیجا کہ اپنی مجلس سماع خلوت میں کیا کریں۔ اس کے بعد سے حضرت گیسو دراز اپنے حجرہ میں یہ مجلس منعقد کرانے لگے۔ بیچ میں ایک پردہ ڈال دیتے، پردہ کی دوسری طرف مریدین صف باندھ کر بیٹھتے اور جب حضرت سید گیسو دراز پر وجد طاری ہوتا تو خادم حجرے کا دروازہ بند کر دیتا۔ (ص ۶۱)

سفر دکن ـــــ دہلی میں تقریباً چوالیس سال کے قیام کے بعد تیمور کے حملے کے زمانے یعنی ۸۰۱ھ میں گلبرگہ منتقل ہو گئے۔ دہلی سے گلبرگہ آتے ہوئے راستے میں بہادر پور، گوالیار، بھاندیر، ایرچہ، چندیری، کنبھایت، بڑودہ، سلطان پور، دولت آباد اور اکندہ میں قیام فرمایا۔ دوران سفر میں ہر جگہ لوگ جوق در جوق استقبال کے لئے آتے۔ بھاندیر، کنبھایت اور دولت آباد کے ضابطوں یعنی حاکموں نے بھی پیشوائی کی۔ جہاں ٹھہرتے وہاں خواص و عوام دونوں حلقہ بیعت میں داخل ہوتے اور حسب مراتب اُن کو تلقین فرماتے۔ چندیری پہنچے تو وہاں کے مفتی کے صاحبزادے قاضی خواجگی نے بھی جو بڑے ذی علم بزرگ تھے، بیعت کی۔ بیعت کے بعد ذکر کی تلقین کی خواہش ظاہر کی تو حضرت گیسو درازؒ نے فرمایا، ذکر کی تلقین میں میری ایک خاص روش ہے اور وہ یہ کہ طالبِ ذکر اپنے سر پر جنگل سے لکڑی لائے تو اس وقت میں ذکر کی تلقین کرتا ہوں۔ تم خود شیخ ہو، شیخ زادہ ہو، یہاں کے صدر ہو، جنگل سے لکڑی نہ لا سکو گے۔ جس شغل میں ہو اس میں مشغول رہو۔

جب گلبرگہ کے قریب پہنچے تو سلطان فیروز اپنے خاندان، امراء اور دربار کے علماء و سادات و شاہی لشکر کے ساتھ استقبال کے لئے آیا اور ادب و احترام کے ساتھ گلبرگہ لایا۔ تاریخ فرشتہ (ج ۱ ص ۳۱۶) میں ہے۔

"فیروز آباد میں سلطان (فیروز شاہ بہمنی) کو یہ خبر پہنچی کہ دہلی سے ایک سید عالی مقام

عرش احترام میر سید محمد گیسو دراز دکن تشریف لائے ہیں اور حسن آباد گلبرگہ کے قریب پہنچ چکے ہیں، تو اس خبر سے خوش ہوا اور فیروز آباد سے حسن آباد گلبرگہ آیا۔ اپنے امراء ارکان دولت اور لڑکوں کو استقبال کے لئے بھیجا اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ شہر میں تشریف لائے۔ فیروز شاہ حکیمانہ مذاق رکھتا تھا۔ اس لئے جب سید محمد گیسو دراز کو علم ظاہری خصوصاً معقولات سے خالی پایا تو آپ کی طرف توجہ نہیں کی۔"

فرشتہ کا یہ بیان بالکل صحیح نہیں کہ حضرت سید گیسو دراز علوم ظاہری سے خالی تھے۔ کیونکہ ہم گزشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں کہ انہوں نے علم ظاہری میں بھی کمال حاصل کیا تھا۔ برہان مآثر میں جو سلاطین بہمنی کے متعلق مستند اور اہم معلومات فراہم کرتی ہے۔ ایسے صاف اور واضح بیانات ہیں جن سے فرشتہ کے بیان کی مطلق تصدیق نہیں ہوتی۔ ملاحظہ ہو:-

"اسی سال حضرت سید محمد گیسو دراز مریدوں اور باکمال درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ دہلی سے دکن تشریف لائے اور گلبرگہ کو بھی اپنے قدم مبارک سے سرفراز کیا۔ سلطان (فیروز شاہ) کو بھی اس کی خبر پہنچی۔ اس کو سادات عظام اور مشائخ عالی مقام کی صحبت سے بڑی رغبت تھی اور اہم معاملات میں اس گروہ کی رائے سے استفادہ کیا کرتا تھا۔ اسی اخلاص کی بنا پر وہ حضرت سید گیسو دراز کی تشریف آوری سے بہت خوش ہوا۔ اور فضلا کی ایک جماعت کو ان کی خدمت میں بھیجا تاکہ ان کے حالات معلوم کرکے ان کی حقیقت سے اس کو مطلع کریں۔ وہ جماعت سلطان کی ہدایت کے مطابق ان کی خدمت میں گئی اور ان کو تمام علوم ظاہری و باطنی، کشف و کرامات اور مقامات میں مرتبۂ کمال تک پایا۔ اور جو کچھ کہ دیکھا سلطان کی خدمت میں آکر عرض کیا۔ اس کی وجہ سے سلطان کی عقیدت میں اور بھی اضافہ ہوا اور اس کو ان کی صحبت کی بہت زیادہ خواہش پیدا ہوئی اور تعظیم و تکریم میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔ چند آباد گاؤں ان کے آستانے کے خدام کے لئے عنایت کئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں سلطان کو حضرت سید محمد گیسو دراز سے ایسے تعلقات پیدا ہو گئے کہ روز بروز بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ

سلطان گردش زمانہ سے تخت سے معزول ہو گیا اور ان کی عدم توجہ سے جو کچھ اسے دیکھنا پڑا اس کا ذکر آگے آئے گا"

برہان مآثر کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کو فیروز شاہ بہمنی سے کلفت ہوئی اور ان کی نظر توجہ اس کی طرف سے ہٹ گئی۔ چنانچہ جب وہ حصار پانگل کی تسخیر کے لئے گیا تو اس کو شکست ہوئی۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ سلطان کو یہ شکست محض اس لئے ہوئی کہ حضرت سید گیسو درازؒ کی توجہ اس کی طرف نہیں رہی تھی۔ خود سلطان فیروز شاہ بہمنی کا بھی یہی خیال تھا۔

سیر محمدی میں حضرت سید گیسو درازؒ اور فیروز شاہ بہمنی کے تعلقات کے سلسلہ میں صرف اتنا ذکر ہے کہ جب حضرت سید گیسو دراز گلبرگہ کی طرف روانہ ہوئے تو سلطان فیروز شاہ نے لشکر کے ساتھ شہر کے باہر آکر استقبال کیا۔ گلبرگہ پہنچ کر حضرت سید گیسو دراز نے اس کی درازیٔ عمر کے لئے دعا کی۔ حضرت سید گیسو درازؒ کے وصال اور اس کی موت میں صرف چند دن کا فرق تھا۔ (سیر محمدی ص ۳۴)

سلطان فیروز شاہ بہمنی کا جانشین سلطان احمد شاہ حضرت سید گیسو درازؒ کا برابر معتقد رہا۔ اپنی تخت نشینی سے پہلے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ان کے لئے ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی اور خانقاہ کے درویشوں پر طرح طرح کی نوازشیں کیا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت سید گیسو درازؒ کی دعاؤں کی بدولت وہ تخت و تاج کا مالک ہوا تھا۔ اس لئے تخت پر بیٹھنے کے بعد حضرت سید گیسو دراز کا ادنیٰ غلام بن گیا۔ تاریخ فرشتہ میں ہے :-

"سلطان احمد شاہ بہمنی سادات، علماء، اور مشائخ کی تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا تھا۔ اس کے حق میں حضرت سید گیسو دراز کی جو کرامت ظاہر ہوئی اس کی بنا پر وہ ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ عوام اپنے بادشاہ ہی کے دین کی تقلید کرتے ہیں۔ دکن کے

---

[1] برہان مآثر مؤلفہ سید علی طبا طبا، شائع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن ص ۳۴

لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور تمام لوگ ان کے آستانے کا طواف کیا کرتے تھے۔
اور سلطان نے اپنے اسلاف کی روش کے خلاف شیخ محمد سراج کے خاندان سے ترک ارادت کیا اور حضرت سید محمد گیسو دراز کا مرید ہوا۔ حسن آباد گلبرگہ کی سرکار میں ان کے لئے چند گاؤں اور قصبے وقف کئے اور ان کے قیام کے لئے ایک عالیشان عمارت شہر کے متصل بنوائی۔ اس وقت بھی جب کہ حسن آباد گلبرگہ کی حکومت خاندان بہمنیہ سے عادل شاہی خاندان میں منتقل ہو گئی ہے، احمد شاہ کے وقف کردہ قصبات حضرت سید گیسو دراز کی اولاد کے تصرف میں ہیں۔" (ج ۱ ص ۳۱۹)

گو حضرت سید گیسو درازؒ کا وصال سلطان احمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں ہو گیا لیکن تخت نشین ہونے سے پہلے تقریباً اکیس بائیس برس تک وہ ان کی صحبت میں رہ چکا تھا۔ حضرت سید گیسو دراز کو شریعت کی پابندی کا بڑا خیال تھا سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ اگر کبھی بمقتضائے بشریت آپ کے دل میں کسی نامشروع کام کے کرنے کا خطرہ پیدا ہوتا تو غیبی طاقت مانع ہو جاتی۔ احمد شاہ بہمنی کو بھی حضرت سید گیسو دراز کی صحبت میں شریعت کی پابندی کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں شریعت کی ترویج پر بڑا زور دیا۔ (ص ۳۷)

مقبولیت ـــــ دکن کے خواص و عوام دونوں حضرت سید گیسو درازؒ کے فیوض و برکات کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے رہے اور ان کو اس دیار میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ تاریخ فرشتہ میں ہے :-

"دکن کے باشندے حضرت سید گیسو دراز کے بہت زیادہ معتقد تھے۔ اس حد تک کہ ایک شخص نے ایک دکنی سے پوچھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں یا سید محمد گیسو دراز۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ پیغمبر خدا ہیں لیکن مخدوم سید محمد گیسو درازؒ چیز ہی اور ہیں۔ اس سے حضرت سید کی ذات سے اہل دکن کی حسن عقیدت اور اخلاص کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔" (ج ۱ ص ۳۲)

اگرچہ نقل کفر کفر نباشد۔ لیکن یہ اقتباس اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سے حضرت سید گیسو دراز کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا عبدالحق اخبار الاخیار میں حضرت سید گیسو درازؒ کے ذکر کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں:۔

"۔۔۔۔ دکن کی طرف چلے گئے اور بہت ہر دلعزیز ہوئے۔ ان علاقوں کے رہنے والے ہمیشہ ان کے گرویدہ اور فرماں بردار رہے۔" (ص ۱۲۳)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

"۔۔۔۔ دکن کی طرف تشریف لے گئے اور قبولیت عام پائی۔ اہل دکن چھوٹے بڑے سب کے سب ان کے اطاعت گزار اور معتقد ہو گئے اور اس سید نامدار کی مسلسل توجہ سے ہزاروں متلاشیانِ حق و صداقت قرب حق سے مشرف ہوئے اور ان کا مسلک سارے دکن میں رواج پا گیا۔" (ج ا ص ۳۸۱)

مراۃ الاسرار کے مؤلف لکھتے ہیں:۔

"۔۔۔۔ دکن تشریف لے جا کر وہ گلبرگہ شہر میں رہائش پذیر ہوئے اور لوگوں میں خاصے مقبول ہوئے۔ وہاں کے سب خاص و عام ان کے گرویدہ و شیفتہ تھے۔ یہاں تک کہ وہاں کے بادشاہ آج بھی اپنے گھرانے کی لڑکیوں کو میر سید محمدی کے خاندان کے لڑکوں کے نکاح میں دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔"

طریقۂ بیعت ۔۔۔۔ حضرت سید گیسو درازؒ کے پاس جب کوئی مرید ہونے کے لئے آتا تو وہ اس کے ہاتھ پر اپنا دست مبارک رکھ دیتے اور فرماتے تم نے اس ضعیف، اس ضعیف کے خواجہ اور اس ضعیف کے خواجہ کے خواجہ اور اسی سلسلہ کے دوسرے مشائخ کے ساتھ عہد کیا کہ اپنی نگاہ اور اپنی زبان کی حفاظت کرو گے اور جادۂ شریعت پر قائم رہو گے، کیا تم نے یہ قبول کیا؟ مرید عرض کرتا، جی ہاں! میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرماتے، الحمد للہ! پھر دست مبارک میں قینچی لیتے اور تکبیر کہتے ہوئے داہنی طرف

سے کان کے قریب تھوڑے سے بال کاٹ لیتے۔ اسی طرح بائیں طرف کے چند بال کاٹتے پھر تکبیر کہتے ہوئے اس کو ایک ٹوپی پہناتے۔ اس کے بعد مرید کو دو رکعت نماز پڑھنے کے لئے کہتے اور جب وہ نماز پڑھنے کو جاتا تو فرماتے، اگر اس شخص نے صدق دل سے توبہ کی ہوگی تو اس کا نام توبہ کرنے والوں کی فہرست میں لکھا جائے گا، اور قیامت کے روز توبہ کرنے والوں کے ساتھ اس کو جزا ملے گی۔ اور جب مرید دو رکعت نماز پڑھ کر آتا تو اس کو پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرنے کی تاکید فرماتے۔ جمعہ کو غسل اور جمعہ کی نماز کی پابندی کی بھی سختی سے تلقین کرتے۔ پھر مختلف اوقات کے لئے نمازیں اور اوراد و وظائف بتاتے۔ ہر مہینہ ایام بیض کے روزے رکھنے کے لئے بھی ہدایت کرتے۔ ان ہدایات کے بعد فرماتے کہ جس طرح ایک سپاہی کے لئے کمان، تیغ و سپر وغیرہ ضروری ہے اسی طرح ایک صوفی کے لئے ان باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے ورنہ پھر اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ (جوامع الکلم ص ۳۶)

اگر کسی عورت کو مرید فرماتے تو ایک بڑے پیالہ میں پانی لایا جاتا۔ اپنی شہادت کی انگلی پیالہ میں ڈالتے۔ عورت بھی انگشت شہادت پانی میں ڈالتی۔ اس کے بعد بیعت کرتے۔ وہ عورت پیالے کے پانی کو پی جاتی۔ پھر رومال یا دامن اس کے سر پر رکھ دیتے اگر عورت پردہ والی ہوتی تو اس کے سامنے ایک چادر ڈال دی جاتی، پانی کا پیالہ درمیان میں رکھتے یا اس کے کسی محرم کو وکیل بناتے، وہ بیعت کرا دیتا۔ لڑکے اور مریض کو مرید نہیں کرتے۔

استفتاح اور عرفہ کے دن تمام مرید حاضر ہوتے، ان سے تجدید بیعت کرتے اور پہلی بیعت سے زیادہ عبادت و ریاضت کرنے کے لئے حکم دیتے اور زندگی بسر کرنے کے طریقے بتاتے۔ (سیر محمدی ص ۴۳)

معمولات ــــ گلبرگہ شریف کے قیام کے زمانہ میں حضرت سید گیسو درازؒ کے معمولات حسب ذیل تھے :۔

پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا فرماتے، کسی وقت تنہا یا ایک آدمی

کے ساتھ نماز ادا نہیں فرمائی۔ آخر عمر میں جب کھڑے ہونے کی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی تو فرض، سنت اور نفل بیٹھے بیٹھے ادا فرماتے۔ ہر روز ان اوراد کو پڑھتے جو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی پڑھا کرتے۔ مریدوں کو بھی ان کی مداومت کرنے کو ارشاد فرماتے۔ فجر کی نماز کے بعد ۳۳ آیتیں اور چہل اسم پڑھا کرتے۔ آخر عمر میں ان کو اپنے ایک صاحبزادے سے بآواز بلند پڑھوا کر سنا کرتے۔ اشراق کی نماز کے بعد اپنے صاحبزادوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ جوانی میں ہمیشہ روزے رکھتے تھے لیکن آخر عمر میں صرف ایام بیض کے روزوں پر اکتفا کر لیا تھا۔ چاشت کی نماز کے بعد درس دیا کرتے۔ درس زیادہ تر تفسیر، حدیث اور سلوک کا ہوتا۔ کبھی کبھی علم کلام اور علم فقہ بھی پڑھاتے۔ درس میں علماء اور شاہی حکام کے لڑکے بھی شریک ہوتے۔ دوپہر کو قیلولہ کرتے اور فرماتے جو صوفی قیلولہ نہیں کرتا ہے وہ رات کو اٹھنے کی نیت نہیں رکھتا ہے۔ ساری رات جاگتا ہے کہ پڑا سویا رہے۔ اگر کوئی کتاب یا رسالہ تصنیف فرماتے تو زوال کے بعد کسی سے لکھواتے۔ ظہر کی نماز کے بعد تلاوت کلام پاک کرتے۔ تلاوت کے ساتھ مراقبہ بھی کرتے جاتے۔ آخر عمر میں جب خود تلاوت نہیں کر سکتے تھے تو مولانا بہاء الدین امام سے پڑھوا کر سنتے۔ تلاوت کے بعد پھر درس ہوتا۔ عصر کی نماز کے بعد بلا ناغہ دعائے استفتاح پڑھتے نماز مغرب کے بعد اوابین کی نماز ادا فرماتے۔ مغرب اور عشاء کے درمیان سالکوں کو خاص خاص تعلیم دیتے۔ پھر عشاء کی نماز پڑھ کر مریدوں اور صوفیوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے۔ داہنے طرف رشتہ دار اور بائیں طرف دوسرے لوگ بیٹھتے اور شرکائے دسترخوان کے سامنے روٹیاں اور سالن ہوتے لیکن خود آش کے ایک پیالہ پر اکتفا فرماتے۔ اس میں سے تھوڑا نوش فرما کر جس پر کچھ نظر عنایت ہوتی اس کو مرحمت کر دیتے۔ کھانے کے بعد مریدوں سے تھوڑی دیر گفتگو کرتے۔ اس کے بعد آرام کرتے۔ پھر تہجد کے لئے اٹھتے۔ تہجد کے بعد ذکر و مراقبہ کرتے اور فرماتے کہ ذکر و مراقبہ سے بہت سی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ بعض لوگ برسوں روزہ، نماز اور تلاوت میں گزار دیتے ہیں لیکن پھر بھی ان کو کوئی راہ نہیں ملتی۔ اور یہ اس لئے کہ وہ ذکر اور مراقبہ نہیں کرتے۔ تہجد ہی کے وقت اپنے مرشد

کے خاص خاص اوراد و وظائف کی بھی مداومت کرتے تھے۔ جمعہ کے دن غسل فرماتے اور بلاناغہ جمعہ کی نماز کے لیئے جامع مسجد تشریف لے جاتے۔ مسجد میں پہنچ کر تین سلام کے ساتھ چھ رکعتیں نماز ادا کرتے اور پھر بیٹھ کر مراقبہ فرماتے۔ ہمیشہ نہالچہ پر بیٹھا کرتے تھے کسی کے لیئے تعظیماً کھڑے نہ ہوتے۔ لیکن بادشاہ یعنی سلطان فیروز بہمنی آتا تو کھڑے ہو جاتے۔ اور اس کو مخاطب کر کے فرماتے، تم اولی الامر ہو اس لیئے تمہارے واسطے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ جب بادشاہ آنا چاہتا تو ایک دن پہلے کہلا دیا کرتا۔ جواب جاتا کہ فلاں دن آؤ۔ اس کے آنے سے پہلے زیادہ کھانا پکانے کا حکم دیتے اور جب وہ آتا تو دستر خوان بچھا دیا جاتا۔ دستر خوان پر اور لوگ بھی شریک ہوتے۔ بادشاہ کھانا کھاتا اور کچھ تبرک بھی ساتھ لے جاتا۔ اس موقع پر دستر خوان پر ہر شخص کے سامنے چار روٹیاں رکھی جاتی تھیں۔ ایک گہری رکابی میں سالن ہوتا۔ دو دو آدمی ساتھ کھاتے۔ ہر شخص کے سامنے آش کا بھی ایک ایک پیالہ ہوتا۔ کھانے کے درمیان پانی نہیں دیا جاتا۔ جب لوگ کھانا کھا کر فارغ ہو جاتے تو ہر شخص اپنا بچا ہوا حصہ اور آش کا پیالہ اٹھا کر ساتھ لے جاتا۔

(سیر محمدی ص ۷۷۔ ۶۴)

سماع:۔ خواجگان چشت کی طرح سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے۔ راہ سلوک کے ابتدائی زمانے میں ایک بار اپنے خاص خاص یاران طریقت کے ساتھ ایک ایسی مجلس کرائی جس میں ہر قسم کے مزامیر تھے۔ تین دن تک یہ مجلس جاری رہی۔ گو مکان کا دروازہ بند رہتا تھا لیکن اس کے ارد گرد لوگ جمع رہتے تھے۔ مجلس کے بعد اپنے مرشد حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا "سید محمد! اس طرح کا سماع نہ سنا کرو۔"

حضرت سید گیسو دراز کا بیان ہے کہ "میں نے اس دن سے ساز کی آواز تک نہیں سُنی۔"

مجلس سماع میں عود بہت جلایا جاتا تھا۔ اگر رات ہوتی تو بکثرت روشنی کی جاتی دوران سماع وجد کی حالت میں کوئی گر پڑتا تو مجلس روک دی جاتی۔ اکثر فارسی غزلیں

گائی جاتیں۔ فرماتے ہندی کی چیزیں نرم، لوچ دار اور دل کو رقیق کرنے والی ضرور ہوتی ہیں اور اس کا راگ بھی نرم ہوتا ہے اور عاجزی وانکساری کی طرف مائل کرتا ہے۔ عام طور سے صوفیا ہندی راگ ہی پسند کرتے ہیں لیکن سرود کے ہنر اور موسیقار کے جذبات کا اظہار فارسی ہی میں بہتر طریقہ پر ہوتا ہے۔ اس میں کچھ اور ہی ذوق اور لذت ملتی ہے۔ (سیر محمدی ص ۷۰) سماع کے وقت مریدوں کو غیر معمولی کیفیت کے اظہار سے منع فرماتے، لیکن خود بعض اوقات بے حد مضطرب اور بے چین ہو جاتے اور غایت اضطراب میں رقص کرنے لگتے۔ (جوامع الکلم ص ۱۰۹)

ازدواجی زندگی —— چالیس سال کی عمر میں سید احمد بن مولانا جمال الدین مغربی کی صاحبزادی بی بی رضا خاتون حبالۂ عقد میں آئیں۔ ان کے بطن سے دو صاحبزادے حضرت سید حسین عرف سید محمد اکبر حسینی اور حضرت سید یوسف عرف سید محمد اصغر حسینی اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ دونوں صاحبزادے سید عالم تھے۔ معقولات ومنقولات کی تعلیم دہلی کے اساتذہ قاضی عبدالمقتدر، مولانا خواجگی نحوی، مولانا محمد بغرا اور مولانا نصیر الدین قاسم سے پائی حضرت سید گیسو دراز اپنے بڑے صاحبزادے کے ظاہری و باطنی کمالات سے متاثر تھے۔ چنانچہ فرماتے ،" اگر محمد اکبر میرا لڑکا نہ ہوتا تو میں اس کے لئے لوٹے میں پانی بھر کر لاتا۔

حضرت سید محمد اکبر نے بہت سی کتابیں عربی اور فارسی زبان میں لکھیں مثلاً

۱۔ معارف۔ علم نحو پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہے۔

۲۔ شرح لتفظ۔ اس میں اپنے والد بزرگوار کی تفسیر کلام پاک کی شرح لکھی ہے۔

۳۔ عقیدہ۔ بزبان فارسی۔

۴۔ اباحتِ سماع۔

۵۔ رسالہ اباحت پوشیدن کفش در مسجد (فارسی)

۶۔ مقاماتِ صوفیان (عربی)

۷۔ تعریف مالکی۔

۸۔ شرح سوانح۔

۹۔ رسالہ مسئلہ فارسی زبان۔

۱۰۔ رسالہ علم صرف۔

اپنے والد بزرگوار کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی مرتب کیے جن میں جوامع الکلم زیادہ مقبول اور مشہور ہوا۔ ۸۱۱ھ میں والد بزرگوار سے خلافت پائی لیکن سات مہینے کے بعد ہی رحلت فرما گئے۔ حضرت سید گیسو درازؒ نے محبوب فرزند کی میت کو اپنے ہاتھوں سے غسل دیا۔ ان کا مزار ایک علیحدہ گنبد میں گلبرگہ شریف میں ہے۔

حضرت سیّد گیسو درازؒ نے اپنے دوسرے صاحبزادے سید یوسف کو بھی خلافت دی تھی اور وہ اپنے والد کے جانشین ہو کر سجادۂ ارشاد پر متمکن ہوئے اور بعد وفات اپنے والد بزرگوار کے مزار شریف کے پائین میں دفن ہوئے۔ (سیر محمدی ۱۳۰-۱۱۹)

وصال ـــــ گلبرگہ شریف میں بائیس سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا، جب عمر شریف ایک سو چار سال کی ہوئی تو فیوض و برکات کا یہ سرچشمہ بند ہو گیا۔ وصال ۱۶۔ ذیقعدہ ۸۲۵ھ میں اشراق و چاشت کے درمیان ہوا۔ وفات کے موقع پر ان کے خلیفہ حضرت شیخ ابوالفتح نے فرمایا "ایں مصیبت دین است" "مخدوم دین و دنیا" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

ذکر آچکا ہے کہ سلطان فیروز بہمنی کے جانشین سلطان احمد شاہ بہمنی کو حضرت سید گیسو درازؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ اُس نے گلبرگہ شریف میں ان کے مزار مبارک پر نہایت عالیشان گنبد تعمیر کرایا اور اس کو طلائی نقش و نگار سے آراستہ کیا۔ دیواروں پر طلائی حروف میں کلام پاک کی آیتیں بھی لکھوائیں۔

رتبۂ بلند ـــــ صوفیائے کرام میں قطب الاقطاب عالم، قامع بیخ کفر و بدعت، مقصود خلقت عالم، معدن عشق، ہمدم وصال، کلید مخازن حضرت ذوالجلال، مست الست نغمات بے ساز، محبوب حق وغیرہ کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ حضرت سید گیسو دراز کے عظیم المرتبت بزرگ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت سیّد اشرف جہانگیر سمنانی جیسے جلیل القدر بزرگ بھی ان سے روحانی استفادہ کے ہیں۔

لہ دیباچہ سیر محمدی و مراۃ ۱۱۱

منقبین ذکر حضرت سیّد گیسو درازؒ

لئے تشریف لائے۔ وہ ان کی ملاقات کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

"جب سے حضرت سید محمد گیسو دراز کی بیعت سے مشرف ہوا ہوں۔ میں نے ان کی خدمت و تلمذ سے وہ وہ حقائق و معارف پائے ہیں کہ دیگر مشائخ سے حاصل نہ آسکتے تھے۔ اللہ اللہ حضرت سید کے جذبۂ انتقالِ فیض کا کیا کہنا۔"

حضرت سید اشرف جہانگیر اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"پہلی بار جب ہم اطراف دکن میں پہنچے ہم نے حضرت میر سید گیسو دراز کی خدمت میں حاضری دی اور انہیں بہت بلند مرتبہ والا پایا۔ حضرت صاحب کی تصنیفات بے شمار ہیں۔ اُن کی آخری تصنیفات جن میں وحدت وجود سے خصوصی بحثیں شامل ہیں، کے مطالعہ سے میرا انداز فکر یکسر بدل گیا اور میں نے قسم قسم کے عقلی اور نقلی دلائل سے حضرت صاحب کے نظریات کا پتہ چلایا۔ البتہ یہ فرصت نہ مل سکی کہ ان تصنیفات کو اصل اور درست حالت میں لاسکوں۔" (مراۃ الاسرار ذکر حضرت سید گیسو دراز)

برہان مآثر کے مؤلف نے حضرت سید گیسو دراز کو "قدوہ ارباب حال" "سر دفتر اصحاب کمال" "قطب سپہر سیادت و معرفت" "مرکز دائرۂ حقیقت و طریقت" "شاہباز بلند پرواز" لکھا ہے۔ (ص ۴۳)

مولانا عبدالحق اخبارالاخیار میں حضرت سید گیسو دراز کے ذکر میں لکھتے ہیں:-

"سرداری، علم اور ولایت ان کی ذات میں جمع ہیں۔ مرتبہ بہت اونچا شان بہت بلند اور ان کا کلام بے نظیر ہے۔ مشائخ چشت میں اُن کا مشرب خاص ہے اور اسرارِ حقیقت، بیان کا طریقہ جو انہوں نے اختیار فرمایا، انہی کا حصہ ہے۔" (ص ۱۲۳)

خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف رقمطراز ہیں:-

"حضرت چراغ دہلوی، بلند مرتبہ اولیائے حق اور اولین مشائخ عظام میں سے

ہیں۔ قبلۂ عالم حق پرستوں کے سچے خلیفہ ہیں۔" (ج ا ص ۱۸۱ ۳)

مراۃ الاسرار میں ہے :-

"(وہ) دنیا اور دنیا والوں میں خاصے مقبول اور ان کے حسن معاملہ سے ایک جہان فیض یاب ہوا ان کے کمالات کا شہرہ مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔"

تصانیف ـــــ پہلے ذکر آچکا ہے کہ جب حضرت سید گیسو دراز علم باطن کی طرف مائل ہوئے تو علوم ظاہری کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا لیکن ان کے مرشد حضرت چراغ دہلی نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا۔ مرشد کی جوہر شناس نگاہوں نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ حضرت سید گیسو دراز اپنی تصنیف و تالیف کے ذریعہ سے بھی منبع فیوض و برکات بن سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سید گیسو درازؒ نے عربی اور فارسی میں چھوٹی بڑی کتابیں بکثرت لکھیں۔ سیر محمدی کے مؤلف نے حسب ذیل تصانیف کے نام لکھے ہیں۔

۱۔ ملتقط۔ یہ صوفیانہ رنگ میں کلام پاک کی تفسیر ہے۔

۲۔ تفسیر کلام پاک۔ یہ تفسیر کشاف کے طرز پر لکھنی شروع کی تھی لیکن صرف پانچ پاروں ہی تک تحریر فرما سکے۔

۳۔ حواشی کشاف۔ تفسیر کشاف پر حواشی ہیں۔

۴۔ شرح مشارق۔ حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی شرح ہے۔

۵۔ ترجمہ مشارق۔ یہ مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے۔

۶۔ معارف۔ یہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی مشہور کتاب عوارف المعارف کی شرح ہے۔ عربی میں لکھی گئی۔

۷۔ ترجمہ عوارف۔ یہ عوارف کی فارسی شرح ہے۔ لیکن ترجمہ عوارف کے نام سے مشہور ہے۔

۸۔ شرح تعرف۔ یہ شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری کی کتاب تعرف کی شرح ہے۔

۹۔ شرح آداب المریدین (عربی) یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی کی مشہور و معروف تصنیف آداب المریدین کی عربی شرح ہے۔

۱۰۔ شرح آداب المریدین (فارسی) آداب المریدین کی ایک فارسی شرح بھی لکھی تھی جس کو مولوی سید حافظ عطا حسین نے ایڈٹ کر کے حیدر آباد سے شائع کیا ہے۔

۱۱۔ شرح خصوص الحکم۔ یہ شیخ محی الدین ابن عربی کی مشہور تصنیف کی شرح ہے۔

۱۲۔ شرح تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی۔ یہ حضرت ابو المعانی عبداللہ المعروف بہ عین القضاۃ کی مشہور صوفیانہ تصنیف تمہیدات کی شرح ہے۔

۱۳۔ ترجمہ رسالہ قشیریہ۔ یہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری کے رسالہ کا فارسی ترجمہ ہے۔

۱۴۔ خطائر القدس۔ اس کو عشق نامہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ (دیکھو فہرست مخطوطات فارسی مرتبہ ڈبلیو ایونیو ص ۵۸۶)

۱۵۔ رسالہ استقامت الشریعت بطریقۃ الحقیقت۔ اس میں شریعت، طریقت اور حقیقت کی بحث ہے۔ اس کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے۔ (ص ۱۰۳۷)

۱۶۔ ترجمہ رسالہ شیخ محی الدین عربی۔

۱۷۔ رسالہ سیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۸۔ شرح فقہ اکبر۔ عربی و فارسی دونوں میں ہے۔

۱۹۔ حواشی قوت القلوب۔ یہ حضرت ابی طالب محمد بن ابی الحسن بن علی کی مشہور کتاب قوت القلوب پر حواشی ہیں۔

۲۰۔ اسمار الاسرار۔ اس کتاب کو جناب مولوی سید عطا حسین صاحب نے حیدر آباد سے شائع کیا ہے۔ اس کے متعلق خود حضرت سید گیسو دراز تحریر فرماتے ہیں: "میری کتاب اسمار الاسرار میں باطل کو نہ آگے سے آنے کا موقع ہے نہ پیچھے سے۔ کوئی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس میں توحید کی تجرید اور تفرید کے افراد کے سوا کچھ نہیں۔"

اس کے بارے میں مولوی سید عطا حسین لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے متعلق بعض بزرگوں

کا خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ فن تصوّف و سلوک و معارف میں ہندوستان میں اس سے بہتر اور اعلیٰ تر کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ مبتدی، متوسط اور منتہی سب کے لئے مفید ہے۔ اس میں ذکر ہے، شغل ہے، مراقبہ ہے، مراتب سلوک کا بیان ہے۔ عشق ہے توحید ہے، حقائق ہیں، معارف ہیں، غرض سب ہی کچھ ہے۔ (دیباچہ اسمار الاسرار ص ۲)

۲۱۔ حدائق الانس۔ اس میں معرفت کے کچھ اسرار بیان کئے گئے ہیں۔

بقیہ کتب کے موضوع ان کے نام سے ظاہر ہیں:۔

۲۲۔ ضرب الامثال ۔۔۔ ۲۳۔ شرح قصیدہ امانی

۲۴۔ شرح عقیدہ حافظیہ ۔۔۔ ۲۵۔ عقیدۂ چند ورق

۲۶۔ رسالہ در بیان آداب سلوک ۔۔۔ ۲۷۔ رسالہ در بیان اشارت محبان

۲۸۔ رسالہ بیان ذکر ۔۔۔ ۲۹۔ رسالہ بیان رایت ربی فی احسن صورۃ

۳۰۔ رسالہ در بیان معرفت ۔۔۔ ۳۱۔ رسالہ در بیان بود و ہست و باشد

سیر محمدی کے مؤلف نے ان خلافت ناموں کو بھی تصانیف میں شمار کیا ہے، جو حضرت سید گیسو درازؒ نے اپنے خلفاء کو لکھ کر دیئے تھے۔ ان تحریری خلافت ناموں کی تعداد چار ہے۔ (سیر محمدی باب پنجم)

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے فارسی مخطوطات میں حضرت گیسو درازؒ کے کچھ رسائل کے یہ بھی نام ہیں:۔

رسالہ در تصوف ـــــ شرح بیت ـــــ امیر خسروؒ دہلوی ـــــ رسالہ اذکار خانوادۂ چشتیہ ـــــ وجود العاشقین[۱]۔

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے مخطوطات میں حضرت سید گیسو درازؒ کی ایک تصنیف خاتمہ کا بھی ذکر ہے۔ یہ بظاہر تو شروع آداب المریدین کا تکملہ یا ضمیمہ ہے لیکن اب خود ایک

---

[۱] فہرست مخطوطات فارسی، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی (ص ۵۸۴) وجود العاشقین کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے۔ ص ۱۰۲۶

مستقل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں حضرت سید گیسو درازؒ نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ایک سالک کے عبادات و معاملات کا لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ جو آج بھی ذوق وشوق کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے۔ اس کو بھی حافظ سید عطا حسین صاحب نے بڑی محنت سے ایڈٹ کر کے ایک پُر مغز مقدمہ کے ساتھ حیدر آباد سے شائع کیا ہے۔

حضرت سیّد گیسو دراز کے مکتوبات کا ایک مجموعہ بھی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے جس میں اُن کے اکسٹھ مکتوبات ہیں۔ ان کے خلیفہ شیخ ابوالفتح علاؤالدین نے ان کو مرتب کیا ہے۔

تذکروں میں حضرت سید گیسو درازؒ کے ملفوظات کے چار مجموعوں کا ذکر آتا ہے۔ سیر محمدی میں ہے کہ حضرت سیّد گیسو درازؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت سیّد محمد اکبر نے دو مجموعے مرتب کئے تھے۔ ایک دہلی میں اور ایک سفر گجرات میں۔

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی (۷ ۵۸) انڈیا آفس (۱۰۲۵) اور برٹش میوزیم (ص ۳۴۷) کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں جوامع الکلم کے مرتب کا نام محمد اکبر حسینی بتایا گیا ہے۔ جو فہرست نگاروں کی رائے کے مطابق حضرت سیّد گیسو درازؒ کے مرید تھے لیکن جوامع الکلم کا جو مطبوعہ ایڈیشن حیدر آباد سے شائع ہوا ہے۔ اس میں حافظ محمد حامد صدیقی صاحب نے مرتب کا نام حضرت سیّد گیسو درازؒ کے بڑے صاحبزادے سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی لکھا ہے۔ جوامع الکلم کے اس مطبوعہ ایڈیشن کے مقدمہ میں ایک جگہ لکھا ہے:-

"ان جواہر اور موتیوں ایسے ملفوظات کو یکجا کرنے کا شرف حضرت علیا کے غلاموں کے غلام محمد اکبر حسینی کو حاصل ہے۔" (ص ۵)

بہرحال جوامع الکلم نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اس کے متعلق خود حضرت سیّد گیسو درازؒ نے فرمایا:-

"تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے اس ملفوظ کا مقام یہ ہے کہ اپنی گفتار کو میں خود لکھ رہا ہوں اور اپنی کہی باتوں کو خود ہی جمع کر رہا ہوں۔" (ص ۶)

اس میں ۱۸۔ رجب ۸۰۲ھ سے ۲۳۔ ربیع الثانی ۸۰۳ھ تک کے ملفوظات ہیں۔

حافظ مولوی سید عطا حسین نے خاتمہ کے دیباچہ (ص ۱۸) میں لکھا ہے کہ حضرت سید گیسو درازؒ کے مرید قاضی علم الدین بہروچی نے بھی گلبرگہ میں ۸۱۱ھ کے بعد ملفوظات کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

کبھی کبھی بے ساختہ غزلیں اور رباعیاں بھی کہہ دیتے تھے۔ ان کی غزلوں اور رباعیوں کو ان کے پوتے سید ید اللہ عرف سید قبول اللہ نے ایک دیوان کی شکل میں مرتب[1] کیا تھا۔

تعلیمات ـــــ حضرت سید گیسو درازؒ کی تصنیف اسمار الاسرار اور ان کے ملفوظات جوامع الکلم میں تصوّف کے بعض دقائق اور غوامض پر مبسوط اور مفصل عالمانہ بحثیں ہیں لیکن ان مباحث کا اجمالی ذکر خواجگان چشت اور دوسرے صوفیائے کرام کی تعلیمات کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ اس لئے ان کے اعادہ کی بجائے حضرت سید گیسو درازؒ کی تصنیف "خاتمہ" سے ان ضوابط و قوانین کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن کو حضرت سید گیسو درازؒ کے نزدیک سالکوں کی زندگی کا لائحہ عمل ہونا چاہیے۔ خاتمہ ۱۹۵ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی ہر سطر لائق مطالعہ ہے۔ لیکن ان اوراق میں ان سب کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لئے صرف اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

وضو ـــــ سالکوں کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے۔ ہر فرض نماز کے لئے تازہ وضو کرنا بہتر ہے۔ وضو کے بعد تحیۃ الوضو ادا کریں۔ بے وضو نہ سوئیں۔ اگر رات کے وقت بیدار ہو جائیں تو وضو کر لیں اور دوگانہ ادا کریں۔ وضو کے دوران کسی سے بات چیت نہ کریں اور اس کا خیال رکھیں کہ ان کا ہر عضو دوسرے سے علیحدہ بھی ہے اور ملا بھی (خاتمہ ص ۴-۲)

نماز فجر ـــــ صبح ہونے سے پہلے اگر رات کی تاریکی باقی ہے تو رات کی باقی ماندہ

---

[1] حضرت سید گیسو درازؒ نے اپنی تعلیمات کو عام لوگوں کے سمجھانے کے لئے بعض رسالے دکھنی اردو میں بھی تصنیف کئے۔ ان میں سے ایک رسالہ ـــــ "معراج العاشقین" کو مولوی عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اردو نے ۱۳۴۳ھ میں اورنگ آباد سے شائع کیا تھا۔

نفلوں کو نہیں۔ فجر کی نماز اوّل وقت ادا کریں۔ فجر، عشاء اور مغرب کی نمازوں میں قرأت لمبی نہ ہو۔ نہیں حضورِ قلب مقدم ہے۔ فجر کی سنت پڑھنے کے وقت سے اشراق کی نماز پڑھ حتی الوسع کسی سے نہ بولیں۔ (ص ۳، ۱۳)

اس سے پہلے ہلکی سی نیند لے کر آرام کریں تاکہ بیداریٔ شب کی تکان دُور ہو جائے اور سرے وقت کے اوراد و وظائف میں گرانی پیدا نہ ہو اور مضمحل نہ رہیں۔ کچھ آرام کے بعد اشراق کی نمازیں ادا کریں۔

اس کے بعد اور چاشت سے پہلے اوراد و وظائف میں مشغول رہیں۔ تلاوت کلام پاک بھی کریں۔ تلاوت کے بعد سلوک کی کتابیں پڑھیں۔ پھر چاشت کی نمازیں اس طرح ادا کریں۔ چار رکعتیں تو اشراق سے متصل پڑھی جائیں، چار چاشت پر وقت گزر جانے کے بعد اور چار چاشت کے زوال پر ادا کی جائیں (ص ۶)

اس کے وقت قیلولہ کریں تاکہ شب بیداری میں سہولت ہو۔ (ص ۶)

اس کے وقت دو رکعت نماز ادا کر کے اوراد میں مشغول ہوں۔ اس کے بعد تلاوت، مراقبہ کریں۔ مراقبہ بہتر ہے۔ (ص ۶)

ظہر، عصر، مغرب —— ان میں سے ہر نماز اول وقت ادا کریں۔ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد مخصوص وظائف پڑھیں۔ عصر کی نماز سے اوابین کے ادا کرنے تک کسی سے نہ بولنا بہتر ہے۔ (ص ۱۳)

مغرب کی نماز کے بعد اور نمازوں کے پڑھنے سے اگر طبیعت میں کچھ گرانی محسوس ہو تو تھوڑی دیر آرام کرلیں۔ پھر عشاء کی نماز پڑھیں۔ بعض صوفیاء کے نزدیک عشاء کی نماز کے لئے آدھی رات مستحب وقت ہے۔ آرام کے بعد عشاء کی نماز پڑھنے میں نشاط پیدا ہوتا ہے۔ اور بقیہ تمام رات نفل پڑھنے، ذکر اور فکر کرنے میں ذوق حاصل ہوتا ہے۔ (ص ۸)

رات کو تین حصوں میں تقسیم کریں۔ پہلے حصہ میں اوراد و وظائف میں مشغول رہیں، دوسرے حصہ میں سوئیں، تیسرے حصہ میں ذکر اور مراقبہ کریں۔ (ص ۵)

بعض صوفیاء مغرب کے وقت صرف پانی سے روزہ کھول لیتے ہیں۔ پھر عشاء تک

نوافل میں مشغول رہتے ہیں۔ عشاء کے بعد کچھ کھاتے ہیں، پھر سو رہتے ہیں (ص ۸)

سالکوں کی نیند بھی ایک خاص قسم کی ہوتی ہے۔ وہ سوئیں تو اپنے دسے باخبر رہیں۔ اور سوتے وقت یہ سوچیں کہ نیند اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، اللہ ہی سے ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور اللہ ہی کی جانب سے ہے۔ جو نیند اللہ بھلا دے وہ قابل مذمت ہے۔ بعض صوفیاء کو نیند میں ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے وہ بیداری میں مطلع نہیں ہوتے۔ (ص ۱۰-۱۴)

کم سونے کے لئے کھانے اور پینے میں تقلیل ضروری ہے۔ (ص ۱۴)

رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر تہجد پڑھیں۔ تہجد کے بعد اوراد و وظائف، تلاوت کلام پاک، ذکر اور مراقبہ میں مشغول رہیں لیکن ان سب میں مراقبہ عزیز ترین مشغلہ ہے۔ (ص ۸-۹)

اگر کوئی سالک شہرت کی خاطر عبادت و ریاضت کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر شہرت کے ڈر سے عبادت و ریاضت کو ترک کرتا ہے تو وہ ریاکار اور منافق ہے۔ (ص ۸)

اگر ایک سالک کمالات کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائے تو بھی اپنے اوراد وظائف کے معمولات کو ترک نہ کرے۔ (ص ۱۹)

روزے ـــــ روزہ ارکان تصوف میں ہے۔ اس لئے صوفی کے لئے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ روزے سے نفس مغلوب رہتا ہے اور اس میں غرور اور عجب پیدا نہیں ہوتا۔ صوم دوام بہترین قسم کا روزہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک روز کے وقفہ سے روزے رکھا کرتے تھے کیونکہ صوم دوام ایک عادت بن جاتی ہے۔ جس سے پھر کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ بعض ہفتے میں تین روز یعنی دوشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ، اور بعض صرف دو روز یعنی پنجشنبہ اور جمعہ۔ بعض مہینے کے شروع اور آخر میں، بعض مہینہ کی بیسویں تاریخ اور بعض سال میں تین مہینے۔ بعض شوال کے پہلے چھ روزے اور بعض ایام بیض یعنی مہینہ کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ میں روزے رکھتے ہیں۔ (ص ۱۵)

جب ایک طالب حقیقی پر عشق الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ طی کے روزے رکھتا ہے اس میں وہ افطار کے وقت پانی تو پی لیتا ہے لیکن کبھی متواتر تین دن، کبھی دس دن، کبھی ایک مہینہ، کبھی چھ مہینے اور کبھی ایک سال تک کچھ نہیں کھاتا۔ (ص ۵۲)

اعتکاف رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتا ہے لیکن صوفیاء کبھی چالیس دن، کبھی اسی اور کبھی ایک سو بیس دن اعتکاف میں بیٹھتے ہیں۔ چالیس دن کا اعتکاف شعبان کی آخری دسویں تاریخ اور پورے رمضان پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کو اربعین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں۔ اسی دن کا اعتکاف رجب سے شروع کیا جاتا ہے۔ اس کو اربعین عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک سو بیس دن کا اعتکاف اور بھی پہلے سے شروع ہوتا ہے۔ اعتکاف میں ذکر اور مراقبہ برابر کرتے رہنا چاہیے۔

آداب طعام — سالکوں کے لئے تقلیل طعام ضروری ہے۔ اور جب وہ کھائیں تو ہر لقمہ کے ساتھ بسم اللہ کہیں، بلکہ سورہ فاتحہ پڑھیں (ص ۹)

• جو چیز کھائیں وہ بالکل حلال ہو۔ اپنی روزی کو حلال ثابت کرنے کے لئے کوئی تاویل نہ کریں۔ (ص ۵۲)

اگر کسی جگہ دعوت ہو اور اس میں وہ شرکت کریں لیکن کھانے کا ارادہ نہ رکھتے ہو یا تھوڑا ہی کھانا چاہتے ہوں تو اس کو اپنے بیٹھنے کے انداز سے ظاہر نہ ہونے دیں۔ اس سے تکبر کا اظہار ہوتا ہے۔ کھانے کے وقت بائیں پاؤں پر بیٹھیں اور دائیں پاؤں کو اٹھائے رکھیں، یہ مسنون طریقہ ہے۔ کھانا شروع ہو تو پہلے خود لقمہ نہ اٹھائیں بڑے لقمے سے پرہیز کریں۔ لقمے کو تین انگلیوں سے اٹھائیں۔

• جب تک دوسرے لوگ بھی کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں، اپنے ہاتھ اور منہ کو حرکت دیتے رہیں۔

• ہاتھ کی انگلیوں اور منہ کو کھانے کی چیزوں سے آلودہ نہ کریں۔

• پہلے روٹی اور گوشت کھائیں۔ اس کے ساتھ ترشی ملالیں۔ پھر میٹھی چیز کھائیں اگر ہو تو شروع یا آخر میں پئیں۔

- روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دسترخوان پر نہ چھوڑیں - یا تو پوری کھائیں یا آدھی -
- زیادہ سیر ہو کر کھانے کی بجائے کچھ بھوک باقی رہے تو کھانا چھوڑ دیں -
- دعوت کے کھانے کی نہ زیادہ تعریف کریں اور نہ برائی بیان کریں -
- کھانے کے بعد مسلسل پانی نہ پیئیں -
- لوگوں کے سامنے، کھانے کے درمیان یا کھانے کے بعد ڈکار نہ لیں -
- مجلس میں خلال نہ کریں - (خاتمہ ص ۴۸ - ۵۱)

میزبانوں کو اپنے مہمانوں کے سامنے زود ہضم کھانے پیش کرنے چاہئیں - لیکن مہمانوں کے سامنے جیسا بھی کھانا آئے اس کو دیکھ کر خوش ہوں - اگر میزبان صاحب احتیاج ہو تو مہمان اس کی خدمت میں کچھ نذر نقد پیش کریں - (ص ۵۲)

آداب سماع ـــــ مجلس سماع کے لئے ایک علیحدہ مکان ہو - ارباب دنیا، امراء کے لڑکے، بچے اور عورتیں اس میں شریک نہ ہوں - اس میں سالکوں اور مریدوں کو غسل کر کے، طاہر اور باوضو ہو کر، اور سفید کپڑے پہن کر شریک ہونا چاہیئے اور وقار کے ساتھ بیٹھیں اور مراقبہ میں رہیں - گانے والوں پر نظر نہ رکھیں اور نہ ہی اُن کی موسیقی پر دھیان دیں - اشعار کی ترکیب کو بھی خیال میں نہ لائیں - نہ ہر لمحہ واہ واہ کریں اور نہ آہ آہ - گریہ طاری ہو تو ضبط کریں - زبان سے کچھ کہنا چاہیں تو اس سے پرہیز کریں - اضطراب میں پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پیئیں - حتی الوسع اپنے اعضا میں جنبش پیدا نہ ہونے دیں -

مزامیر کے متعلق فرمایا کہ فقہاء کے نزدیک یہ حرام ہیں اس لئے ان سے سختی کے ساتھ احتراز کرنا چاہیئے - (ص ۳۳) سماع کو پیشہ نہیں بنانا چاہیئے - سماع کے بعد دل کو سماع کے مقصد کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے - اس کے بعد بہت سے راز معلوم ہوتے ہیں[1] -

---

[1] حضرت سید گیسو دراز نے صوفیائے کرام کے خاص قسم کے رقص کی بھی کچھ تفصیل بتائی ہے -

احترام شیخ ——— ایک مرید جب اپنے پیر کی مجلس میں حاضر ہو تو اس کو اس طرح دیکھے جیسے کوئی اپنے محبوب کو دیکھتا ہو۔

- پیر کے سامنے کسی قسم کی بے ادبی نہ کرے۔
- پشت اس کی طرف نہ ہونے دے۔
- اس کے روبرو کھڑا ہو تو نظریں اپنے پاؤں پر رکھے۔
- بیٹھا ہو تو دائیں بائیں نہ دیکھے۔ زور سے نہ بولے اور نہ کسی کو زور سے پکارے۔
- پان نہ کھائے، ہاں اگر پیر کی طرف سے عطا ہو تو کھا لے۔
- اگر کھانا کھانے کا اتفاق ہو تو لقمہ چھوٹا اٹھائے اور کھاتے وقت ایک دانہ بھی نیچے گرنے دے۔
- اپنی انگلیوں کو کھانے سے آلودہ نہ کرے۔

ایک مرید دنیاوی کاموں میں اپنے پیر کو اپنی ہی طرح یا اپنے سے بھی کم تر سمجھے، لیکن امر الٰہی میں اس کو پیغمبروں اور احمد خاتم الرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قائم مقام سمجھنا چاہیئے۔

پیر کی مجلس کو مجلس حق تصور کرنا چاہیئے۔ ایک مرید اپنے پیر کی باتوں کو شریعت کی میزان پر تولے۔ اگر اس کے مطابق ہوں تو ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور اگر کوئی بات بظاہر شرع کے خلاف ہو تو اس پر غور و تامل کرے۔ اور اگر اس میں کوئی خاص عذر یا راز معلوم ہو تو اس پر عمل کرے کیونکہ پیر بعض ایسے حقائق سے واقف ہوتا ہے جن سے ایک مرید بالکل ناواقف ہوتا ہے۔

ایک مرید پیر کے سامنے مراقبہ یا ذکر میں مشغول نہ ہو۔ لیکن کسی حال میں بھی پیر سے غافل رہے۔ پیر سے غافل رہنا بڑی محرومی ہے۔ ایک مرید جہاں بھی ہو اس کا دل پیر کے تصور سے خالی نہ ہو۔ پیر کا نام ہر وقت زبان پر ہو اور رفتار، گفتار، وضع قطع میں اس کا اتباع ضروری ہے۔ اس کا ایک حکم بجا لانے سے مرید ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ سو سال کی عبادت سے نہیں پہنچ سکتا۔ پیر جس کام کا حکم دے، مرید سمجھے

کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی اجازت سے صادر کیا گیا ہے۔

• اگر کوئی شخص اپنی گفتگو میں اشارۃً و کنایۃً بھی کسی کے پیر کی اہانت کرتا ہو تو اس سے مرید اسی طرح دُور رہے جس طرح کہ ایک زاہد شیطان سے دُور رہتا ہے۔

• اگر پیر کی طرف سے کوئی لباس یا کپڑا ملے تو اس کو احترام سے رکھے۔

• پیر کے بیٹھنے کی جگہ کا بھی پورا احترام کرے۔

• پیر کی زندگی میں کوئی مرید کسی دوسرے پیر کی تلاش نہ کرے۔

• اگر پیر مرید کو نامشروع کاموں کی دعوت دیتا ہو تو مرید ایسے پیر کو چھوڑ دے، لیکن اس طرح کہ پیر کو معلوم نہ ہو کہ اس نے بداعتقادی کی وجہ سے علیحدگی اختیار کی ہے[1]۔ (خاتمہ ص ۵۶)

• ایک مرید حقیقت و طریقت کو شریعت کی ضد نہ سمجھے بلکہ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا خلاصہ تصوّر کرے۔ جس طرح اخروٹ کا مغز اخروٹ کے چھلکے سے بظاہر مختلف معلوم ہوتا ہے۔ پھر بھی مغز کا جز چھلکے میں اس طرح ملا ہوتا ہے کہ اس سے بھی تیل نکالا جاتا ہے۔ اسی طرح حقیقت، طریقت اور شریعت تینوں ایک ہیں۔ (ص ۸۴)

تزکیہ اخلاق ــــــ جب تک ایک شخص تمام دنیاوی چیزوں سے فارغ ہو جائے راہِ سلوک میں گامزن نہ ہو۔ اور جب وہ کسی کا مرید ہو کر خلوت میں بیٹھے تو اپنے اور دوسروں کے تمام حقوق ادا کرے۔ اس کے پاس عورتیں، بیویاں اور کنیزیں زیادہ نہ ہوں۔ اس میں مطلق ریا اور غصّہ نہ ہو۔ دنیاداروں کی مجلسوں اور محفلوں سے دُور رہے۔ وراثت میں جو مال اور دولت ملنے والی ہو اس سے بھی باز رہے۔ اگر کوئی اس کا مال لے لے تو اس کے لئے شور و غوغا نہ کرے۔ (ص ۱۰۰)

---

[1] اسی طرح پیر اور مرید کے تعلقات کے سلسلہ میں اور بھی ہدایات ہیں جن کو ہم اختصار کی خاطر لکھنے سے قاصر ہو رہے ہیں۔

- کسی دوسرے کے خیر و شر سے واسطہ نہ رکھے۔ (ص ۱۰۳)
- اس کے دل میں جتنی ہوس ہو اس کو دور کرے اور اگر دور نہ ہو تو مجاہدہ و ریاضت کرتا رہے۔ (ص ۱۰۴)
- اس کو ہمیشہ اپنی موت کا منتظر رہنا چاہیے۔ (ص ۱۱۱)
- ایسی تفریح سے جو جائز بھی ہو پرہیز کرے۔ (ص ۱۱۵)
- آج کا کام کل پر اٹھا نہ رکھے۔ (ص ۱۱۶)
- کسی حال میں اپنے نام کی شہرت نہ دے۔ (ص ۱۲۱)
- بازار صرف شدید ضرورت کے وقت جائے۔ (ص ۱۲۴)
- فقہا نے جو طہارت و نظافت کی باتیں بتائی ہیں اُن پر عمل کرے۔ ان سے زیادہ پر عمل کرنا بے کار ہے۔ (ص ۱۲۴)
- گرسنگی، تشنگی اور شب بیداری کو درست رکھے۔ (ص ۱۲۶)
- غلاموں اور کنیزوں سے سختی سے پیش نہ آئے۔ (ص ۱۲۶)
- لوگوں کی آمدورفت اپنے یہاں زیادہ نہ ہونے دے۔ (ص ۱۲۷)
- امیروں کی صحبت سے گریز کرے۔ (ص ۱۲۹)
- اگر کوئی دو وقت اس کو کھانا لا کر دے تو تیسرے وقت اُس کی صحبت سے احتراز کرے۔ کیونکہ فاقہ نفس کی شکستگی کے لئے ضروری ہے۔ (ص ۱۲۵)
- مصیبت کے وقت مضطر اور مضطرب نہ ہو۔ کسی حال میں نہ روئے۔ روئے بھی تو اس کے لئے کہ کہیں منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے اس کو موت نہ آجائے (ص ۱۳۶)
- اپنی درازی عمر کے لئے خداوند تعالیٰ سے دعا کرے تاکہ راہِ سلوک میں اس کو ترقی درجات حاصل ہو۔ (ص ۱۳۶)
- سخت ضرورت کے وقت مثلاً مہمان کے آنے یا حقوق ادا کرنے یا صلہ رحمی کے لئے یا غایت گرسنگی کی حالت میں قرض لے سکتا ہے لیکن قرض ادا کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔ (ص ۱۴۳)

• پند و نصائح کا فرض انجام نہ دے کیونکہ یہ کام کاملوں کا ہے۔ سلوک پر کوئی کتاب لکھنے کی بھی کوشش نہ کرے کیونکہ یہ کام عارفوں کا ہے۔ زیادہ تر خاموش رہے۔ (ص ۱۵۱-۱۴۸)

شرکتِ جہاد ـــــ ضرورت کے وقت ایک سالک جہاد میں بھی شرکت کر سکتا ہے لیکن اس نیت سے شریک نہ ہو کہ اس کو درجہ شہادت ملے گا اور زندہ رہ گیا تو ثواب ملے گا۔ یہ نیت مستحسن ضرور ہے لیکن ایک سالک کی نیت اس سے ماوراء ہونی چاہیئے وہ جہاد میں صرف خداوند تعالیٰ کی خاطر شریک ہو۔ وہ جہاد میں اپنی تلوار کو سیف اللہ اپنے تیر کو سہم اللہ اور اپنے سنان کو سنان اللہ سمجھے۔ (ص ۸۷-۱۸۱)

شاہی ملازموں کا اخلاق ـــــ اگر کوئی سالک بادشاہ کا ملازم ہے اور اس کو کوئی نامشروع کام کرنے کو کہا جائے تو ایسی ملازمت اس کے لیئے حرام ہے۔

• سالک اگر ملازمت میں رہے تو رعایا کے ساتھ معاملات میں اس طرح پیش آئے جیسے وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ پیش آتا ہو۔

• رات کو ذکر و فکر میں مشغول رہے لیکن دن کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کوئی کام نہ چھوڑے۔

• اپنی ملازمت کو اس لیئے برقرار رکھے کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں خصوصاً کمزوروں اور عاجزوں کو نجات دلا سکے گا۔

• مال و دولت کی ہوس نہ کرے۔

• نامشروع کپڑے مثلاً ریشمی قبا، ریشمی موبند اور کلاہ زر نہ پہنے۔ اگر بادشاہ نامشروع کپڑے عطا کرے تو اس کے سامنے پہن لے۔ پھر باہر آکر اتار دے۔ اگر تیسرے روز بادشاہ کے سامنے ایسے کپڑے پہن کر جانے کی رسم ہو تو پہن لے لیکن فقہاء کے نزدیک یہ بھی مرجوع ہے۔ (ص ۸۷-۱۸۵)

بادشاہ کا اخلاق ـــــ اگر کوئی بادشاہ راہِ سلوک میں گامزن ہو تو وہ سلطان ابراہیم ادھمؒ، معاویہ ثانی اور عبداللہ (ابن زبیر) بن سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ بادشاہی کے

لئے موزوں ہو تو پھر اسی فرض کو انجام دے۔ سلوک کی طرف مائل نہ ہو اور حکومت میں ایسے متدین اور صالح لوگوں کو عہدہ دار مقرر کرے جو شرعی احکام کو نافذ کرا سکیں اور اس کو باخبر رکھیں کہ احکام شرعی پر عمل ہو رہا ہے۔

• اگر اس کی حکومت میں کوئی مسلمان زکوٰۃ نہ دیتا ہو تو سختی سے وصول کرے اور اگر زکوٰۃ دینے میں حیلہ کرتا ہو تو چند تازیانے بھی لگائے۔

• وہ اس پر نظر رکھے کہ اس کی سلطنت میں کوئی شراب یا دوسری نشہ آور چیزیں نہ پی سکے۔ اگر کوئی پیتا ہو تو اس کو اسیؔ کوڑے لگائے۔

• فقیروں، کمزوروں، یتیموں اور عاجزوں، لنگڑوں، گونگوں اور بیواؤں کی پوری خبر گیری کرے۔ ان کو برباد ہونے سے بچا لینے سے زیادہ کوئی مشکل کام نہیں۔

• بادشاہ اگر راہِ سلوک میں گامزن ہے تو اپنے نفس اور جسم کو اعلائے کلمۃ الدین کے لئے وقف کر دے اور دل کو خداوند تعالیٰ کے جلال، عظمت اور قہر کے تصور میں مشغول رکھے۔ وہ اپنے کو جتنا ہی ذلیل سمجھے گا اتنا ہی زیادہ خداوند تعالیٰ سے قریب تر رہے گا۔ (۹۰-۱۸۷)

خلفاء ـــــ حضرت گیسو درازؒ کے بعض خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

۱- مولانا علاؤالدین گوالیری (ابتدا میں سلطان محمد تغلق کو پڑھایا کرتے تھے۔ گوالیر میں فتویٰ نویسی کے عہدہ پر مامور تھے۔ آخر میں کالپی چلے آئے تھے اور یہیں رحلت فرمائی)

۲- شیخ صدرالدین خوندمیراں (ان کے والد بزرگوار اور دادا ایرچہ کے شیخ الاسلام تھے۔)

۳- قاضی اسحٰق محمد (جھیترہ کے مفتی تھے۔)

۴- قاضی محمد سلیمان۔

۵- قاضی علیم الدین بن شرف (مزار پاک پٹن میں ہے۔)

۶- حضرت سید محمد اکبر (حضرت سید گیسو درازؒ کے بڑے صاحبزادے)

۷- حضرت ابوالمعالی بن سید احمد (حضرت سید گیسو درازؒ کے سالے اور خادم

تھے۔ مزار گلبرگہ شریف میں ہے۔)

۸۔ خواجہ احمد دبیر (سلطان فیروز بہمنی کے دبیر تھے)

۹۔ مولانا ابوالفتح بن مولانا علاؤالدین گوالیری (خزینۃ الاصفیا ج ۲ ص ۳۹۷ میں ہے
صاحب تصنیف تھے۔ ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں: عوارف المعارف تکملہ در نحو و
مشاہدہ در تصوف۔ مزار کالپی میں ہے)

۱۰۔ حضرت سید یوسف (حضرت سید گیسو درازؒ کے صاحبزادے تھے)

۱۱۔ حضرت سید یداللہ (حضرت سید گیسو درازؒ کے پوتے تھے)

۱۲۔ قاضی راجا (گلبرگہ کے صدر جہاں تھے)

۱۳۔ شیخ زادہ شہاب الدین۔

۱۴۔ مولانا بہاءالدین دہلوی (حضرت سید گیسو درازؒ کی نمازوں کی امامت کرتے تھے)

۱۵۔ ملک زادہ عزالدین اور

۱۶۔ ملک شہاب الدین۔

(ان خلفاء کے حالات کی تفصیل سیر محمدی کے ساتویں باب میں درج ہے۔)

تلخیص سیرت النبیؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبّہ پر اُردو زبان میں سب سے مستند اور مؤثر کتاب ـــــ مولانا شبلی مرحوم کی مشہور تصنیف سیرت النبیؐ ـــــ مگر یہ چھ ضخیم جلدوں میں ہونے کی وجہ سے عام آدمی کی قوتِ خرید سے بالا ہے۔ نیز ان چھ جلدوں میں بعض ایسی ایسی مشکل علمی بحثیں شامل ہیں جو عام آدمی کے فہم سے بلند اور صرف علماء کے مطالعہ سے تعلق رکھتی ہیں ـــــ ادبستان نے عام آدمی کے لئے ان چھ جلدوں سے مشکل علمی بحثیں چھوڑ کر خالص سیرت یعنی آنحضرتؐ کے خاندانی حالات اور ولادت باسعادت سے لے کر وصال تک کے مکمل واقعات مولانا شبلی کی ترتیب اور عبارت ہی میں "تلخیص سیرت النبیؐ" کے نام سے کتاب پیش کر دی ہے۔ یہ کتاب نسلوں تک کے لئے ایک عظیم ورثہ کی حیثیت رکھتی ہے ـــــ کتاب سفید کاغذ پر آفسٹ طریق طباعت اور دیدہ زیب رنگین ٹائیٹل سے مزیّن ہے۔

قیمت: اٹھارہ روپے

سرمد شہیدؒ

سرمد شہیدؒ برصغیر پاک و ہند کے اُن عاشقانِ پاک طینت میں سے ہیں جو فلسفۂ توحیدؐ پر عملاً اعتقاد رکھتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے سرمدؒ کے عشقِ الٰہی کی مستیوں سے خود مست ہو کر بڑی تحقیق سے حالاتِ زندگی مرتب کئے ہیں۔ مولانا پیش لفظ میں لکھتے ہیں:۔

"چند پتوں اور پنکھڑیوں کو دامن میں لے لیا ہے کہ مشہدِ سرمدؔ میں جاؤں تو خالی ہاتھ کیا جاؤں۔"

سوانح کے ساتھ سرمدؔ کی فارسی رباعیات بھی معہ منظوم اردو ترجمہ شامل کتاب ہیں۔ کتاب کے دیباچہ میں ڈاکٹر آغا امین خان صدر شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج لاہور نے بڑی کاوش سے افکارِ سرمدؔ پر روشنی ڈالی ہے اور پرانے نسخوں کی تلاش کر کے فارسی رباعیات کی درستی فرمائی ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں یہ واحد کتاب ہے جس میں سوانح و رباعیاتِ سرمدؔ پیش کئے گئے ہیں۔

کتاب سفید کاغذ پر آفسٹ چھپائی اور خوبصورت ٹائیٹل سے مزیّن ہے

قیمت: پانچ روپے

سید صباح الدین عبدالرحمن

بزم اولیاء